

فقہ المعاملات

یعنی

جدید معاملات کے

شرعی احکام

کامل ۳ جلد کیا

جلد سوم

جناب مولانا مفتی احسان اللہ شائق صاحب
مفتی و استاد جامعۃ الرشید احسن آباد کراچی

آؤ بازار ایم ایچ روڈ
کراچی پاکستان 2213768

دارالاشاعت

جملہ حقوق ملکیت بحق دارالاشاعت کراچی محفوظ ہیں

باہتمام : خلیل اشرف عثمانی
طباعت : فروری ۲۰۰۳ء علی گڑھ
ضخامت : 267 صفحات

قارئین سے گزارش

اپنی حتی الوسع کوشش کی جاتی ہے کہ پروف ریڈنگ معیاری ہو۔ الحمد للہ اس بات کی نگرانی کے لئے ادارہ میں مستقل ایک عالم موجود رہتے ہیں۔ پھر بھی کوئی غلطی نظر آئے تو ازراہ کرم مطلع فرما کر ممنون فرمائیں تاکہ آئندہ اشاعت میں درست ہو سکے۔ جزاک اللہ

..... ملنے کے پتے

ادارۃ المعارف جامعہ دارالعلوم کراچی	ادارہ اسلامیات ۱۹۰- انارکلی لاہور
بیت القرآن اردو بازار کراچی	بیت العلوم 20 نا بھڑ روڈ لاہور
بیت القلم مقابل اشرف المدارس گلشن اقبال بلاک ۲ کراچی	مکتبہ سید احمد شہید اردو بازار لاہور
بیت الکتاب بالمقابل اشرف المدارس گلشن اقبال کراچی	یونیورسٹی بک ایجنسی خیبر بازار پشاور
مکتبہ اسلامیہ امین پور بازار فیصل آباد	مکتبہ اسلامیہ گامی اڈا- ایبٹ آباد
مکتبۃ المعارف محلہ جنتی۔ پشاور	کتب خانہ رشیدیہ۔ مدینہ مارکیٹ راجہ بازار راولپنڈی

انگلینڈ میں ملنے کے پتے

ISLAMIC BOOKS CENTRE
119-121, HALLI WELL ROAD
BOLTON BL 3NE, U.K.

AZHAR ACADEMY LTD.
54-68 LITTLE ILFORD LANE
MANOR PARK, LONDON E12 5QA

امریکہ میں ملنے کے پتے

DARUL-ULOOM AL-MADANIA
182 SOBIESKI STREET,
BUFFALO, NY 14212, U.S.A

MADRASAH ISLAMIAH BOOK STORE
6665 BINTLIFE, HOUSTON,
TX-77074, U.S.A

فہرست مضامین ﴿جلد ثالث﴾

نمبر شمار	عنوانات	صفحہ نمبر
	کتاب العطر واللباحۃ	14
1	حرام جانوروں کا بیان	14
2	حرام جانوروں کی فہرست	15
3	حلال جانوروں کی فہرست	15
4	بگے اور شارک کا حکم	15
5	گھوڑا مکروہ تحریمی ہے	15
6	گھوڑے کے گوشت کا حکم	17
7	گدھے کے گوشت کا حکم	17
8	خچر کے گوشت کا حکم	18
9	خنزیر کے گوشت کا حکم	18
10	خنزیر کی حرمت میں فلسفہ	19
11	ضب (گوہ) کے استعمال کا حکم	23
12	حشرات الارض (کیڑے مکوڑے) کا حکم	25
13	موذی جانوروں کے قتل کا حکم	25
14	کوا کھانے کا حکم	26
15	کیڑا لگا ہوا پھل یا اناج کھانا	27
16	جیلی کی تحقیق	27
17	چائے میں مکھی گرنا	28
18	جلالہ نجاست خور جانور کا حکم	29
19	جانوروں میں سات چیزیں حرام ہیں	30

صفحہ نمبر	عنوانات	نمبر شمار
30	ہمندری جانوروں کا حکم	20
34	سمک طافی کا حکم	21
36	جھینگا کی حلت و حرمت	22
38	درندوں کی حرمت کا فلسفہ	23
38	خرگوش حلال جانور ہے	24
39	چوری شدہ جانور کا حکم	25
39	غیر فطری طور پر پیدا شدہ جانور کا حکم	26
39	مردار اور مختصہ کا حکم	27
44	باب اللباس	28
44	لباس کی حقیقت	29
44	لباس کیسا ہو؟	30
45	لباس کے اجمالی بنیادی اصول	31
46	اسراف اور تکبر سے بچنا	32
47	دل خوش کرنے کے لیے قیمتی لباس پہننا	33
47	ٹخنے چھپانا مطلقاً جائز نہیں	34
48	تکبر نہ ہو تب بھی ٹخنے چھپانا حرام ہے	35
50	مردوں کے لیے اصلی ریشم کا حکم	36
50	عورتوں کے لیے ریشمی لباس حلال ہے	37
51	افضل لباس کونسا ہے؟	38
52	خالص سرخ لباس پہننا مردوں کے لیے جائز نہیں	39
54	سرخ دھاری دار لباس پہننا جائز ہے	40
54	مردوں کے لیے کس رنگ کا کپڑا ممنوع ہے؟	41

صفحہ نمبر	عنوانات	نمبر شمار
55	سیاہ رنگ کے کپڑے کا حکم	42
56	پینٹ شرٹ پہننا	43
57	طلبہ اور ملازمین کے لیے پینٹ شرٹ کی پابندی	44
57	چاندی کے تارواں اکیرا	45
58	مصنوعی ریشم کا حکم	46
59	مسنون لباس	47
59	سنت کی تعریف	48
59	سنت کی اقسام	49
60	آپ ﷺ کا لباس کیسا تھا؟	50
61	شرعی لباس	51
62	سونے کا بن استعمال کرنا	52
63	بن کھلا رکھنا جائز ہے	53
63	گر بیان ایک طرف رکھنا	54
63	ٹوپی اسلامی لباس کا شعار ہے	55
63	ننگے سر رہنا پسندیدہ نہیں	56
64	ٹوپی کے بغیر نماز پڑھنا	57
65	پلاسٹک یا چٹائی کی ٹوپی کا حکم	58
65	ٹوپی کی کونسی قسم سنت ہے؟	59
66	قراقلی ٹوپی پہننا جائز ہے	60
67	عمامہ لباس کی سنت ہے	61
70	عمامہ باندھنے کا صحیح طریقہ	62
70	محراب بنا کر عمامہ باندھنا	63

صفحہ نمبر	عنوانات	نمبر شمار
71	عمامہ کے پیزے کی مقدار	64
72	رومال سے عمامہ کی سنت ادا ہو جائے گی	65
72	عمامہ میں شملہ کی مقدار	66
72	شملہ کس جانب رکھا جائے	67
73	عمامہ میں دو شملے رکھنا	68
73	عمامہ کس رنگ کا ہونا چاہیے	69
73	نیلا اور سبز رنگ ثابت نہیں	70
74	نماز میں عمامہ کا حکم	71
75	پردہ کے احکام	72
75	مرد کا ستر	73
77	کھیل کود کے وقت ستر کھولنا	74
77	عورت کا ستر دوسری عورت کے حق میں	75
78	محارم کی تعریف	76
78	عورت کا ستر محارم کے سامنے	77
79	وہ رشتہ دار جن سے پردہ فرض نہیں	78
79	وہ رشتہ دار جن سے پردہ فرض ہے	79
79	عورت کا ستر نماز میں	80
80	عورت کا حجاب غیر محرم کے سامنے	81
84	غیر محرم کو ہاتھ لگانا	82
84	اجنبی عورت سے مصافحہ کی ممانعت	83
85	ساس سے مصافحہ خطرہ کی گھنٹی ہے	84
86	مرد کے لیے انگوٹھی کا حکم	85

صفحہ نمبر	عنوانات	نمبر شمار
88	خواتین کے لیے انگٹھی کی تفصیل	86
89	دانتوں کے گرد سونے چاندی کا خول لگانا	87
91	سونے چاندی کے برتن استعمال کرنا	88
91	سونے چاندی کے کیس کی گھریاں اور سونے کا نب	89
92	احکام الصيد والذبائح	
92	شکار کے حلال ہونے کی شرائط	90
93	ذبح کرنے کا شرعی طریقہ	91
94	ذبح کے وقت بسم اللہ غیر عربی میں کہنے کا حکم	92
95	نا بالغ بچہ کے ذبیحہ کا حکم	93
95	گوشت کے ذبیحہ کا حکم	94
95	اہل کتاب کے ذبیحہ کا حکم	95
97	مذبوح جانور کے پیٹ سے نکلنے والے بچہ کا حکم	96
97	جانور ٹھنڈا ہونے سے پہلے سر جدا کرنا	97
98	بندوق اور غلیل کے شکار کا حکم	98
98	حرام مغز کا حکم	99
99	مشیینی ذبیحہ کا حکم	100
107	اہل بدعت کے ذبیحہ کا حکم	101
109	اونٹ نحر کرنے کا طریقہ	102
110	احکام الاضحية والعقيقة	
111	قربانی نہ کرنے پر وعیدیں	103
111	مسافر پر قربانی واجب نہیں	104
112	شریک ہو کر قربانی کرنا	105

صفحہ نمبر	عنوانات	نمبر شمار
112	قربانی کے جانور کی عمر	106
113	قربانی کا وقت	107
113	قربانی کے ایام تین دن ہیں	108
114	قربانی کا جانور خود ذبح کرے	109
114	قربانی کی کھال اور اس کے گوشت کا حکم	110
116	عیب دار جانور کی قربانی جائز نہیں	111
118	قربانی کے ایام گزر گئے تو قیمت واجب ہے	112
118	مال حرام پر قربانی واجب نہیں	113
118	زمین کی وجہ سے قربانی واجب ہونے کی تفصیل	114
120	جانور کے دانت گرنے کا حکم	115
121	مشرک کی شرکت سے کسی کی قربانی نہ ہوگی	116
122	میت کی طرف سے قربانی کا حکم	117
122	حاجی پر وجوب قربانی کی تفصیل	118
122	قربانی کی بجائے صدقہ کرنا جائز نہیں	119
123	منت کی قربانی کا حکم	120
123	نضی جانور کی قربانی کا حکم	121
123	کمزور جانور کا حکم	122
124	بے سینک جانور کی قربانی	123
124	قربانی کا جانور گم ہو گیا	124
124	اکیلا جانور خریدنے کے بعد کسی کو شریک کرنا	125
125	قربانی کا گوشت وزن کر کے تقسیم کرنا	126
125	تہائی گوشت صدقہ کرنا مستحب ہے	127

نمبر شمار	عنوانات	صفحہ نمبر
128	فقیر پورا گوشت اپنے گھر رکھے	126
129	نا بالغ بچے پر قربانی واجب نہیں	126
130	عشرہ ذی الحجہ میں ناخن وغیرہ نہ کاٹنا	126
131	ساتویں حصہ کی نفل قربانی میں چھ ساتھی شریک ہو سکتے ہیں	127
132	بچہ کے عقیقہ کا شرعی حکم	128
133	عقیقہ کی مدت	130
134	عقیقہ کی دعاء	130
135	عقیقہ کی نیت سے خریدہ اہوا جانور	131
132	باب النذر	
136	نذر کی شرائط	132
137	دائمی روزہ کی نذر میں بوقتِ عجز فدیہ ہے	133
138	نذر میں زمان و مکان وغیرہ کی تعیین صحیح نہیں	134
139	قرآن خوانی کرانے کی نذر جائز نہیں	134
140	نماز کے بعد تسبیحات کی نذر کا حکم	135
141	نذر ذبح میں قیمت کا تصدق جائز ہے	137
142	شیرینی تقسیم کرنے کی نذر	137
143	نذر معلق میں صیغہ التزام ضروری نہیں	139
144	تبلیغ میں جانے کی نذر صحیح نہیں	140
145	مدرسہ میں رقم دینے کی نذر	140
146	نذر ماننا ناپسندیدہ عمل ہے	141
147	ولی کے نام بکرا ذبح کرنے کی نذر	141
148	جس جانور کے ذبح کرنے کی نذر مانی گیا اس کو بدلا جاسکتا ہے	144

صفحہ نمبر	عنوانات	نمبر شمار
146	نیا زکاء حکم	149
147	استطاعت سے زائد نذر ماننے کی ایک صورت کا حکم	150
148	عمرہ کی نذر صحیح ہے	151
148	زبان سے کہے بغیر نذر نہیں ہوتی	152
148	باب الیمین	
149	غیر اللہ کی قسم کھانا جائز نہیں	153
149	کار خیر پر قسم کا حکم	154
149	گناہ پر قسم کھانے کا حکم	155
150	حرام چیز کو حرام کرنا بھی قسم ہے	156
150	جھوٹی قسم کا حکم	157
151	قسم کا کفارہ	158
151	کفارے کا روزہ	159
151	متعدد قسموں کا کفارہ	160
151	علاج و معالجہ کا بیان	161
151	بیماری کا علاج کروانا سنت ہے	162
152	حمل گرانے کا حکم	163
153	ٹیسٹ ٹیوب بے بی کا حکم	164
162	بدن پر داغ دے کر مرض کا علاج کرنا	165
162	حکیم کی اجرت کا حکم	166
163	تعویذ کا حکم	167
165	تداوی بالمحرّمات	168
167	العبود والتعزیرات	169

صفحہ نمبر	عنوانات	نمبر شمار
167	حدود کی مشروعیت کی حکمت	170
168	حد زنا احادیث کی روشنی میں	171
176	ثبوت زنا کا طریقہ	172
176	کاروکاری کا حکم	173
181	حیوان سے بد فعلی کی سزا	174
183	کسی مسلمان کو کافر سے تشبیہ دینے کا حکم	175
184	شاگرد کو سزا دینے کی تفصیل	176
187	دہر میں بد فعلی کی سزا	177
191	باغ اول دکن تعزیر	178
192	قصاص کے احکام	179
192	قتل عمد کی تعریف	180
193	قصاص کے قواعد و اصول	181
197	دیت وصول کرنے کا طریقہ	182
197	بچہ ماں کے نیچے دب کر مر گیا	183
197	شادی کی تقریب میں فائرنگ	184
198	بس سے کچلنے کا حکم	185
198	حدود کفارہ سینات نہیں	186
199	کسی کے ہاتھ سے بچہ گر کر مر گیا	187
199	جماع موجب استقاط کا حکم	188
200	عوام کو اجراء حد کا اختیار نہیں	189
201	حد نقد معاف کرنے سے ساقط نہیں ہوتی	190
202	ذاکرہ ڈالنے کی سزا	191

صفحہ نمبر	عنوانات	نمبر شمار
208	چوری کی سزا	192
213	نصاب سرقہ	193
214	شراب نوشی کی سزا	194
216	کتاب المتفرقات	
216	اپریل فول کا حکم	195
217	جائیکہ پہننے کا مسئلہ	196
222	نیل، کرسی پر الگ الگ پلیٹوں میں کھانا	197
224	استاذ کی جگہ پر بیٹھنا	198
225	داڑھی پر تنقید کا حکم	199
233	ظالم ظلم سے باز نہ آئے تو کیا تدبیر کی جائے؟	200
234	بوسیدہ اور اراق کا حکم	201
234	کفار سے دوستی اور میل جول رکھنے کا حکم	202
234	ہندوؤں کے تیار کردہ کھانے کا حکم	203
235	کافر کی عیادت اور تعزیت	204
236	قادیانی کی تجہیز و تکفین میں شرکت کا حکم	205
238	قبلہ کی طرف پاؤں پھیلانا مکروہ تحریمی ہے	206
238	چھپکلی کو مارنا ثواب ہے	207
239	غسل خانہ میں پیشاب کرنا	208
239	انجکشن کے ذریعہ جانوروں کو حاملہ کروانے کا حکم	209
240	رخصتی کے موقع پر لڑکی والوں کی طرف سے دعوت	210
240	ولیمہ کا مسنون وقت	211
240	رسم نیت کا حکم	212

صفحہ نمبر	عنوانات	نمبر شمار
241	التفاخر بالانساب	213
242	فخر بالانساب پر آپ ﷺ کی تنبیہ	214
244	الانساب الی غیر الانساب	215
245	بعض نسب بدلنے والوں کا عذر لنگ	216
247	حقیقی عزت و ذلت نسب کے تابع نہیں	217
248	ن پائیک کا حکم	218
248	ذنب کا حکم	219
249	سیاہ ذنب کا حکم	220
250	جدید نازک ٹکڑا حکم	221
250	مجاہدین کے لیے سیاہ خضاب کا حکم	222
251	مروجہ حیلہ اسقاط	223
253	چند رسومات باطلہ اور بدعات مروجہ	224
257	نسوار کا استعمال کرنا	225
258	گانے کی طرز پر نعتیں پڑھنا	226
260	روزہ دن حالت میں انہیر کا استعمال	227
260	بینک سے لیے تیار ہونے والے تان میں مزدوری کا حکم	228
261	بارش طلب کرنے کا مسنون طریقہ	229
262	دعوت ولیمہ و رخصتی کے احکام	230
265	شادی کے تحفے تحائف	231



کتاب الغطر والاباحۃ

اللہ تعالیٰ کو اپنے بندوں سے انتہائی محبت ہے اور اللہ تعالیٰ بہت ہی حکمت والے ہیں۔ اس لیے ہر وہ چیز جس کی ذات میں خبث و گندگی ہے یا جو چیزیں انسان کی صحت و عقل کے لیے مضر ہیں ان کے استعمال کو حرام قرار دیا اور جو پاکیزہ لذیذ چیزیں اور انسان کے حق میں مفید ہیں ان کے استعمال کو حلال قرار دیا ہے، تاکہ انسان اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا شکر ادا کرے اس طرح کہ احکام خداوندی کی پابندی کریں اور اپنی زندگی کے زیادہ سے زیادہ اوقات کو اللہ تعالیٰ کی عبادت میں گزاریں۔

وقوله تعالى: ﴿وَكُلُوا مِمَّا رَزَقَكُمُ اللَّهُ حَلالًا طَيِّبًا وَتَقْوُوا اللَّهَ﴾

الذی انتم بہ مؤمنون ﴿ (مائدة : ۸۸)

اللہ تعالیٰ نے جو چیزیں تم کو دی ہیں ان میں سے حلال مرغوب چیزیں کھاؤ اور اللہ تعالیٰ سے ڈرو جس پر تم ایمان رکھتے ہو۔

بلکہ اللہ تعالیٰ نے انبیاء علیہم السلام کے فرض منصبی میں یہ بات داخل فرمائی کہ لوگوں کو حلال و حرام کی تمیز سکھائیں:

كقوله تعالى: ﴿يَا مَعْشَرَ النَّبِيِّينَ قُلُوا لِلَّذِينَ هُمْ فِيكُمْ مِنَ الْغَايِبِ سَلَامًا﴾

لهم الطيبات ويحرم عليهم المحاثات ﴿ (اعراف : ۱۵۷)

یعنی ارشاد باری تعالیٰ کہ وہ ان کو نیک کاموں کا حکم فرماتے ہیں اور بری باتوں سے منع کرتے ہیں اور پاکیزہ چیزوں کو ان کے لیے حلال بتاتے ہیں اور گندی چیزوں کو ان پر حرام فرماتے ہیں۔

لہذا انسان کو چاہیے کہ حلال کو اختیار کرے اور حرام سے اجتناب کرے۔

حرام جانوروں کا بیان:

کونسا جانور حرام ہے اور کونسا حلال ہے، اس میں رسول اللہ ﷺ نے ضابطہ بیان فرمایا

عن أبي ثعلبة الحاشي أنه قال: نهى رسول الله صلى الله عليه

وسم عن اكل كل ذي ناب من السباع .“ (اخرجه مسلم : رقم

۱۹۳۲) ناب تحریمہ کن ذی ناب من السباع و کن ذی ناب من

طیر)

یعنی ابو شبہ ثنی رضی اللہ عنہ روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے وحشی جانوروں میں سے
بچی کے دانت والے جانور کے گوشت استعمال کرنے سے منع فرمایا ہے۔

دوسری روایت میں ارشاد ہے کہ پرندوں میں جو بچوں سے شکار کرنے والے ہیں ان کا
گوشت استعمال کرنا ممنوع ہے۔

كما روي عن س عدس رضي الله عنه . رسول الله صلى الله

عليه وسلم يهي عن كل ذي ناب من السباع ، و كل ذي ناب من

طير . (اخرجه مسلم رقم ۱۹۳۳)

خلاصہ یہ ہے کہ جو جانور یا پرندہ شکار کر کے کھاتے ہیں، یا ان کی غذا بحضرت نبی است ہے، ان کا

گوشت استعمال کرنا حرام ہے، جو یہاں نہیں ہے وہ حلال ہے۔

حرام جانوروں کی فہرست:

شیر، بھینر، میڈر، بلی، آتھ، ہاتھی، بندر، بیا، خنزیر، شکار، باز، چیل، گدھ وغیرہ

حلال جانوروں کی فہرست:

گائے، بیل، بھینس، اونٹ، بکری، موط، مین، فاختہ، چڑیا، بٹیر، مرغابی، کبوتر، نل

گائے، ہرن، بٹخ، خرگوش وغیرہ۔

بگے اور سارس کا حکم:

بگے اور سارس بھی حلال پرندوں میں سے ہے بعض لوگ محض غلط فہمی کی وجہ سے ان کا گوشت

استعمال نہیں کرتے، حالانکہ بگے اور سارس نہ بچوں سے شکار کرتے ہیں نہ ہی ان کی غذا محض

نبی است ہے لہذا ان کا گوشت استعمال کرنا حلال ہے۔

گھوڑا مکروہ تحریمی ہے:

گھوڑے کا گوشت حلال یا حرام اس بارے میں فقہاء کا اختلاف ہے امام ابو حنیفہؒ کے

نزدیک مفتی بہ قول کے مطابق مکروہ تحریمی ہے۔ جبکہ مسائین اور امام شافعی رحمہم اللہ فرماتے ہیں

چونکہ گھوڑا گانے، بھینس حلال جانوروں کے مشابہ ہے ہذا اس کا گوشت استعمال کرنا حلال ہے۔
باقی حرامت یقیناً اس کے اندر کسی قسم کا خبث کا ہونا یا اس کی غذا مندی ہونا نہیں بلکہ چونکہ
گھوڑا قیامت تک کے لیے آلہ جہاد ہے، اگر اس کے گوشت کے استعمال کو حلال قرار دیا جائے تو
گھوڑے کی قلت ہو جائے گی۔

و فی تصویر و شرحه و حل و عدمه ، شافعی رحمه الله
عالی نقل و قبل آن اما حقیقه رحمه الله علی رجوع عن حرمة من
معه سینه مرد و عینه نقه و عمدته ، لا یس سینه علی (لا حره
و قبل عمدته من عدس رحمه الله) (فیه و عینه منهن) (فیه
مکره و کراهه شریه و هو صاهر بزه که فی کفایه سنی و هو
مصحح علی مذکور و حره لا مد و عدمه فیسدی به من صحیح
کراهه حره علی خلاصه و بعد ، و المحصره علی
و فصحاح ، و عمدتی و غیره و عینه منهن ، و فیه و السعید به
علی (اور) (حاکم من) (مد و صاحبه ، رحمه الله علی لانهم
و بر فیه حل کن مع کراهه شریه که صرح به فی شریعتی علی
سره و فیه و حل فی حل بر و مد حل بحر و لانه کن
تفاقا . (ردالمحتار : ۵ / ۲۱۴)

وفی عداۃ محمد علی اقصاوی "ما حرموا نحیل و حجہ
 کیں صحابہ، لایہ شبہ لأعداء، من لای و نعیمہ سفر، و ان کیں
 نعیمہ، و لای کیں حجہ و غیر، کہ یا کہہ حشر، و قد کرد
 بعض صفہ، کیں حجہ نحیل، لأنها لہ جہاد فی کیں عصر و
 ما، کہ فار صبی لہ عبہ و سلم "حیل معقود فی و صیہ
 حشر، ہی یوم اقیامہ" فالکراہۃ عندهم لیس لحرمتها، و اما ہی
 حشیۃ لای یقل سبہ، و یقرض، و ہی لہ لمحاضدین، لئی لا
 یستعنی عنہا عرۃ، فی کیں عصر و زمان

ومما يثبت حل كل لحم لحم . ما سألني ، صحيح عن
جابر بن عبد الله " أن رسول الله صلى الله عليه وسلم نهى يوم
خيبر ، عن لحوم الحمير الأهلية ، وأذن في لحم جهل "

(رواه مسلم : رقم ۱۹۴۱)

رسول اللہ ﷺ نے فتح خیبر کے دن گدھے کا گوشت کھانے سے منع فرمایا اور گھوڑے کے
گوشت کی اجازت دی۔

وفي رواية الترمذي عن جابر رضي الله عنه أن "أصعما
رسول الله صلى الله عليه وسلم لحوم الحمل ، وبها عن لحوم
الحمير" يعني الحمير الأهلية (أخرجه الترمذي : رقم ۱۷۹۳ في الألعمة)
حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ہمیں گھوڑے کا گوشت کھلایا اور
گدھے کا گوشت کھانے سے منع فرمایا۔
گھوڑے کے دودھ کا حکم:

گھوڑے کے گوشت کے استعمال کے بارے میں اُردو چہ فقہاء کے درمیان اختلاف ہے
لیکن دودھ کا استعمال حلال ہونے کے بارے میں کسی کا اختلاف نہیں، بلکہ یہ گائے کے دودھ کی
طرح حلال ہے، اس سے تیار کردہ گھی اور غیر وغیرہ بھی حلال ہے۔
گدھے کے گوشت کا حکم:

پالتو گدھے کا گوشت حرام ہے، البتہ جنگلی گدھے جن کو گور خر کہا جاتا ہے ان کا گوشت حلال
ہے۔

قال العلامة الصابوني:

الحمير التي تعيش مع الناس ، في المدن والقرى ، ويركونها
ويحملون عليها الأثقال ، فقد جاء بحريم أكلها صريحاً في
الأحاديث الشريفة .

۱۔ روي مسلم والترمذي عن عبي بن أبي طالب رضي الله عنه
أن رسول الله صلى الله عليه وسلم "نهى عن متعة النساء - أي

رواج المنعة - يوم خيبر، وعن لحوم الحمر الإسيية .

(أخرجه مسلم رقم: ۱۴۰۷، والترمذي رقم ۱۷۹۴ في الأطعمة)

رسول اللہ ﷺ نے خیرین فتح کے موقع پر متعہ اور ندھے کے گوشت کھانے سے منع فرمایا۔

۲۔ وروى مسلم عن عبد الله بن أبي ربيعة صلي الله عليه وآله قال "أضأنا . حرام . لحم . حمار . مع . لحم . نداء صلي الله عليه وسلم . وقد أضأنا لمقوم حمرا . خارجة من المدينة . يعني حمرا أهلية . فحرباها . فإن قدورنا لتعلي بها ، إذ نادى مادي رسد . لله صلي الله عليه وسلم . اكفوا القدر . أي اقبوا ما فيها وارموا ولا تطعموا من لحم الحمر شيئا " وتحدثنا بسا قضا حرمها الله " أي مطلقا وأندا (أخرجه مسلم في كتاب الصيد ، بدائع رقم ۱۹۳۷)

۳۔ وفي رواية أخرى لمسلم " أمر رسول الله صلى الله عليه وسلم أن أضأنا فنادى إن الله ورسوله بهيباكم عن لحوم الحمر ، فإنها رجس أو نجس . "

۴۔ وروى الترمذي عن أبي هريرة رضي الله عنه أنه قال " حرم رسول الله صلى الله عليه وسلم يوم خيبر ، كل ذي ناب من السباع ، والمجتمعة . أي التي تكون هدا سأل . والحمار الإسيي " أي الأهلي (أخرجه الترمذي رقم ۱۷۹۵ في الأطعمة)

رسول اللہ ﷺ نے خیرین کے ان ہر اس جانور کے گوشت کو حرام فرمایا جو چلی کے دانت والا ہو، اور جس جانور کو نشانہ بنایا یا ہو تیر اندازی کا اور پالتو گدھا کا گوشت

خیر کے گوشت کا حکم:

خیر گھوڑی سے پیدا ہوتا ہے اور شرعاً جانوروں کی نسل کا حکم یہ ہے کہ بچہ ماں کے تابع ہوتا ہے، لہذا یہ خیر بھی گھوڑی کے قسم میں داخل ہو کر اس کے گوشت کا استعمال بھی مکروہ تحریمی ہوگا۔

خزیر کے گوشت کا حکم:

خزیر کے گوشت از روئے قرآن و حدیث حرام ہے، جس مسلمان کا اللہ تعالیٰ اور یوم آخرت

پر ایمان ہوان کی شان سے بعید ہے کہ خنزیر جیسے نجس جانور کے کسی بھی جزء سے استفادہ کرے۔ اس کے باوجود بعض لوگ شوک و شبہات میں مبتلا رہتے ہیں اور امتیاضات کرتے ہیں اس لیے ذیل میں ایک سوال و جواب نقل کیا جاتا ہے جس میں شوک کے حوالت مذکور ہیں۔

خنزیر کی حرمت میں فلسفہ:

سوال۔ جناب مفتی صاحب! یہاں جاپان میں عموماً خنزیر کا گوشت ہایا جاتا ہے حتیٰ کہ بعض مسلمان جو کہ عرصہ دراز سے یہاں مقیم ہیں وہ بھی استعمال کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ گائے اور خنزیر کے گوشت میں کوئی فرق نہیں دونوں کا گوشت ایک ہی طرح کا ہوتا ہے بلکہ خنزیر کا گوشت گائے کے گوشت سے لذیذ ہوتا ہے۔ قرآن و سنت کی روشنی میں وضاحت فرمائیں کہ اسلام میں خنزیر کا گوشت حرام قرار دینے کا کیا فلسفہ ہے؟

جواب۔ اسلامی نقطہ نظر سے کسی چیز کی حلت اور حرمت کا حق صرف اللہ تعالیٰ کو ہے، اللہ تعالیٰ جس چیز کو حلال فرمادیں وہ حلال ہوتی ہے اور جس کو حرام فرمادیں وہ حرام ہوتی ہے۔ اس مسئلہ میں کسی کو قیاس آرائی کی اجازت نہیں کہ وہ ادھر ادھر صغریٰ و کبریٰ ملا کر کسی چیز پر حلال یا حرام ہونے کا حکم لگائے۔ اللہ تعالیٰ نے مختلف حیوانات کی طرح گائے کو بھی حلال قرار دیا ہے، چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ثُمَّ ابْیَءَ اَرْواحَ مِّنَ الصَّالِحِیْنَ وَمِنَ الْمَعْرِثِیْنَ فَلْاٰمُرْکُمْ

حَرَمَ اُمِّ الْاَنْثِیْسِ وَمِنَ الْبَقَرِ اَنْتِیْسِ فَلْاٰمُرْکُمْ حَرَمَ اُمِّ الْاَنْثِیْسِ﴾

(سورۃ الانعام: پارہ ۸)

ترجمہ ”آٹھ نروادہ یعنی بھیڑ میں دو قسم اور بکری میں دو قسم، آپ ﷺ کہہ دیں کہ کیا اللہ نے ان دونوں نروں کو حرام کیا ہے یا دونوں مادہ کو اور گائے میں دو قسم، آپ ﷺ کہہ دیں کہ کیا اللہ تعالیٰ نے ان دونوں نروں کو حرام کیا ہے یا دونوں مادہ کو۔“

مشہور مفسر قرآن علامہ ابن کثیر رحمہ اللہ اس آیت کے ذیل میں لکھتے ہیں

ثم یبیس اصناف الانعام الی عم الاصل ذکرها وان شها وبقر

کذلک وانه تعالیٰ لم یحرم سننا من دلت ولا شینا من اولادها من

کمہا مخدفة لہ دم اکو کہ با وحمولة وحاداً و غیر دلت من

وجوه المصانع . (تفسیر ابن کثیر ۸۳۰)

ترجمہ ”پھر اللہ تعالیٰ نے جانوروں کی اقسام و بینات یا حتی کہ اوٹ اس کا نروادہ اور اسی طرح گائے بھی، بے شک اللہ تعالیٰ نے ان میں سے اور ان ن اولاد میں سے کسی کو بھی حرام نہیں کیا بلکہ یہ سارے کے سارے بنی آدم کے کھانے، سواری، بار برداری اور دودھ وغیرہ منافع کے لیے پیدا کیے گئے ہیں۔“

اس لیے گائے کے حلال ہونے میں شک کرنا صحیح نہیں اور خنزیر کو بعض حیوانات کی طرح حرام قرار دینا ہے، چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ قُلْ لَا أُحْدِثُ مَا أُوحِيَ إِلَيَّ مَحْرَمًا عَلَى طَاعِمٍ يَعْطَمُهُ إِلَّا أَنْ يَكُونَ مَيْتَةً أَوْ دَمًا مَسْمُوحًا أَوْ نَحْمَ حَرِيرٍ فَإِنَّهُ رِجْسٌ أَوْ فِسْقًا ﴾

(سورة الانعام : پارہ ۸)

ترجمہ ”آپ ﷺ فرمادیں کہ میں نہیں پاتا اس وحی میں جو مجھ کو پہنچتی ہے کسی چیز کو حرام کھانے والے پر جو اس کو کھا دے مگر یہ کہ وہ چیز مردار ہو یا بہتا ہوا خون یا گوشت سور کا کدہ ناپاک اور ناجائز ہے۔“

اور اسی پر امت کا اجماع ہے، علامہ دمیری رحمہ اللہ فرماتے ہیں

”خنزیر نجس العین ہے اور اس کا کھانا حرام ہے اور اس کی خرید و فروخت بھی جائز نہیں۔“

(حیات الحیوان اردو : ۶۱/۲ الخنزیر)

خنزیر کی حرمت پر قرآنی آیات، احادیث و نبویہ آثار صحابہ و تابعین اس کثرت سے دال ہیں کہ کسی بھی مسلمان کے لیے ان کے ہوتے ہوئے اس کا کھانا حلال نہیں۔

شریعت جس چیز کو حرام کرتی ہے اس میں اس حکم کے علاوہ دیگر مضرات بھی ہوتے ہیں جو انسانی بدن یا اس کے اخلاق کے لیے صحیح نہیں ہوتے، چنانچہ حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی رحمہ اللہ خنزیر کی حرمت کی وجوہات بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں

۱۔ اس بات کا کس کو علم نہیں کہ یہ جانور اول درجہ کا نجاست خور، بے غیرت اور دیوث ہے۔ اب اس کے حرام ہونے کی وجہ ظاہر ہے کہ ایسے پلید اور برے جانور کے گوشت کا اثر (انسانی) بدن اور روح پر بھی پلید ہی ہوگا کیونکہ یہ بات ثابت شدہ اور مسلم ہے کہ غذاؤں کا اثر بھی

انسان کی روح پر ضرور ہوتا ہے، پس اس میں نیشک ہے۔ ایسے بد جانور کے گوشت کا اثر بھی برا ہی ہوگا، جیسا کہ یونانی طبیبوں نے اسلام سے پہلے بھی یہ رائے ظاہر کی ہے کہ اس جانور کا گوشت بالخاصہ حیا کی قوت کو کم کر دیتا ہے اور دیوثی کو بڑھاتا ہے، پس جب کہ یہ امر مسلم ہے کہ تغیر بدن و تغیر اخلاق کے اسباب میں سے زیادہ تر قوی سبب غذا ہے، لہذا ایسے جانور کا گوشت کھانے سے شریعت اسلامیہ نے منع فرمادیا۔

2- خنزیر یعنی خوک نجاست کی طرف بہت زیادہ مائل ہے خصوصاً انسان کا فضلہ یعنی براز اس کی خوراک ہے اس کا گوشت اسی نجاست سے پیدا ہوتا ہے، پس اس کا گوشت کھانا گویا اپنی نجاست کھانا ہے۔

3- صاحب مخزن الادویہ فساد گوشت خوک (خنزیر) اور اس کی حرمت کی تیرہ وجوہ ذیل میں تحریر کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ اس جانور کا گوشت فطرت انسانی کے برخلاف ہے، وہ لکھتے ہیں کہ:

”گوشت خوک موار غلط غلیظ است و مورث حرص شدید و صداع مزمن، دواذ الفیل، واد جاع الفاصل وفساد عقل و زوال، مروت و غیرت و حیثیت و باعث فحش است و اکثرے از فرق غیر اسلامی آں را می خورند و قبل از ظہور نور اسلام گوشت آں را در بازار ہای فروختند و بعد از اں در مذہب اسلام حرام و بیع آں ممنوع و موقوف گردید بسیار کثیف و بد حیثیت است۔“

(احکام اسلام عقل کی نظر میں: ۲۰۴)

4- سور کا گوشت ایک بیماری کا باعث بنتا ہے جو کہ آنکھوں کی ایک بیماری ہے اور اس کا نام نرکن اوس ہے جو کہ صحرائی آب و ہوا میں بہت جلد اثر کرتی ہے۔

باقی رہا مسئلہ گائے وغیرہ کا تو مولانا اشرف علی تھانوی رحمہ اللہ اس بارے میں فرماتے ہیں:

1- یہ سارے جانور دراصل مزاج انسانی کے موافق اور سترے و معتدل المزاج ہوتے ہیں اس لیے حلال ٹھہرائے گئے ہیں اور ان جانوروں کو خدا تعالیٰ نے بسمۃ الانعام فرمایا ہے اور اسی توافق و اعتدال کے سبب دنیا میں زیادہ تر انہیں جانوروں کا گوشت بنی آدم استعمال کرتے ہیں، فطرت انسانی اس امر کی مقتضی ہے کہ جیسا کہ بنی آدم کی خوراک کا کچھ حصہ نباتات سے ہوتا ہے ایسا ہی کچھ حصہ اس کا حیوانات سے ہو اور اس کی خوراک کے لیے حیوانات بھی وہ مقرر ہونے

مناسب تھے جو اس کے مزاج سے موافق ہوں لہذا اللہ تعالیٰ نے ایسا ہی کیا۔

2۔ جبکہ انسان جامع جلال و جمال ہے تو اس کی خوراک میں بھی جلال و جمال دونوں کا ہونا مناسب تھا، لہذا انسان کی خوراک کے لیے وہ جانور مقرر ہوئے جن میں جلال و جمال ہر دو صفات موجود ہیں۔ (حکماء سلام عقل کی نصرت میں ۲۱۷)

مزید تفصیل کے لیے ”حیات الحيوان“ از علامہ دمیری رحمہ اللہ تعالیٰ کی طرف مراجعت کریں، مسلمان کے لیے صرف اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول اللہ ﷺ کا حکم کافی ہے۔

(ماحول اور فتاویٰ حقایقہ : ۶/۱۵۴)

علامہ صابونی صاحب خزیر کے گوشت حرام ہونے کی عینیں تحریر کرتے ہوئے لکھتے ہیں
ومن جهة الأخرى : فإن من خصائص الحبر وطباعه ، عدم العبرة على انشاء ، فمن أكل لحمه ، أصابه من طباعه ، فقد العبرة التي هي من أكبر المراما الانسانية ، والشاهد على ذلك حال الشعوب الأوروبية والأميركية ، الذين يستباحون أكله ومن يقلدهم ويتطبع بطباعهم .

یعنی خزیر کی خاصیت اور طبیعت یہ ہے کہ اس کو اپنی مادہ پر غیرت نہیں آتی لہذا جو شخص خزیر کا گوشت استعمال کرے گا وہ بھی ضرور بے غیرت بن جائے گا، کیونکہ انسان جو غذا استعمال کرتا ہے اس کا اثر اس کی طبیعت پر پڑتا ہے، اس پر یورپ، امریکہ اور دیگر غیر مسلم خزیر خور اقوام کے حالات شاہد ہیں، اس لیے مسلمانوں پر لازم ہے خزیر کے کسی بھی جز کو استعمال کرنے سے اجتناب کریں۔

فإنهم لا يعرفون للعبرة معنى ، ولا للشرف قيمة ، بل يعيبون العيور ، ويعدونہ عريسا ، ويقولون : إن العبرة هي حق الرجعيين ، ولا تليق بالإنسان المتحضر ، لذلك فإنهم يرون زواجاتهم وبناتهم في أحضان الفجار والفساق ، يرافقون من يشاء من الرجال ، وربما وصل الحال بهم إلى الممارسة الجنسية ، ولا يتحرك عندهم ساكن ، ولا غيرة على العرض والشرف ، ولعمرك الحق إن هذه لهي الجاهلية

الکبریٰ ”جاہلیۃ قبل العشرین“ اتی سمنہ منہا نفوس لکریمۃ ،
وأصحاب الصمائر السیمۃ ، ولا کرامۃ بلسان بدافقد سمروۃ
والشرف !!

ضب (گوہ) کے استعمال کا حکم:

ضب جس کو فرسی میں سو مار اور اردو زبان میں گوہ کہا جاتا ہے رسول اللہ ﷺ نے اس کے استعمال سے منع فرمایا ہے اس لیے اسکا استعمال مکروہ تحریمی ہے، البتہ دوسرے ائمہ اس کی صحت کے قائل ہیں، ان کا مستدل بھی بعض احادیث مبارکہ ہیں جو گوہ کی حلت پر دال ہیں لیکن احناف فرماتے ہیں جب کسی مسند میں حلت و حرمت کا تعارض ہو جائے تو حرمت کو ترجیح ہوتی ہے، لہذا حرمت والی احادیث رائج ہوں گی۔

قال العلامة الصابونی حفظہ اللہ : یباح أكل لحم الصب ، وهذا رأي جمهور الفقهاء ، وكرهه بعض الفقهاء ، لأن النبي صلى الله عليه وسلم عافه ولم يأكل منه ، ولو كان طيباً لأكله ، وحجتهم في كراهية أكله ما روي عن عائشة رضي الله عنها . ” أن النبي صلى الله عليه وسلم أهدى له صب فامتنع عن أكله . “ (أخرجه أصحاب السنن)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کو ”ضب“ گوہ کھانے کیلئے پیش کیا گیا آپ ﷺ نے کھانے سے انکار فرمایا،

وهي رواية عن أبي الربير قال : سألت جابرًا عن الصب ؟ فقال : ” لا تطعموه - أي لا تأكلوه - وقدره ، وقال عمر بن الخطاب : إن النبي صلى الله عليه وسلم لم يحرمه “ (أخرجه مسلم رقم ۱۹۵۰ في كتاب الصيد) وأما حجة الجمهور الذين أباحوا أكله فهو ما رواه مسلم في صحيحه عن ابن عباس : ” أن خالد بن الوليد - الذي يقال له : سيف الله - أخبره ، أنه دخل مع رسول الله صلى الله عليه وسلم على ميمونة زوجة النبي صلى الله عليه وسلم وهي حالة ابن

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ، فَوَجَدَ عِدَّةً مِنْ مَجُوسٍ يَتَّبِعُونَ مِثْلَ مَا يَتَّبِعُ النَّبِيُّ ﷺ فَقَدِمَتْ النَّبِيَّةُ ﷺ لِرَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَأَهْوَى يَدَهُ إِلَى صَبْ، فَقَالَتْ امْرَأَةٌ: أَحْسِرْ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِمَا قَدِمْتَ لَهُ، فَلَبَّى بِأُذُنَيْهِ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: هُوَ الضَّبُّ!!

مرفوع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یدہ، فقال خالد بن الولید، أحرام الضب یا رسول اللہ!! قال: لا، ولكنه لم یکن بأرض قومی، فأجذنی أعافه!!

قال خالد فاجتررتہ فأكلته، ورسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یبظر، فلم یبھی

(أخرجه مسلم في صحيحه رقم ۱۹۴۳ باب إباحة الضب)

فقول الرسول صلی اللہ علیہ وسلم: ليس بحرام نص واضح صريح، على حل أكله، ولكن الرسول صلی اللہ علیہ وسلم لم یعتقد علیه، فلم یأكله لدوقه الرفیع صلی اللہ علیہ وسلم، وعافته نفسه، ولم یحرمه، وأقر من أكله ولم یبھی، ولو كان حراماً لبهاه عن أكله. وأخرج الترمذي عن ابن عمر أن النبي صلی اللہ علیہ وسلم سئل عن أكل الضب، فقال: "لا أكله، ولا أحرمه"

قال الترمذي. وقد اختلف أهل العلم في أكل الضب، فرخص فيه بعض أهل العلم من أصحاب النبي صلی اللہ علیہ وسلم وغيرهم، وكرهه بعضهم، ويروي عن ابن عباس أنه قال: "أكل الضب على مائدة رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم تقذرا" أي تركه كراهية له، لشاعة مطره، حيث يشبه الرواحف من الثعابين والأفاعي، ونفوره عليه السلام منه، لأنه لم یکن في أرض قومہ، ولم یعود علیہ، مع أنه حلال، وهو كان حراماً لبعض أصحابه من أكله.

وقال العلامة المرعيتاني رحمه الله تعالى: ويكره أكل الضبع

والضب والسلحفاة والزنبور والحشرات كلها

(الهدایة : ۴/ ۴۴۰ کتاب الدبائح)

حشرات الارض (کیڑے مکوڑے) کا حکم :

کیڑے مکوڑے جتنے اقسام کے ہیں چونکہ ان کا استعمال انسانی صحت کے لیے مضر ہے، اس لیے ان کا کھانا حرام ہے جیسے، سیر، کیچوا، چوہ، مینڈک، سانپ، بچھو، چھپکلی، ممولہ، نولہ اور دیگر زمین پر چلنے والے دیگر چھوٹے بڑے، کیڑے مکوڑے، چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے

﴿وَيَحِلُّ لَهُمُ الصَّيَاتُ وَيَحْرَمُ عَلَيْهِمُ الْحَائِثُ﴾

قال ابو بكر الحنصلي . ذكر القصد عند رسول الله صلى الله

عليه وسلم فقال حيثة من الحائث : فشملة حكم التحريم بقوله

تعالى : ﴿وَيَحْرَمُ عَلَيْهِمُ الْحَائِثُ﴾ والقصد من حشرات الارض ،

وكل ما كان من حشراتھا فهو محرم قياسا عليه

(احکام القرآن للامام الحنصلي : ۲۱/۳)

ابو بکر صام رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کے سامنے تنقید (سیر) کا تذکرہ ہوا تو

آپ ﷺ نے فرمایا کہ خیانت میں سے ایک خبیث ہے اور ارشاد باری تعالیٰ ہے ﴿وَيَحْرَمُ عَلَيْهِمُ الْحَائِثُ﴾ میں داخل ہے۔

موذی جانوروں کو قتل کرنے کا حکم :

بعض جانور انتہائی موزی ہوتے ہیں ان کو قتل کرنے کی ہر وقت اجازت ہے۔

كما روي عن ابن عباس وعبد الله بن عمر رضي الله تعالى عنه

وعبرهما " خمس من الفواسق يقتلن في الحرم ، العراب ،

والحدأة ، والعقرب ، والعارة والكلب العقور .

(الحديث اخرجہ البخاری رقم ۹۲۶ ، ومسلم رقم ۶۹ ، والترمذی رقم ۸۳۷)

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ پانچ قسم کے حیوانات ایذا پہنچانے والے ہیں ان کو حرم میں اور

حرم کے باہر ہر جگہ قتل کیا جائے گا،

۱۔ کوا ۲۔ چیل ۳۔ بچھو ۴۔ چوہا ۵۔ باؤلہ کتا

کو ا کھانے کا حکم:

کوئے کو عربی میں ”غراب“ کہا جاتا ہے، فقہاء کرام کے اقوال سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کی تین قسمیں ہیں:

1- بعض کوئے ایسے ہوتے ہیں جو صرف مردار اور نجس چیزیں کھاتے ہیں، غراب (کوئے) کی یہ قسم حرام ہے۔

2- دوسری قسم کے کوئے وہ ہیں جو کھانے میں صرف دانے (پاکیزہ چیزیں) استعمال کرتے ہیں، مردار نہیں کھاتے ان کا کھانا حلال ہے۔

3- کوؤں کی ایک تیسری قسم بھی ہے جس کی خوراک حرام اور حلال سے مراب ہوتی ہے، یعنی مردار بھی کھا لیتے ہیں اور پاکیزہ چیزیں بھی قاضی ابو یوسف رحمہ اللہ اگرچہ اس کی کراہت کے قائل ہیں لیکن امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک حلال ہے اور فتویٰ آپ رحمہ اللہ ہی کے قول پر ہے۔

لما قال العلامة فخر الدین عثمان بن علی الریلعی رحمہ اللہ .
والغراب ثلاثة انواع يأكل الجيف فحسب فإنه ، لا يؤكل ونوع
يأكل الحب فقط فإنه ، يؤكل ونوع يخلط بينهم وهو ايضاً يؤكل
عند ابی حنیفة رحمہ اللہ تعالیٰ وهو العقق لانه ، كالدجاج وعن
ابی یوسف رحمہ اللہ تعالیٰ انه يكره لان غالب ما كوله الجيف
والأول اصح - انتهى . (تبیین الحقائق ۵/ ۲۹۵ کتاب المباح)

قال العلامة ابن ہمام رحمہ اللہ تعالیٰ : وهي الدحيرة واما
الغراب الا يقع والاسود فهو انواع ثلاثة نوع يلتقط الحب ولا يأكل
الجيف وانه لا يكره ونوع مه لا يأكل الا الجيف وانه مكروه ونوع
يختلط الحب بالجيف يأكل الحب مرة والجيف الاخرى وانه غير
مكروه عند ابی حنیفة وعند ابی یوسف رحمہ اللہ تعالیٰ يكره
الغداف وهو غراب القبط ويكون ضخماً وافران جاحين . (فتح
القدیر : ۸/ ۴۱۹)

کیڑا لگا ہوا پھل یا اناج کھانا:

سوال جس پھل میں کیڑا لگا ہوا اس کا کھانا کیسا ہے؟ نفع لمفتی والسائل سے بغرض تصدیق ایک سوال اور جواب پیش خدمت ہے۔

الاستفسار: هل يحل كنه الدود التي تكون في التفاح وغيره معه .

الاستفسار: نعم لتعسر الاحتراز منه واما إذا فردت واكلت فحكمها حكم الدباب كذا في مطالب المؤمنين . (نفع المفتي والسائل: ص ۱۱۰) بينوا تو جروا

جواب کیڑا نکال کر پھل کھانا حلال ہے، کیونکہ حضرت مفتی رشید احمد صاحب فرماتے ہیں کہ نفع لمفتی والسائل کا جواب صحیح نہیں۔

قال العلامة ابن عابدين رحمه الله تعالى: ولا بأس بدود الزنبر قبل ان ينفخ فيه الروح لان مالا روح له لا يسمى ميتة خاية وغيرها قال ط ويؤخذ منه ان اكل الحب او الخيل او الثمار كالنبق بدوده لا يجوز ان نفخ فيه الروح . (رد المحتار: ۱۹۴/۵)

جیلی کی تحقیق:

سوال: ڈبل روٹی پر جیلی لگا کر کھاتے ہیں، بعض لوگ اس کو ناجائز کہتے ہیں کیونکہ یہ جانور کی کھال اور ہڈی سے بنتی ہے، آپ کی تحقیق کیا ہے؟ بینوا تو جروا

جواب: اولاً جیلی کا ہڈی اور کھال سے بنایا جانا ضروری نہیں، درختوں کے پتوں وغیرہ سے بھی بنائی جاتی ہے۔

ثانیاً اگر کھال وغیرہ سے بنائی گئی ہو تو یہ ضروری نہیں کہ وہ کھال مردار ہی کی ہو، حلال ذبیحہ کی کھالیں غالب ہیں۔

ثالثاً جیلی کی صنعت میں تبدیل ماہیت کا احتمال بھی ہے، اس صورت میں حرام جانور کی کھال سے بنی ہوئی جیلی بھی حلال ہے۔

زیادہ تجسس اور کھود کرید کرنا اور احتمالات و ادہام کی بناء پر احتراز کرنا دین میں تعمق و غلو ہونے

کی وجہ سے ممنوع ہے اور بلادلیل شرعی حرمت کا حکم لگانا دین میں زیادتی اور تحریف ہے۔

(ماعود از احسن الفتاویٰ)

چائے میں کمی کرنا:

سوال: گرم چائے میں کمی کر جائے تو اس کو غوطہ دے کر چائے پینا حلال ہے یا حرام؟ البحر کے مندرجہ ذیل جزئیہ سے علت معلوم ہوتی ہے۔

ومعنى امقلوه اغمسوه وجه الاستدلال به ان الطعام قد يكون حارا فيموت بالغمس فيه فلو كان يفسده لما امر السي صبي الله عليه وسلم ليكون شفاء لما إذا اكلاه . (البحر الرائق : ٨٨/١)

جواب: کمی دوسرے حشرات الارض کی طرح حرام ہے، اگر کھانے پینے کی کوئی چیز اتنی گرم ہو کہ کمی کے اجزاء اس میں حل ہو جائے یا اس کا عرق شامل ہو جانے کا ظن غالب ہو جائے تو حضرات فقہاء کرام رحمہم اللہ تعالیٰ کی تصریح کے مطابق اس کا استعمال حرام ہوگا۔

جزئیہ بحر اس صورت پر محمول ہے کہ کمی کے اجزاء یا عرق کے اختلاط کا ظن غالب نہ ہو۔ چونکہ حشرات الارض کی حرمت کی اصل علت استحاث ہے اور یہ قلیل مقدار میں پائی جاتی ہے، طعام و شراب کثیر مقدار میں ہو تو یہ علت نہیں پائی جاتی، لہذا بڑی دیک میں کمی کر جائے تو اس کا استعمال جائز ہے، نیز اگر شربت، لسی وغیرہ شندی چیز میں کمی کر جائے تب بھی کمی نکال کر پھینک دی جائے اس کے بعد شربت کا استعمال جائز ہے۔

قال الإمام ابن الهمام رحمه الله تعالى : روي عن محمد رحمه الله تعالى إذا تفتت الضفدع في الماء كرهت شربه لا للنجاسة بل لحرمة لحمه وقد صارت اجراؤه فيه وهذا تصريح ، أن كراهة شربه تحريمية وبه صرح في التحنيس فقال يحرم شربه .

(فتح القدیر : ٥٨/١)

وكذا قال العلامة ابن نجيم رحمه الله تعالى .

(البحر الرائق : ٨٩/١)

وقال أيضا : واعلم ان كل ما لا يفسد الماء لا يفسد غير الماء

وهو الاصح كذا في المحيط والتحفة والاشبهه بالفقه كذا في
الدائع لكس يحرم اكل هذه الحيوانات المذكورة ، ماعدا السمك
الغير الطافي لفساد العذاء وحسنه منفسحا او غيره وقد قدمناه عن
التحيس . (البحر الرائق ۱ / ۹۰) - (احسن الفتاوى بنعير بسير)

جلالہ (نجاست خور جانور) کا حکم:

بعض جانوروں کی عادت ہوتی ہے کہ وہ نجاست کھاتے ہیں، یعنی ان کی غذا کا اکثر حصہ
گندگی ہوتی ہے، جس سے ان کے گوشت میں بو پیدا ہو جاتی ہے، ایسے جانوروں کے گوشت کھانا
مکروہ ہے، لہذا فقہاء کرام نے جواز کا یہ طریقہ ذکر فرمایا ہے کہ ایسے جانور کو ذبح سے پہلے من سب
مدت کے لیے بند کر کے پاکیزہ غذا چارہ کھلایا جائے وہ مدت جس گائے، بھینس، اونٹ کے لیے
دس دن ہے، بکری وغیرہ کے لیے چار دن، مرغی کے لیے تین دن ہے۔ اس مدت میں صاف غذا
استعمال کرنے کی وجہ سے گوشت پاکیزہ ہو جائے گا لہذا کراہت بھی ختم ہو جائے گی۔

قال الفقهاء : نزول الكراهة بحسبها ، و علمها عشرة أيام ، في
الابل والبقر ، وأربعة أيام في الشياه والأغنام ، ثلاثة أيام في الدجاج .
(الدر المختار : ۱۷۲/۵)

و حجتهم في كراهية أكلها ما رواه الترمذي عن ابن عمر رضي
الله تعالى عنه قال : " نهى رسول الله صلى الله عليه وسلم
الحلاله وألبانها . " (أخرجه الترمذي رقم ۱۸۲۴ باب ما جاء في
أكل لحوم الحلاله وألبانها)

ابن عمر روایت فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے جلالہ کے گوشت کھانے اور
دودھ پینے سے منع فرمایا ہے،

وهذا نهى كراهية لا نهى تحريم .

وروي أيضا عن ابن عباس رضي الله عنه : " أن النبي صلى الله
عليه وسلم نهى عن المحشمة ، ولبس الحلاله ، وعن الشرب من في -
أي فم - السقاء .

(أخرجه الترمذي رقم ۱۸۲۹ وقال : هذا حديث صحيح)

المحتمة : الحيوان الذي يحس لا صقاً - لأرض ، ويرمي عليه حتى يموت ، ولحلاله التي معظم علقها من القمامات والحساسات قال في الموسوعة الفقهية : الحلاله هي التي : كل حلة - أي العذرة والحاسة - ويكره أكل لحمها ، سواء أكل من الإبل ، أو القر ، أو الغنم ، أو الدجاج ، أو غير ذلك ، لأنها حس ، فلا بد لمن أراد ذبح الحلاله ، أن يحسها أياماً ، حتى تذهب عنها رائحة الكريهة ، ويطيب لحمها ، وقد قدرت مدة الحس ، ثلاثة أيام للحجاجة ، وأربعة أيام للشاة ، وعشرة أيام للإبل والقر .

(الموسوعة الفقهية للشيخ خليل كونا ج ۱ / ۱۳۷)

جانوروں میں سات چیزیں حرام ہیں :

حلال جانوروں کے اندر سات چیزیں حرام ہیں :

- 1- بہتا خون
- 2- مذکر کی پیشاب گاہ
- 3- خصیتیں (کپورے)
- 4- مونث کی پیشاب گاہ
- 5- غدود
- 6- مثانہ
- 7- پتہ

قال في الهدية : واما بيان ما يحرم كنه من ۱- الحيوان سعة الدم المسفوح والذكر والاشياء ، والفيل و عده و حشاة ، و نحرره كذا في البدائع . (عالمگیری : ۵ : ۲۹۰)

سمندری جانوروں کا حکم :

سمندری جانوروں میں سے صرف مچھلی ہی ایسا جانور ہے کہ اس کے گوشت کو حلال و پاکیزہ قرار دیا ہے ، اس کے حلال ہونے کے لیے ذبح کی ضرورت نہیں ۔

لقولہ عبدہ السلام : احلت لنا میتتان و دمان ، ام المیتتان ، فالسمک و الحراد ، و اما الدمان : فالکبد و الطحال .

(أخرجه ابن ماجه رقم : ۲۳۵۷ ورواه احمد و الشافعي)

یعنی جناب رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ ہمارے لیے (یعنی امت محمدیہ ﷺ کے لیے) دوسرا دار اور دو خون حلال کیے گئے ہیں مردار تو مچھلی اور نڈی ہے، اور دو خون جگر اور کلیجی ہے۔

سمندری جانور۔ دس میں سے صرف مچھلی ہی حلال ہے یا اس کے علاوہ کوئی اور جانور بھی حلال ہے؟ اس میں فقہاء، اہل کرام کے آپس میں کچھ اختلاف ہیں،

تفصیل کے لیے استاذ محترم مفتی محمد تقی عثمانی صاحب زید مجدہم کی ایک تحریر پیش خدمت ہے جو انہوں نے حدیث مذکورہ کے ضمن میں تحریر فرمایا ہے

”یہاں پر کئی مسائل بحث طلب ہیں، پہلا مسئلہ یہ ہے کہ سمندر کے کون کون سے جانور حلال اور کون سے حرام ہیں؟ امام مالک رحمہ اللہ کا مسلک یہ ہے کہ خنزیر، بحری کے سوا تمام مائی جانور حلال ہیں، امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کا مسلک یہ ہے کہ سمک (مچھلی) کے علاوہ تمام جانور حرام ہیں اور صمک طائی بھی حلت سے مستثنیٰ ہے۔

امام شافعی رحمہ اللہ سے اس بارے میں چار اقوال منقول ہیں۔

- 1- حنفیہ کے مطابق
- 2- جتنے جانور خشکی میں حلال ہیں ان کی نظیریں سمندر میں بھی حلال ہیں اور جو خشکی میں حرام ہیں وہ سمندر میں بھی حرام ہیں، مثلاً بقر، بحری (دریائے گائے) حلال اور کلب، بحری (کتا) حرام ہے اور جس بحری جانور کی خشکی میں نظیر نہ ہو تو وہ حلال ہے۔
- 3- ضفدع، تمساح، سلکفاۃ، کلب، بحری اور خنزیر بحری حرام ہیں، باقی تمام جانور حلال ہیں۔

- 4- ضفدع (یعنی مینڈک) کے سوا تمام بحری جانور حلال ہیں۔
- علامہ نووی رحمہ اللہ نے امام شافعی رحمہ اللہ کے اس آخری قول کو ترجیح دے کر اسے شافعیہ کا مفتی بہ قول قرار دیا ہے۔

وقال بعض الفقهاء و من اسی لیبی افہ یحل اکل ما سوی السمک، من الضفدع، و السرطان، و حیاہ الماء و کلبہ و حمریرہ و محدود لث لکن بالذکاة و ہہ موی البیث بن سعد الا فی انسان الماء و خنزیر یرہ فانہ لا یحل . (بذل المحمود: ۵۴/۱)

مالکیہ اور شافعیہ کے دلائل یہ ہیں:

1- ﴿احل لکم صید البحر و طعامہ﴾ اس آیت قرآنی میں لفظ ”صید“ عام ہے، اس لیے ہر جانور طلال ہوگا۔

2- ترمذی کی حدیث باب میں ”الحل میتہ“ کے الفاظ ہر میتہ ماء کی حلت بیان کر رہے ہیں۔

3- حدیث العنبر سے بھی مالکیہ اور شوافع کا استدلال ہے جس میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے فرمایا کہ ہم ایک عرصہ دراز تک ایک سمندری جانور کھاتے رہے، جس کا نام حبر تھا۔ باب غزوة سیف البحر میں بخاری کی اس روایت میں الفاظ یہ ہیں۔

”فالقى لنا البحر دابة يقال له العسر فاكلنا منه نصف شهر الخ.“

اس روایت میں لفظ دابہ بتلار ہا ہے کہ وہ جانور مچھلی کے علاوہ اور کوئی چیز تھی۔

پھر امام مالک رحمہ اللہ آیت قرآنی ﴿والبحر المحرير﴾ کے عموم کی وجہ سے خنزیر بحری کو حلت سے مستثنیٰ قرار دیتے ہیں اور امام شافعی رحمہ اللہ احادیث النبی عن قتل الضفدع کی بناء پر ضفدع کو حلت سے مستثنیٰ کر لیتے ہیں

ان کے مقابلہ میں حنفیہ کے دلائل یہ ہیں

1- ”وبحرہ علیہ احسان“ علامہ عینی رحمہ اللہ نے اسی آیت قرآنی سے مسلک

حنفیہ پر استدلال کیا ہے، وجہ استدلال یہ ہے کہ خباثت سے مراد وہ مخلوقات ہیں جن سے طبیعت انسانی گھن کرتی ہو اور مچھلی کے علاوہ سمندر کے دوسرے تمام جانور ایسے ہیں جن سے طبیعت گھن کرتی ہے، لہذا اسمک کے علاوہ دوسرے دریائی جانور خباثت میں داخل ہوں گے۔

2- ﴿حرمت علیکم المیتہ﴾ اس سے معلوم ہوگا کہ ہر میتہ حرام ہے، سوائے اس میتہ کے جس کی تخصیص دلیل شرعی سے ثابت ہوگئی ہو۔

3- ابو داؤد، ابن ماجہ، دارقطنی، بیہقی وغیرہ میں مشہور مرفوع روایت ہے

”عس عند اللہ بس عمر أن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال

احللت لسا میتتان و دمان فاما المیتتان فالحوث و الحراد و اما الدمان

فالکبد و الطحال (لفظہ لابن ماجہ: ۲۳۸ باب الکبد و الطحال)

وعد اخرجہ (الحافظ) فی التلخیص الحبر مرفوعاً و موقوفاً
وصحیح الموقوف اخرجہ من حدیث زید بن اسلم عن ابن عمر عند
الشافعی و احمد و ابن ماجہ و الدارقطی و السہتی و ابن عدی و ابن
مردوئیہ فی مسنده و نقل صحیح الموقوف من مسند قسطنطینی و سی ررغہ
و ابی حاتم (معرف سن ۲۵۱۱)

یہاں استدلال بعبارة میں ہے یوںہ سیاق کلام حلت و حرمت کے بیان کے لیے ہوا اور
تعارض کے وقت استدلال بعبارة النص رائج ہوتا ہے، کما تقر فی اصول الفقہ، لہذا اس حدیث
سے یہ بات صاف ظاہر ہے کہ میت یعنی وہ جانور جن میں، مساکل نہیں ہوتا، اس کی صرف دو قسمیں
حلال ہیں، جراد اور حوت (یعنی مچھلی اور نندی) چونکہ سمندر سے لے کر جانوران دو قسموں میں
داخل نہیں، اس لیے وہ حرام ہیں۔

4۔ سب سے اہم بات یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ کی پوری حیات طیبہ میں آپ سے
اور آپ ﷺ کے بعد صحابہ کرام سے ایک مرتبہ بھی ہمکے ملاوہ کسی اور ریائی جانور کا کھایا جانا
ثابت نہیں، اگر یہ جانور حلال ہوتے تو آپ ﷺ کبھی نہ کبھی بیان جواز کے لیے ہی کسی ضرور
تداول فرماتے "و اذلیس فلیس"۔

رہا شافعیہ اور مالکیہ کا آیت قرآنی ﴿احل لکم صید البحر﴾ سے استدلال سواس کا
جواب تو یہ ہے کہ اس سے خود شوافع کا استدلال اس وقت صحیح ہو سکتا ہے جبکہ صید کو مصید کے معنی
میں لیا جائے اور اضافت کو استغراق کے لیے لیا جائے، حالانکہ مصدر و اسم مفعول کے معنی میں لینا
مجاز ہے، اور بلا ضرورت مجاز کی طرف رجوع کی حاجت نہیں، اسی لیے احناف اس بات کے قائل
ہیں کہ یہاں لفظ صید اپنے حقیقی یعنی مصدری معنی پر ہی محمول ہے اور سیاق بھی اس پر شاہد ہے،
کیونکہ ذکر ان افعال کا چل رہا ہے جو محرم کے لیے جائز یا ناجائز ہوتے ہیں، لہذا یہاں منشاء صرف
یہ بتلانا ہے کہ سمندر میں شکار کرنا جائز ہے اس سے کھانے کی حلت ثابت نہیں ہوتی۔

دوسرا جواب یہ دیا گیا ہے کہ اگر بالفرض یہاں پر صید مصید ہی کے معنی میں ہو تو بحر کی طرف
اس کی اضافت استغراق کے لیے نہیں ہے، بلکہ عہد خارجی کے لیے ہوگی، لہذا آیہ مخصوص شکار
یعنی مچھلی مراد ہے جس کا حلال ہونا دوسرے دلائل کی روشنی میں ثابت ہو چکا ہے اور یہ ایسا ہی ہے

جیسے ”حرمة عسک حسدہ مانہ حرمہ“ میں اضافت بالتحقق مدہ ہے۔
 جہاں تک حدیث باب سے شوافع اور مالکیہ کے استدلال کا تعلق ہے سو اس کا ایک جواب تو
 وہی ہے کہ مینہ میں اضافت استغراق کے لیے نہیں بلکہ عمدہ خارجی کے لیے ہے اور مہد اصل ہے
 لہذا اس حدیث کا مطلب بھی یہی ہوا کہ سمندر کے وہ مخصوص حصے حلال ہیں جن کے بارے میں
 حلت کی نص آچکی ہے اور وہ ”سمک“ ہے۔

اس حدیث کا دوسرا جواب حضرت شیخ البند رحمہ اللہ تعالیٰ نے یہ دیا ہے کہ اگر اضافت کو
 استغراق کے لیے ہی مانا جائے تو الحکل سے مراد یہاں حلال ہونا نہیں بلکہ ظاہر ہونا ہے اور لفظ حل
 کلام عرب میں بکثرت ظاہر ہونے کے معنی میں استعمال ہوتا ہے چنانچہ بخاری کی ایک مشہور
 حدیث میں یہ الفاظ آئے ہیں

”حتى بلعنا سد الروحاء حلت فسنی بها الح“ الحدیث اخرجه

السخاری فی صحیحہ : ۱/ ۲۱۸ فی اخر کتاب البیوع عن سس

مالک تحب ما ہل بسافر بالحارہ قل ان یستمرئھا۔“

اس حدیث میں لفظ ”حلت“ باتفاق ”طہرت“ کے معنی میں ہے، اسی طرح حدیث باب میں
 لفظ ”حل“ طہر کے معنی میں ہے اور اس کی ایک دلیل یہ بھی ہے کہ سلسلہ کلام طہارت ہی سے چلا
 آ رہا ہے، صحابہ کرام کو یہ شبہ تھا کہ سمندر میں مرنے والا جانور ناپاک ہو جاتا ہے، اس شبہ کو ختم
 کرنے کے لیے آپ ﷺ نے فرمایا کہ سمندر کا مینہ ظاہر رہتا ہے۔

شافعیہ و مالکیہ کا تیسرا استدلال حدیث العنبر سے تھا، اس کا جواب یہ ہے کہ صحیح بخاری کی
 ایک روایت میں اس حدیث کے اندر ”فاسفی سحر حرمنا“ کے الفاظ آتے ہیں، جس
 سے معلوم ہوتا ہے کہ دوسری روایت میں واہ سے مراد بھی حوت ہے۔ صحیح بخاری کی روایات میں
 ”ح“ اور ”ذہ“ دونوں طرح کے الفاظ آتے ہیں۔ (کتاب سمک صفحہ ۶۲۲)

سمک طافی:

یہاں اس مسئلہ سمک طافی کی حلت و حرمت کا ہے، طافی اس مچھلی کو کہتے ہیں جو پانی میں
 بغیر کسی خارجی سبب کے طبعی موت مر کر انی ہو گئی ہو، اندر شاملہ یعنی امام مالک، امام شافعی اور امام
 احمد رحمہم اللہ ایسی مچھلی کو حلال کہتے ہیں، جبکہ امام اعظم ابو حنیفہ رحمہ اللہ اس کی حرمت کے قائل ہیں،

یہ ہی مسلک تہ حضرت علی، ابن عباس، جابر رضی اللہ عنہم، ابراہیم نخعی، شعبی، طاؤس اور سعید بن المسیب رحمہم اللہ کا ہے۔

امہ ثناء کا ایک استدلال حدیث باب سے ہے کہ وہ "اُخْل مِیۃ" سے غیر مذبوح مراد لیتے ہیں اور حدیث میں اس کی حلت کا حکم دیا گیا ہے ان کا دوسرا استدلال حدیث غبر سے ہے کہ وہ صبیہ کرام کو مری ہوئی ملی تھی، اس کے باوجود وہ اسے نصف ماہ تک کھاتے رہے، تیسرا استدلال حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے ایک اثر سے ہے جو سنن بیہقی اور دارقطنی میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔ (کشافی معارف المس ۱/ ۲۵۷) اس اثر میں سمک طافی کو حلال قرار دیا گیا ہے۔

حنفیہ کا استدلال ابو داؤد اور ابن ماجہ میں حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ کی روایت سے ہے

"قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم ما القى المحر او حرر عنه فكلوه وما مات فيه وطما فلا تاكلوه."

(کتاب الاطعمه: ۲/ ۵۳۴ باب اكل سمك الصافي)

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جس کو سمندر نے باہر ڈال دیا یا جس سے پانی خشک ہو گیا اسکو کھاؤ، اور جو پانی میں مر کر الٹی ہو گئی ہے اسکو مت کھاؤ۔

امام ابو داؤد نے یہ روایت مرفوعاً و موقوفاً دونوں طرح روایت کی ہے، پھر طریق موقوف کو صحیح قرار دیا ہے، لیکن حقیقت یہ ہے کہ مرفوع روایت بھی تمام تر ثقات سے مروی ہے اور ثقہ کی زیادتی مقبول ہوتی ہے اس لیے اس کو مرفوع ماننے میں کوئی اشکال نہیں اور اگر موقوف طریق کو ہی صحیح مانیں تب بھی چونکہ مسئلہ غیر مد رک بالقیاس ہے اس لیے یہ حدیث مرفوع ہی کے حکم میں ہوگی۔

امام بیہقی رحمہ اللہ نے اس حدیث کو ضعیف قرار دیا ہے، حالانکہ یہ صحیح نہیں، کیونکہ ضعف کی وجہ ابن سلیم کا ضعف بیان کی ہے، (کشافی معارف المس ۱/ ۲۶۰) حالانکہ ابن سلیم صحیحین کے راوی ہیں، لہذا ان کی یہ تضعیف درست نہیں، ابن الجوزی رحمہ اللہ نے مرفوع کو اسماعیل بن امیہ کی وجہ سے ضعیف کہا ہے حالانکہ ان کو مغالطہ لگا ہے۔ یہ اسماعیل بن امیہ ابو الصلت نہیں جو ضعیف ہیں، بلکہ اسماعیل بن امیہ قرشی اموی ہیں، جو ثقہ ہیں مسلک حنفیہ کی تائید آیت

قرآنی حرمات عسکریہ سے بھی ہوتی ہے۔

شافعی نے داخل کا جواب یہ ہے کہ ”حلیہ“ میں میت سے مراد غیر مذکور نہیں، بلکہ ”ماتیسہ“ سے جیسا کہ ”حلیہ“ میں میت سے یہی مراد ہے اور حنفیہ کی مستدل مذکورہ بالا حدیث کی بناء پر اہل یوں کہاجائے کہ حلیہ طافی سے متشبیہ، تب بھی چھ جید نہیں یا پھر بقول حضرت شیخ الہند رحمہ اللہ ”حلیہ“ سے مراد حلیہ نہیں بلکہ طہ ہے۔

حدیث غبر کا جواب یہ ہے کہ اس کے طافی ہونے کی تصدیق نہیں ہے، طافی صرف اس مچھلی کو کہتے ہیں جو کسی خارجی سبب کے بغیر نہ ہو، بخلاف مندر میں مر جائے اور انہی ہو جائے۔ اس کے برخلاف اگر کوئی مچھلی کسی خارجی سبب کی وجہ سے مثلاً شدت حرارت یا شدت برودت سے یا تا، طم، مہج سے یا کنارے پر پہنچ کر پانی سے دور چلے جانے کی وجہ سے مر جائے تو وہ طافی نہیں ہوتی اور اس کا کھانا حلال ہوتا ہے، حدیث غبر میں بھی ظاہر یہی ہے کہ وہ مچھلی پانی کے چھوڑ کر چلے جانے کی بناء پر مری تھی، لہذا اس کی حلت محل نزاع نہیں۔

اب صرف حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کا اثر رہ جاتا ہے، اس کا جواب یہ ہے کہ اگر تو اس میں شدید اضطراب ہے، دوسرے اثر بالفرض اسے سنداً صحیح مان بھی لیا جائے تو بھی وہ ایک صحابی کا اجتہاد ہو سکتا ہے، جو حدیث مرفوع کے مقابلہ میں حجت نہیں، تیسرے یہ بھی ممکن ہے کہ اس میں میت مچھلی سے مراد وہی سمک مراد ہو جو اسباب خارجیہ کی بناء پر مری ہو۔

جھینگا کی حلت و حرمت:

تیسرا مسئلہ جھینگا کی حلت و حرمت کا ہے، شافعیہ اور مالکیہ کے نزدیک تو اس کی حلت میں کوئی شبہ نہیں، لیکن حنفیہ کے نزدیک مدار اس بات پر ہے کہ وہ سمک ہے یا نہیں، یہ بات خاص طور سے علماء ہند کے درمیان مختلف فیہ رہی ہے، علامہ دمیری رحمہ اللہ نے ”حیات الحیوان“ میں اس کو سمک ہی کی ایک قسم قرار دیا ہے، اسی بناء پر بعض علماء ہند اس کی حلت کے قائل ہیں، جن میں حضرت تھانوی رحمہ اللہ بھی داخل ہیں، چنانچہ انہوں نے ”امداد الفتاویٰ“ میں اس کی اجازت دینی سے، مابین صاحب فتاویٰ حماد یہ اور بعض دوسرے فقہاء نے اسے سمک ماننے سے انکار کیا ہے۔

احقر نے علم الحیوان کے ماہرین سے اس کی تحقیق کی تو یہ سب اس بات پر متفق نظر آئے کہ

جھینگا، مچھلی نہیں ہے اور دونوں کے درمیان وہ نسبت سے جوشیہ اور بی کے درمیان پانی جاتی ہے، مچھلی کی جو تعریف علم الحیوانات کی کتابوں میں مرقوم ہے، اس کی رو سے بھی جھینگا، مچھلی کے مصداق میں داخل نہیں ہوتا، وہ تعریف یہ ہے ”وہ ریزہ کی ہڈی و۔ جانور جو پانی کے بغیر زندہ نہیں رہ سکتا اور گلہڑوں سے سانس لیتا ہے“ اس میں جھینگا پہلی ہی قید سے خارج ہو جاتا ہے، کیونکہ اس میں ریزہ کی ہڈی نہیں ہوتی، بعض علماء حیوانات نے تو اسے میڑے کی ایک قسم قرار دیا ہے، اس سے علاوہ عرف عام میں بھی اسے مچھلی نہیں سمجھا جاتا، کیونکہ اگر کسی شخص کو مچھلی لانے کا حکم دیا جائے، اور وہ جھینگا لے آئے تو اسے صحیح قیام کرنے والا نہیں سمجھا جاتا، ان وجوہ کی بناء پر رائج یہی ہے کہ وہ مچھلی نہیں ہے، لہذا اسے کھانا درست نہیں، جہاں تک علامہ دمیری رحمہ اللہ کا تعلق ہے تو وہ فونی علم حیوانات کے ماہر نہیں، بلکہ محض ناقل روایات ہیں اور انہوں نے حیات الحیوان میں ہر طرح کی رطب و یابس روایات جمع کر لی ہیں، اس لیے ان کا قول اس باب میں دوسرے ماہرین کے خلاف حجت نہیں، علاوہ ازیں جس مسئلہ میں حلت و حرمت کے ادلہ متعارض ہوں، وہاں جانب حرمت کو ترجیح ہوتی ہے، اس لیے اس کے کھانے سے پرہیز ہی لازم ہے۔

(درس ترمذی : ۱، ۲۷۹)

وضاحت:

جھینگا کے متعلق حضرت استاذ محترم صاحب کی رائے شروع میں یہی تھی کہ اس کا کھانا مکروہ تحریمی ہے، جیسا کہ اوپر کی تقریر سے واضح ہے لیکن چونکہ ائمہ ثلاثہ کے نزدیک جھینگا حلال ہے، اسی طرح حنفیہ میں سے بہت سے علماء اس کی حلت کے قائل ہیں اس لیے بعد میں اس موقف میں نرمی اختیار فرمائی، چنانچہ جھینگا کھانا مکروہ تحریمی ہونے کے ایک فتویٰ پر تصدیق فرماتے ہوئے لکھتے ہیں:

”احقر کے نزدیک جواب صحیح ہے، اگرچہ دوسرے علماء کی تحقیق اس کے برخلاف بھی ہے، اس لیے اس مسئلے میں بہت تشدد بھی مناسب نہیں، تاہم حلت و حرمت کے مسائل میں اگر ادلہ متعارض ہوں تو حرمت کی جانب کو ترجیح دینا بہر صورت اولیٰ ہے۔ واللہ سبحانہ و تعالیٰ اعلم“

لہذا جو لوگ اس کو مچھلی سمجھ کر کھاتے ہیں ان پر لعن طعن کرنا، یا حرام خوری کا الزام دینا یہ بھی درست نہیں ہے کیونکہ جب کوئی مسئلہ ائمہ مجتہدین کے درمیان مختلف فیہ ہو تو اس میں کسی ایک

جانب تشدد کرنا درست نہیں جبکہ اس مسئلہ میں امر ثلاثہ صحت کے قابل ہیں نیز فقہاء ائمہ فہمہ علماء ہند کے درمیان بھی مختلف فیہ ہے، و فریق کے پاس اہل موجود ہیں اور جو لوگ استعمال کرتے ہیں ان کے لیے جی بھی مشورہ ہے کہ تقویٰ کا راستہ اختیار کرتے ہوئے امر بقتاب یہاں سے تو اللہ تعالیٰ رزق میں برکت نازل فرما میں نے۔ اس لیے جھینکا کے استعمال سے اجتناب کیا جائے یہی بہتر اور اولیٰ ہے۔

درندوں کی حرمت کا فلسفہ:

بعض لوگوں نے ذہن میں یہ سوال بھی اٹھاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے بعض جانوروں کو حلال قرار دیا ہے، جبکہ دیگر بہت سارے جانوروں کو حرام قرار دیا ہے، مثلاً شیر، بیل، تال، بلی وغیرہ اس میں کیا فلسفہ ہے؟ تو سمجھ لینا چاہیے۔ ایک مسلمان کے لیے کسی چیز کے بارے میں حلت و حرمت کا اعتقاد کسی فلسفے کے تحت نہیں ہونا چاہیے، بلکہ صرف اللہ تعالیٰ کا حکم سمجھتے ہوئے ماننا ضروری ہے اللہ تعالیٰ کسی چیز کے بارے میں حلت و حرمت کا حکم بغیر کسی حکمت کے نہیں فرماتا۔

چنانچہ حضرت تھانوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں ”سارے درندے جانور جن کی سرشت و فطرت میں پنجوں سے چھیلنا اور حملہ سے زخم پہنچانا اور جن میں سخت دلی ہے سب حرام ٹھہرائے گئے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ آنحضرت ﷺ نے بھیڑیے کے بارے میں فرمایا ہے ”اویا کل احد“ یعنی کیا بھیڑیے کو بھی کوئی انسان کھاتا ہے یعنی اس کو کوئی نہیں کھاتا۔ وجہ حرمت ظاہر ہے کہ ان جانوروں کے کھانے سے انسان میں درندگی پیدا ہو جاتی ہے کیونکہ ان کی طبیعت اعتدال سے خارج ہوتی ہے اور ان کے دلوں میں رحم نہیں ہوتا، اسی واسطے ہر شکاری پرندے کے کھانے سے بھی آنحضرت ﷺ نے منع فرمایا ہے۔“ (احکام اسلام عقل کی نظر میں صفحہ 205 کتاب الاکل والشرب)

خرگوش حلال جانور ہے:

کسی جانور کے حرام ہونے کے لیے شریعت نے جن اوصاف کا ذکر کیا ہے، وہ خرگوش میں موجود نہیں، لہذا خرگوش کھانا حلال ہے، اس میں کسی شک و شبہ میں مبتلا ہونا درست نہیں۔

لما قال العلامة التمرناشی رحمہ اللہ تعالیٰ ”وحل عراب الررع

الذی یا کل الحب (واللارنب والعقوق)۔

(سور الابصار علی صدر رد المحتار ۶/۳۰۸ کتاب الدائع)

چوری شدہ جانوروں کا حکم:

اُروائی کسی جانور چوری کرنے ذریعہ کرنا۔ چوری یہ فعل حرام ہے لیکن اس سے جانور حرام نہیں ہوگا کیونکہ جانور کی حالت و حرمت سے احکام پر فرقہ اور غصب مؤثر نہیں ہوتا بشرطیکہ ذابح مسلمان ہو اور ذبح کے وقت ذبیحہ پر اللہ کا نام لیا گیا ہو، تاہم سارق اور غاصب پر مالک کو اس کی قیمت ادا کرنا واجب ہے۔

لما قال العلامة ابن السرى كثر ذبح حمه لله عصب شه
وصحى هان احدها ما لكها وصمه بفساد لا يقع عن لأصحابه
وإن صممه فيمها حية وقعت عنه لا يحد من ملك من وف
العصب

(عسوى السرى علی هامش التہذیبہ ۶: ۲۹۱ کتاب لأصحابہ)

غیر فطری طور پر پیدا شدہ جانور کا حکم:

بعض نسل کے جانوروں کے بارے میں مشہور ہے کہ ان کی نسل نشی کے لیے خنزیر کا مادہ منویہ بذریعہ میٹ نیوب یا بذریعہ جفتی استعمال کیا جاتا ہے جس سے بچہ پیدا ہوتا ہے۔ ایسی گائے کو جرمنی یا غیر ملکی گائے کہا جاتا ہے اب ایسی گائے کے گوشت کا کیا حکم ہوگا؟ تو سمجھ لینا چاہیے کہ حیوانات کی نسل ماں سے ثابت ہوتی ہے، نہ کہ مادہ منویہ کا کوئی اعتبار نہیں ہوتا، جیسا کہ فقہاء نے لکھا ہے کہ اگر بکری کے ساتھ کوئی درندہ جفتی کرے تو بچہ ماں کے تابع ہو کر حلال ہوگا۔ لہذا جرمنی گائے یا کوئی اور جانور جس کی ماں حلال جانور ہو تو اس کو ذبح کرنا اور اس کا گوشت کھانا شرعاً جائز ہے۔

لما قال العلامة الكاساسي: حتى إن البقرة الأهلية إذا رعىها ثور
وحشي فولدت فبأنه يحور أن يصحى به وإن كانت البقرة وحشية
والثور أهلب لم يحور لأن الأصل في الولد الأم لأنه يفصل عن الأم.

(بدائع الصنائع: ۵/۶۹، کتاب الدبائح)

مردار اور محققہ وغیرہ کا حکم:

حلال جانور کو ذبح نہ کیا جائے بلکہ اپنی موت مر جائے یا ٹنگہ گھونٹ کر مار دیا جائے یا پہاڑ وغیرہ اونچی جگہ سے گر کر مر جائے تو ایسی صورت میں اس جانور کا کھانا حرام ہو جاتا ہے۔

فَمِنْهُمْ مَنْ جَعَلَ مِنْ دَمِائِهِمْ مَقْتَلًا وَمِنْهُمْ مَنْ جَعَلَ مِنْ دَمِائِهِمْ مَحْيَا تًا
 نَسْعَ إِلَّا مَا ذُكِّرُوا بِهِ فَاعْلَمُوا أَنَّ حَرْمَهُ لَكُمْ وَاعْلَمُوا أَنَّمَا هِيَ
 دَلِيلٌ لَكُمْ فِيمَا حَرَّمَ اللَّهُ (سورة المائدة: ۳)

”تم پر حرام کیے گئے ہیں مردار اور خون اور خنزیر کا گوشت اور جو جانور کے غیر اللہ کا نام ذبح کر دیا گیا ہو اور جو گا گھسنے سے مر جائے اور جو کسی ضرب سے مر جائے اور جو اونچے سے بر کر مر جائے اور جو کسی ٹکڑے سے مر جائے اور جس کو کوئی درندہ کھانے لے، لیکن جس کو تم ذبح کر ڈالو اور جو جانور پرستش گاہوں پر ذبح کیا جائے اور یہ کہ گوشت تقسیم نہ ہو بذریعہ قرعہ کے تیروں کے یہ سب گناہ (اور حرام) ہیں۔“

اس آیت کی تفسیر میں حضرت مفتی محمد شفیع صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں یہ سورہ مادہ کی تیسری آیت ہے جس میں بہت سے اصولی اور فروعی احکام و مسائل بیان کیے گئے ہیں، پہلا مسئلہ حلال و حرام جانوروں کا ہے جن جانوروں کا گوشت انسان کے لیے مضر ہے، خواہ جسمانی طور پر کہ اس سے انسان کے بدن میں بیماری کا خطرہ ہے یا روحانی طور پر کہ اس سے انسان کے اخلاق اور قلبی کیفیات خراب ہونے کا خطرہ ہے ان کو قرآن نے خباثت قرار دیا ہے اور حرام کر دیا اور جن جانوروں میں کوئی جسمانی یا روحانی مضرت نہیں، ان کو طیب اور حلال قرار دیا۔

اس آیت میں فرمایا ہے کہ حرام کیے گئے تم پر مردار جانور مراد سے مراد وہ جانور ہیں جو بغیر ذبح کے کسی بیماری کے سبب یا طبعی موت سے مر جائیں۔ ایسے مردار جانور کا گوشت ”طبی“ طور پر بھی انسان کے لیے سخت مضر ہے اور روحانی طور پر بھی۔

البتہ حدیث شریف میں رسول اللہ ﷺ نے دو چیزوں کو مستثنیٰ قرار دیا ہے۔ ایک ”مچھلی“ دوسری ”مڈی“۔ یہ حدیث مسند احمد، ابن ماجہ، دارقطنی، بیہقی وغیرہ نے روایت کی ہے اور قرآن کریم کی دوسری آیت میں ہمارے مذکورہ حاکم فرمایا کہ یہ بتلادیا گیا کہ خون سے مراد بننے والا خون ہے اس لیے جگر، تلی باؤ، خون ہونے کے اس حکم سے مستثنیٰ ہیں۔ حدیث مذکور میں جہاں ”میتہ“ سے مچھلی اور مڈی کو مستثنیٰ فرمایا ہے۔ اسی میں جگر اور طحال (کلیج) کو خون سے مستثنیٰ قرار دیا ہے۔

تیسری چیز * حرمہ تحریر * ہے جس کو حرام فرمایا ہے۔ لحم سے مراد اس کا پورا بدن ہے جس میں چربی، پٹھے وغیرہ سب ہی داخل ہیں۔

چوتھے وہ جانور جو غیر اللہ کے لیے نامزد کر دیا گیا ہے۔ پھر اُردن کے وقت بھی اس پر غیر اللہ کا نام لیا ہے تو وہ کھلا شرک ہے اور یہ جانور با تفاق حرام کے حکم میں ہے۔ جیسا کہ مشرکین عرب اپنے بتوں کے نام پر ذبح کیا کرتے تھے۔ یا بعض جاہل کسی پیر فقیر کے نام پر اور اُردن بوقت ذبح نام تو اللہ کا لی مگر جانور کسی غیر اللہ کے نام پر نذر کیا ہو اور اس کی رضامندی کے لیے قربانی کیا ہے تو جمہور فقہاء نے اس کو بھی * ما اھلہ لعیر اللہ * کے تحت حرام قرار دیا ہے۔

پانچویں محققہ: یعنی وہ جانور حرام ہے جو گلا گھونٹ کر ہلاک کیا گیا ہو یا خود ہی کسی جاہل میں پھنس کر دم گھٹ گیا ہو۔ اُردن چھ محققہ اور موقوفہ بھی میت کے اندر داخل ہیں مگر اہل جاہلیت ان کو جائز سمجھتے تھے اس لیے خصوصی طور پر ذکر کیا گیا۔

چھٹے موقوفہ: یعنی وہ جانور جو ضرب شدید سے ہلاک ہوا ہو۔ جیسے لاشی یا پتھر وغیرہ سے مارا گیا ہو اور جو تیر کسی شکار کو اس طرح قتل کر دے کہ دھار کی طرف سے نہ لگے ویسے ہی ضرب سے مر جائے وہ بھی موقوفہ میں داخل ہو کر حرام ہے۔

حضرت عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ نے حضور اکرم ﷺ سے عرض کیا کہ میں بعض اوقات "معراض" تیر سے شکار کرتا ہوں، اُردن شکار اس سے مر جائے تو کیا کھا سکتا ہوں۔ آپ نے فرمایا کہ اگر وہ جانور عرض تیر کی چوٹ سے مرا ہے تو وہ موقوفہ میں داخل ہے اس کو مت کھا اور اُردن دھار کی طرف سے لگا ہے اور اس نے زخم کر دیا ہے تو کھا سکتے ہو۔ یہ روایت بھصاص نے "احکام القرآن" میں اپنی اسناد سے نقل کی ہے۔ اس میں شرط یہ ہے کہ تیر پھینکنے کے وقت ہم اللہ کہہ کر پھینکا گیا ہو۔

جو شکار بندوق کی گولی سے ہلاک کیا گیا ہو اس کو بھی فقہاء نے موقوفہ میں داخل اور حرام قرار دیا ہے۔ امام بھصاص رحمہ اللہ نے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے کہ وہ فرماتے ہیں

المقتولة بالبندق تلك الموقودة .

یعنی بندوق کے ذریعے جو جانور قتل کیا گیا ہے وہ ہی موقوفہ ہے اس لیے حرام ہے، امام اعظم

رحمہ اللہ، شافعی، مالک وغیرہ سب اس پر متفق ہیں۔ (قرطبی)

ساتویں متردیہ: یعنی وہ جانور جو کسی پہاڑ یا نید یا اونچی عمارت یا کنوئیں وغیرہ میں گر کر مر جائے وہ بھی حرام ہے، اسی لیے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ اگر کوئی شکار پہاڑ پر کھڑا ہے اور تم نے تیر بسم اللہ پڑھ کر اس پر پھینکا اور وہ تیر کی زد سے نیچے گر کر مر گیا تو اس کو نہ کھاؤ۔

کیونکہ اس میں بھی احتمال ہے کہ اس کی موت تیر کی زد سے نہ ہو کرنے کے صدمہ سے ہو تو وہ متردیہ میں داخل ہو جائے گا۔ اسی طرح اگر کسی پرندہ پر تیر پھینکا۔ وہ پانی میں گر گیا تو اس کے کھانے کو بھی اسی بناء پر منع فرمایا ہے کہ یہ بھی احتمال ہے کہ اس کی موت ڈوبنے سے واقع ہوئی ہو۔ (حصاص)

آٹھویں نطیجہ: یعنی وہ جانور جو کسی ٹکر یا تصادم سے ہلاک ہو گیا ہو۔ جیسے ریل موٹر وغیرہ کی زد میں آ کر مر جائے یا کسی دوسرے جانور کی ٹکر سے مر جائے۔

نویں وہ جانور جو کسی درندہ جانور نے پھاڑ دیا ہو اس سے مر گیا ہو۔

ان نواقسام کی حرمت بیان فرمانے کے بعد ایک استثناء ذکر کیا گیا فرمایا ﴿إلا ما دکنم﴾ یعنی اگر ان جانوروں میں سے تم نے کسی کو زندہ پالیا اور ذبح کر لیا تو وہ حلال ہو گیا اس کا کھانا جائز ہے۔

یہ استثناء شروع کی چار قسموں میں نہیں ہو سکتا کیونکہ میت اور ذم میں اس کا امکان ہی نہیں اور خنزیر اور ﴿ما اهل لعبر اللہ﴾ اپنی ذات سے حرام ہیں، ذبح کرنا نہ کرنا ان میں برابر ہے۔ اسی لیے حضرت علی، ابن عباس رضی اللہ عنہما، حسن بصری، قتادہ وغیرہ سلف الصالحین کا اس پر اتفاق ہے یہ استثناء ابتدائی چار کے بعد، یعنی محققہ اور اس کے بعد سے متعلق ہے۔ اس لیے مطلب اس کا یہ ہو گیا کہ ان بقیہ تمام صورتوں میں اگر جانور زندہ پایا گیا، زندگی کی علامتیں محسوس کی گئی اور اسی حالت میں اس کو اللہ کے نام پر ذبح کر دیا گیا تو وہ حلال ہے خواہ وہ محققہ ہو یا موقوفہ یا متردیہ یا نطیجہ یا جس کو درندہ نے پھاڑ ڈالا ہے۔ ان میں سے جس کو بھی آثار زندگی محسوس کرتے ہوئے ذبح کر لیا وہ حلال ہو گیا۔

دسویں وہ جانور حرام ہے جو نصب پر ذبح کیا گیا ہو۔ نصب وہ پتھر ہیں جو کعبہ کے گرد کھڑے

کیے ہوئے تھے اور اہل جاہلیت ان کی پرستش کرتے تھے اور ان کے پاس باکر جانوروں کی قربانی ان کے لیے کرتے تھے اور اس کو بہت سمجھتے تھے۔ اہل جاہلیت ان سب قسموں کے جانوروں کو کھانے کے عادی تھے جو خباثت میں داخل ہیں قرآن کریم نے ان سب کو حرام قرار دیا۔

سپارہویں چیز جس کو اس آیت میں حرام قرار دیا ہے وہ استقسام بالازلام ہے۔ ازلام زلم کی جمع ہے۔ زلم اس تیر کو کہتے ہیں جو جاہلیت عرب میں اس کام کے لیے مقرر تھا کہ اس کے ذریعے قسمت آزمائی کی جاتی تھی اور یہ سات تیر تھے۔ جن میں سے ایک پر نعم اور ایک پر لا۔ اور اسی طرح کے دوسرے الفاظ لکھے ہوتے تھے اور یہ تیر بیت اللہ کے خادم کے پاس رہتے تھے۔

جب کسی شخص کو قسمت یا آئندہ کسی کام کا مفید ہونا یا مضر ہونا معلوم کرنا ہوتا تو خادم کعبہ کے پاس جاتے اور سو روپے اس کو نذرانہ دیتے اور ان تیروں کو ترکش سے ایک ایک کر کے نکالتا۔ اگر اس پر نعم نکل آتا تو سمجھتے تھے کہ یہ کام مفید ہے اور اگر لا نکل آتا تو سمجھتے تھے کہ یہ کام نہ کرنا چاہیے۔ حرام جانوروں کے سلسلہ میں اس کا ذکر کرنے کی وجہ یہ ہے کہ عرب کی یہ بھی عادت تھی کہ چند آدمی شریک ہو کر کوئی اونٹ وغیرہ ذبح کرتے مگر گوشت کی تقسیم ہر ایک کے حصہ شرکت کے مطابق کرنے کی بجائے ان جوئے کے تیروں سے کرتے تھے جس میں کوئی بالکل محروم رہتا کسی کو بہت زیادہ کسی کو حق سے کم ملتا تھا۔ اس لیے جانوروں کی حرمت کے ساتھ اس طریقہ کار کی حرمت کا بیان کر دیا گیا۔

علماء نے فرمایا کہ آئندہ کے حالات اور غیب کی چیزیں معلوم کرنے کے جتنے طریقے رائج ہیں خواہ اہل جفر کے ذریعہ یا ہاتھ کے نقوش دیکھ کر یا فال وغیرہ نکال کر یہ سب طریقے استقسام بالازلام کے حکم میں ہیں۔

اور استقسام بالازلام کا لفظ کبھی قمار یعنی جوئے کے لیے بھی بولا جاتا ہے جس میں قرعہ اندازی اور لاٹری کے طریقوں سے حقوق کی تعیین کی جاتی ہے یہ بھی نہیں قرآن حرام ہے۔

جس کو قرآن نے میسر کے نام سے ممنوع قرار دیا ہے۔ اسی لیے حضرت سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ، مجاہد اور شعبی نے فرمایا ہے کہ جس طرح عرب ازلام کے ذریعہ حصے نکالتے تھے اسی طرح فارس و روم میں شطرنج اور چوسر وغیرہ کے مہروں سے یہ کام لیا جاتا ہے وہ ازلام کے حکم میں ہیں۔

استنقبہم بالازلام کی حرمت کے ساتھ ارشاد فرمایا ﴿ذَکَہ فُسُقٌ﴾ یعنی یہ طریقہ قسمت معصوم کرنے یا حصے مقرر کرنے کا فسق اور گمراہی ہے۔ (معارف القرآن ۳۱ - ۲۸ - ۳۲)

باب اللباس

لباس کی حقیقت:

مرد کے بدن کا وہ حصہ جسے عربی زبان میں ”عورت“ اور اردو اور فارسی زبان میں ”ستر“ کہتے ہیں، چھپانا شرعی، طبعی اور عقلی طور پر فرض ہے اور ایمان کے بعد سب سے پہلا فرض جس پر عمل ضروری ہے، وہ اعضائے مستورہ کو چھپانا ہے، یہ فریضہ ابتدائے آفرینش سے ہے اور تمام انبیاء علیہم السلام کی شریعتوں میں فرض رہا ہے، بلکہ شرائع کے وجود سے بھی پہلے جب جنت میں شجر ممنوعہ کھانے کے سبب حضرت آدم اور حضرت حواء علیہما السلام کا جنتی لباس اتر گیا اور ان کا ستر کھل گیا تو وہاں بھی حضرت آدم علیہ السلام اور حضرت حواء علیہما السلام نے ستر کھل رکھنا جائز نہیں سمجھا اس لیے حضرت آدم اور حضرت حواء دونوں نے جنت کے پتے اپنے ستر پر باندھ لیے، چنانچہ ارشاد باری ہے ﴿مَطْمَقًا يَحْصَعَانِ عَلَيْهِمَا مِنْ وَرَقِ النَّحْلِ﴾ (اعراف) دنیا میں آنے کے بعد حضرت آدم علیہ السلام سے خاتم الرسل ﷺ تک ہر پیغمبر کی شریعت میں ستر چھپانا فرض رہا ہے، اعضائے مستورہ کی تعین اور تحدید میں تو اختلاف ہو سکتا ہے مگر اصل فرضیت ستر عورت کی تمام انبیاء کی شرائع میں مسلمہ ہے اور یہ فرض ہر انسان مرد و عورت پر فی نفسہ عائد ہے کوئی دوسرا دیکھنے والا موجود ہو یا نہ ہو۔

لباس کیسا ہو؟

لباس کے بارے میں شریعت کی تعلیمات بڑی معتدل ہیں، چنانچہ شریعت نے کسی مخصوص لباس کی تعین نہیں کی ہے اور نہ اس کی مخصوص ہیئت بتلا کر یہ کہا کہ ہر شخص کے لیے ایسا لباس پہننا ضروری ہے بلکہ ہر علاقہ اور ہر جگہ کے لوگوں کو موسم اور آب و ہوا کے لحاظ سے لباس کے چننا و میں آزادی دی گئی ہے اور وہ اس لیے ہے کہ اسلام دین فطرت ہے اور حالات کے لحاظ سے، مختلف ممالک کے لحاظ سے، وہاں کے موسموں کے لحاظ سے، وہاں کی ضروریات کے لحاظ سے، لباس مختلف ہو سکتا ہے، مثلاً کہیں باریک، کہیں موٹا، کہیں کسی وضع، کہیں کسی ہیئت کا لباس اختیار کیا جا

سکتے ہیں، بہتہ اسد م نے چھو، اہم اور بنیادی اصول اور آداب لباس سے سب سے میں بتاتے ہیں ان آداب اور اصولوں کا لحاظ رکھنا بہ حال میں ضروری ہے، ذیل میں ہم آداب اور اصولوں کو پہلے اجمالی طور پر بیان کر دیتے ہیں پھر ان کو قدرے وضاحت اور تشریح کے ساتھ بیان کریں گے۔ پھر اس کے بعد لباس کے متعلق مختلف اور متفرق مسائل کو الگ الگ عنوان کے ساتھ ذکر کریں گے۔

لباس کے اجمالی بنیادی اصول:

جیسا کہ پہلے عرض کر چکا ہوں کہ لباس کے متعلق کسی خاص وضع اور تراش کی شریعت نے پابندی نہیں لگائی، البتہ لباس کی حدود مقرر کی ہیں ان سے تجاوز نہیں ہونا چاہیے، جس جو لباس ان شرعی حدود میں ہوگا وہ شرعی لباس کہلائے گا ورنہ خلاف شرعی ہوگا، وہ حدود یہ ہیں

- 1- لباس اتنا چھوٹا، باریک یا چست نہ ہو کہ وہ اعضاء، خواہ سوجائیں جن کا چھپانا واجب ہے، بلکہ لباس ایسا ہونا چاہیے کہ جس سے مکمل طور پر ستر پوشی ہوتی ہو۔
- 2- لباس میں کافروں اور فاسقوں کی نقالی اور تشبہ اختیار نہ کریں۔
- 3- جس لباس سے تکبر و تفاخر اور اسراف و تمہم مترشح ہوتا ہو اس سے اجتناب کریں۔

- 4- مال دار شخص اتنا گھٹیا لباس نہ پہنے کہ دیکھنے والے اسے مفلس سمجھیں۔
- 5- اپنی مالی استطاعت سے زیادہ قیمت کے لباس کا اہتمام نہ کریں۔
- 6- مرد شہوار، تہبند اور پانجامہ وغیرہ اتنا نیچا نہ پہنیں کہ ٹخنے یا ٹخنوں کا کچھ حصہ اس

میں چھپ جائے۔

- 7- مردوں کے لیے اصلی ریشم کا لباس پہننا حرام ہے۔
- 8- مرد زمانہ لباس اور عورتیں مردانہ لباس نہ پہنیں۔
- 9- لباس صاف ستھرا ہونا چاہیے، مردوں کے لیے سفید لباس زیادہ پسند کیا گیا ہے۔
- 10- خالص سرخ لباس پہننا مردوں کے لیے مکروہ ہے، البتہ کسی اور رنگ کی آمیزش ہو یا سرخ دھاری دار ہو تو مضائقہ نہیں۔

لباس کے بنیادی اصول:

قرآن کریم اور ذخیرہ احادیث میں تتبع و تلاش سے بعد، لباس کے متعلق جو بنیادی اصول

ماتے ہیں وہ لباس کی شرعی حدود ہیں، ان سے تجاوز نہیں ہونا چاہیے اور جو لباس ان شرعی حدود میں ہو گا وہ شرعی لباس کہلائے گا۔ اللہ تعالیٰ نے لباس کے بنیادی اصول بتلاتے ہوئے ارشاد فرمایا

﴿بِئْسَ لِيَ إِدْمٌ فَدَأْسٌ عَلَيْكُمْ نَسَاسُ يَوْمِي سَوَانَكُمْ وَرِيثُ

وَسَاسٍ اتَّقُوا دَلِيلَ حَبِيرٍ﴾ (سورة الأعراف : ۲۶)

”اے بنی آدم! ہم نے تمہارے لیے ایسا لباس اتارا جو تمہاری پوشیدہ اور شرم کی چیزوں کو چھپاتا ہے اور جو تمہارے لیے زینت کا سبب بنتا ہے اور تقویٰ کا لباس تمہارے لیے سب سے بہتر ہے۔“

معلوم ہوا کہ لباس ایسا ہونا چاہیے جو ستر کو اچھی طرح چھپائے اور اس سے قدرے زینت حاصل ہو۔

اسراف اور تکبر سے بچنا چاہیے:

لباس اپنی مالی استطاعت کے مطابق ہونا چاہیے، مالی استطاعت سے بڑھ کر فخر و نمائش اور تکلف کا اہتمام کرنا درست نہیں اور اس میں اسراف کرنا ناجائز ہے، چنانچہ حضور ﷺ کا بڑا اصولی ارشاد ہے:

”كلوا والبسوا، وتصدقوا في غير اسراف ولا محيلة، اي

کھریا۔“ (اخرجه البخاری فی اللباس : ۲۳/۴)

جناب رسول اللہ ﷺ نے یہ ارشاد فرمایا کہ کھاؤ، پیو، صدقہ کرو، البتہ اسراف اور تکبر سے اجتناب کرو۔

”وقال اس عساس رصى الله عسهما : كل ما شئت والنس ما

شئت ، ما اخطا انت انتان ، سرف او مخيلة .“

(انظر الاثر فی صحيح البخاری : ۲۳ ۴)

”جو چاہا ہو کھاؤ، جو چاہا ہو پیو، لیکن دو چیزوں سے اجتناب کرو، ایک اسراف دوسرا تکبر۔“

حدیث شریف کا مطلب یہ ہے کہ جس طرح کا کپڑا چاہا ہو پیو، تمہارے لیے جائز ہے، لیکن اس میں اسراف نہ ہو اور اسراف اسی وقت ہوتا ہے جب آدمی اپنی حیثیت سے بڑھ کر نمائش کے لیے کپڑا پہنتا ہے اور جس کے پہننے سے تکبر پیدا ہوتا ہے اس لیے اس سے بچنا ضروری ہے۔

دل خوش کرنے کے لیے قیمتی لباس پہننا:

اسراف اور نمائش سے بچتے ہوئے اپنا دل خوش کرنے کے لیے قیمتی لباس پہننا جائز ہے، یعنی ایسا لباس پہننا جس سے جسم کو راحت اور آرام حاصل ہو اور ساتھ ساتھ تھوڑا سا آسائش کا مقصد بھی حاصل ہو، اس میں کوئی حرج نہیں، جائز ہے، مثلاً پتلا لباس پہن لے اس خیال سے کہ جسم کو آرام ملے گا یا دل کو خوش کرنے کے لیے زیبائش کا لباس پہن لے یا کوئی پسندیدہ قیمتی کپڑا پہن لے، ان سب میں وسعت اور گنجائش ہے اور یہ اسراف میں داخل نہیں ہیں۔

فَالْعَلَامَةُ الصَّالِحَةُ حِفْظُ اللَّهِ تَعَالَى، وَمَعَايُوكَدُّ أُنْ التَّزْيِينِ
وَالْتَّحَمِلُ مَطْلُوبٌ، وَإِنَّ لِبَاسَ مَنْ اِكْتَرِيَا الَّذِي يَهِي عَمَهُ الْاِسْلَامَ، مَا
رَوِي فِي الصَّحِيحِ عَنْهُ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّهُ قَالَ: لَا يَدْخُلُ الْجَنَّةَ
مَنْ كَانَ فِي قَلْبِهِ مِثْقَالُ ذَرَّةٍ مِنْ كِبَرٍ، قَالُوا يَا رَسُولَ اللَّهِ! إِنْ أَحَدًا
يَحِبُّ أَنْ يَكُونَ ثَوْبَهُ حَسَنًا، وَبَعْلُهُ حَسَنَةً قَالَ إِنْ اللَّهُ جَمِيلٌ يَحِبُّ
الْجَمَالَ، الْكِبَرُ بَطَرُ الْحَقِّ، إِي عَدَمُ قَبُولِ الْحَقِّ وَعَمَطُ النَّاسِ، إِي
اِحْتِقَارُهُمْ وَارْتِدَائُهُمْ. (أَخْرَجَهُ مُسْلِمٌ رَقْمَ ۹ فِي كِتَابِ الْإِيمَانِ)

چنانچہ علامہ صابونی فرماتے ہیں کہ شرعی دائرہ میں رہ کر زیب و زینت حاصل کرنا یہ تکبر میں داخل نہیں، صحیح بخاری میں روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جس کے دل میں رائے کے دانہ کے برابر کبر ہو گا وہ جنت میں داخل نہ ہوگا، صحابہؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ ہم میں سے کوئی اس بات کو پسند کرتا ہے کہ اس کا لباس عمدہ ہو جو تا عمدہ ہو کیا یہ بھی کبر میں داخل ہے تو ”آپ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ جمیل ہیں جمال کو پسند کرتا ہے کبر یہ ہے کہ حق بات کو قبول نہ کرنا اور لوگوں کو حقیر جاننا اور ان کے ساتھ تو جین آمیز رویہ رکھنا۔

ٹخنے چھپانا مطلقاً جائز نہیں:

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ ”جو شخص اپنے کپڑے کو تکبر کے ساتھ نیچے تھیسے تو اللہ تعالیٰ قیامت کے روز اس کو رحمت کی نگاہ سے نہیں دیکھیں گے۔“

دوسری حدیث میں آیا ہے کہ ”مرد کی زیر جامہ کا جتن حصہ ٹخنوں سے نیچے ہو گا وہ حصہ جہنم میں

جائے گا۔“ (صحیح بخاری کتاب اللباس)

ان روایات سے معلوم ہوا کہ مردوں کے لیے نخنوں سے نیچے شلوار، پائے جامہ، پتلون، تہبند اور لنگی وغیرہ پہننا جائز نہیں گناہ ہے، حدیث کے مطابق اس پر دو وعیدیں ہیں، ایک یہ کہ نخنوں سے نیچے جہنم حصہ ہوگا وہ جہنم میں جائے گا اور دوسرے یہ کہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ ایسے شخص کی طرف رحمت کی نگاہ سے نہیں دیکھے گا، اس لیے اس گناہ بے لذت سے بچنا نہایت ضروری ہے۔

تکبر نہ ہو تو تب بھی ٹخنے چھپانا حرام ہے

بعض لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ نخنوں سے نیچے شلوار وغیرہ لٹکانا اس وقت ناجائز ہے جب کہ یہ تکبر کی وجہ سے ہو اور اگر تکبر نہ ہو تو پھر اس میں کوئی حرج نہیں، کیونکہ جب حضور ﷺ نے یہ ارشاد فرمایا کہ ”ازار کو ٹخنے سے نیچے نہ کرو“ اس پر حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے عرض کیا یا رسول اللہ! میرا ازار بار بار ٹخنے سے نیچے ڈھلک جاتا ہے، میرے بے اوپر رکھنا مشکل ہوتا ہے، میں کیا کروں؟ تو اس پر حضور ﷺ نے فرمایا کہ تمہارا ازار جو نیچے ڈھلک جاتا ہے، یہ تکبر کی وجہ سے نہیں ہے بلکہ تمہارے مذر اور مجبوری کی وجہ سے ڈھلک جاتا ہے اس لیے تم ان میں داخل نہیں۔“

(ابو داؤد، کتاب اللباس)

اس واقعہ سے لوگ سمجھتے ہیں کہ اگر تکبر نہ ہو تو اس میں کوئی حرج نہیں جائز ہے۔

فقہاء کرام رحمہ اللہ کا صحیح قول:

اس سلسلہ میں رسول اللہ سے دو قسم کی روایات آئی ہیں، ایک وہ جن میں کپڑوں کو نخنوں سے نیچے لٹکانا تکبر وغیرہ کی کسی قید کے بغیر بھی ناجائز اور موجب عذاب بتلایا گیا ہے، دوسری قسم کی وہ روایات ہیں جن میں کپڑوں کو نخنوں سے نیچے تکبر کے ساتھ لٹکانے کی حرمت آئی ہے، اس لیے بعض فقہاء نے اس مسئلہ میں یوں تفصیل کی ہے کہ اگر تکبر کی وجہ سے نیچے لٹکائے تو مکروہ تحریمی ہے، اور تکبر کے بغیر لٹکائے تو مکروہ تنزیہی ہے۔

لیکن علماء محققین کا صحیح قول یہ ہے کہ تکبر ہو یا نہ ہو ہر حال میں کپڑے نخنوں سے نیچے کرنا مکروہ تحریمی ہے، ہاں تکبر کی وجہ سے ایسا کرے گا تو گناہ زیادہ ہوگا، ورنہ گناہ کم ہوگا اور اس سے تمام روایات نے درمیان تطبیق بھی ہو جاتی ہے۔

(تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو فتح الباری / حافظ ابن حجر مسند فی رحمہ اللہ ۱۰/۲۶۴ کتاب

اللباس، امام اہل فتویٰ حیدرآباد، ناشر فی تہذیبی رسالہ ص ۱۱۹

اور جہاں تک حضرت صدیق ہر بنی اللہ عنہ و اجازت ملنے کا تعلق ہے تو اس پر دوسرا کو قیاس کرنا درست نہیں کیونکہ ان کو جو اجازت دی گئی تھی وہ ایب مہربانی کی وجہ سے دی گئی تھی وہ مجبوری یہ تھی کہ ان کے جسم کی بناوٹ ایسی تھی کہ ارادہ کے بغیر جی بار بار اس کا ازار خود بخود نیچے ڈھلک جاتا تھا، اس لیے ان کو بوجہ مجبوری اجازت دی گئی تھی۔

نیز تکبر کا متحقق ہونا ایب مرغی اور پوشیدہ معاملہ ہے اور اس کا پتہ مانا وئی آسان کام نہیں ہے کہ تکبر کہاں ہے اور کہاں نہیں ہے، جب کہ بعض اوقات اس تکبر میں بتا، شخص کو بھی پتہ نہیں ہوتا کہ وہ تکبر کی حالت میں ہے، اس لیے اس سے بچنے کا واحد راستہ یہ ہے آدمی ننگے سے اوپر کپڑا پہنے اور تکبر کی جڑ ہی ختم کر دی جائے۔

قال الصابوسی حفظہ اللہ تعالیٰ ویسعی ألا یصلی الإنسان النوب

أو العباءة، بحيث یجرهما علی الارض، فما راد علی الکعبین، فإنه

مکروه، بل محرم إن کان علی سبیل الخیلاء، وجره علی الارض

کرا، یسب مقت اللہ وعصبه، فقد قال البیہ صلی اللہ علیہ وسلم:

"لا ینظر اللہ یوم القیامة إلی من جر ثوبه خیلاء" ای رہو او نکرا!

(أخرجه البخاری ۲۴/۴، والترمذی رقم ۱۷۳۰ فی اللباس)

وقال صلی اللہ علیہ وسلم: "ما أسفل من الکعبین من الارار،

ففی النار." أي صاحبه فی النار.

(أخرجه البخاری فی کتاب اللباس)

وسمع أبوبکر رضى اللہ عنه الرسول صلی اللہ علیہ وسلم یقول:

"من جر ثوبه خیلاء، لم یطر اللہ إلیه یوم القیامة، فقال أبوبکر یا

رسول اللہ: إن أحدی شقی إراری یستر حی - أي یسقط أحيانا علی

الأرض - إلا أن أتعاهد دلیث مه!! فقال له رسول اللہ صلی اللہ علیہ

وسلم: لست ممن یصنعه خیلاء (صحیح البخاری ۲۳/۴)

فإد سقط الرداء علی الارض دون قصد، فلا إثم فیہ، ولا

مؤاحدہ علیہ، إباحا العموم، والمحرّم، أن يحرقه على الأرض تكبر
واستعلاء والكساء، حذو، كذا، في حذو، في
”عصمه ربي، كبر، ردائي، فمیں، ربي، حذو، حذو، حذو،
في حذو“

(أخرجہ مسلم رقم: ۲۶۲۰ و ابو داؤد رقم ۴۰۹۰ فی مساس)

مردوں کے لیے اصلی ریشم کا حکم:

مردوں کے لیے اصلی ریشم کا لباس پہننا حرام ہے۔

فقد ثبت عن النبي صلى الله عليه وسلم أنه صعد محبراً في
أحدى يديه حرير، وفي الأخرى ذهب، ثم قال: إن هذين حرامان على
ذكور امتي. (أخرجہ ابو داؤد رقم ۴۰۵۷ باسماد حسن)

یعنی ایک مرتبہ رسول اللہ ﷺ منبر پر تشریف لائے اس حال میں کہ ایک ایف دست مبارک
میں ریشم تھا دوسرے میں سونا پھر ارشاد فرمایا کہ یہ دونوں چیزیں میری امت کے مردوں پر حرام
ہیں۔

وفی رواية الترمذي عن أبي موسى الأشعري أن رسول الله صلى
الله عليه وسلم قال: حرم لباس الحرير والذهب على ذكور امتي
وأحل لائهم (أخرجہ الترمذي رقم ۱۷۲۰ فی کتاب الساس)

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ ریشمی لباس اور سونا میری امت کے مردوں پر حرام ہے اور
عورتوں کے لیے حلال ہے۔

لہذا خالص ریشم کا لباس جس طرح بھی ہے، ریشمی گدے پر بیٹھنا، یا ریشمی رومال استعمال
کرنا، یا ریشمی تکیہ پر لیٹنا بھی حرام ہے، کیونکہ یہ عیش پرستی اور تکبر کی دلیل ہے۔

عورتوں کے لیے ریشمی لباس حلال ہے:

البتہ عورتوں کے لیے ریشمی لباس استعمال کرنا جائز ہے، اس میں کوئی گناہ نہیں ہے، جیسا کہ
اوپر کی روایات میں صراحت موجود ہے کہ عورتوں کے لیے سونا اور ریشم دونوں حلال یہ گئے ہیں
صرف مردوں پر حرام ہے، لہذا مردوں کو سونا اور ریشم کے استعمال سے اجتناب کرنا چاہیے۔ یہی حکم

چھوٹے بچوں کا بھی ہے۔ ان سے یہ جی سونے چاندی کا استعمال حلال نہیں، ماں باپ اور عزیز واقارب کو اس کا خیال رکھنا ضروری ہے کہ بچوں کو سونے، چاندی کے زیورات وغیرہ استعمال نہ کروائیں۔

افضل لباس کونسا ہے؟

لباس وہ افضل ہے جو سہ کو زیادہ چھپائے، چونکہ شلوار، کرتا، (جب) زیادہ ستر ہے اس سے اس کو زیادہ پسند کیا گیا ہے نیز ”لباس صاف ستھرا ہونا چاہیے اور مردوں سے یہ سفید رنگ کا لباس زیادہ پسندیدہ ہے۔“

چنانچہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ سفید رنگ کے کپڑے پہنو، اس سے کہ مردوں کے لیے سب سے اچھے کپڑے سفید رنگ کے ہیں اور اپنے مردوں کو بھی سفید کفن دو۔“ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ حضور ﷺ نے مردوں کے لیے سفید رنگ کا لباس پسند فرمایا، تاہم دوسرے رنگ کے کپڑے پہننا بھی شرعاً جائز ہیں، چنانچہ بعض اوقات حضور اکرم ﷺ سے سفید رنگ کے علاوہ دوسرے رنگ کے لباس پہننا بھی ثابت ہے۔ تاہم زیادہ تر آنحضرت ﷺ سفید کپڑے زیب تن فرماتے تھے، لہذا جو شخص اتباع کی نیت سے سفید لباس پہنے گا تو اس کو اتباع سنت کا ثواب ملے گا۔

وفی فقہ المعاملات قال : أفصل لباس الرجال : القميص
والسراويل ، والقميص هو : الثوب الذي يلبسه أهل الحجار ، وهو
لباس رسول الله صلى الله عليه وسلم ، فقد روي الترمذي في مسنده ،
عن أم سلمة زوج النبي صلى الله عليه وسلم ، أنها قالت : ” كان
أحب الثياب إلى النبي صلى الله عليه وسلم القميص “ أي الثوب
الأيض السابغ . والأفضل في الثياب أن تكون بيضاء ، لأنها لباس
أهل الجنة ، وإشارة إلى صفاء العقيدة وبياض القلب ، فالمؤمن
طيب ، وكلامه طيب ، وعمله طيب ، وقد أشار صلى الله عليه وسلم
إلى اختيار الأبيض من اللباس فقال صلى الله عليه وسلم ” إلبسوا
من ثيابكم البياض ، فإنها من خير ثيابكم ، وكفوا منها موتاكم “

روایت ترمذی رقمه (۹۹۴)

وفي رواية حسنة "سنة ستين، فيها شهر حبيب،
وكتب فيها مائة"

(رواه النسائي ٢٥٠٨، وإحاطكم في المستدرک: ١٨٥٠٤)

خالص سرخ لباس پہننا مردوں کے لیے جائز نہیں:

خاص سرخ بس پہننا مرد کے لئے جائز نہیں، اسی طرح ایسے پٹے جو عورتوں کے ساتھ مخصوص سمجھے جاتے ہیں، ایسے کپڑے پہننا بھی مردوں کے لئے جائز نہیں، کیونکہ اس میں عورتوں کے ساتھ تشبہ ہو جائے گا اور یہ تشبہ بھی ناجائز ہے۔

فقد روي سحاري رحمه الله عن ابن عباس قال : عن رسول الله صلى الله عليه وسلم المخشيش من الرجال ، والمترجلات من النساء . (أخرجه البخاري رقم : ٥٨٨٦)

رسول اللہ ﷺ نے لعنت فرمائی ایسی عورتوں پر جو مردوں کی مشابہت اختیار کرے اور ان مردوں پر جو عورتوں کی مشابہت اختیار کرے۔

وفي رواية أخرى: "لعن رسول الله صلى الله عليه وسلم المتشبهين من الرجال بالنساء، والمتشبهات من النساء بالرجال. والمخنثون: جمع مخنث، وهو من يتشبه من الرجال بالنساء في حركاته، وكلامه، وثيابه، ذلك لأن لكل من الرجل والمرأة، خصائص ومزايا حصه الله عروجل بها، في شكله وهيئته، وكلامه، فالمرأة مغطورة على العومة، واللطافة، والحياء، فإذا خلعت لباس الحياء، وتشبهت بالرجل في لباسها وهيئتها وكلامها، فقد خرجت عن أصل العطره؟ كما أن الرجل إذا نحت فتشبه بالمرأة، فقد تحلى عن رجولته، وحالف نظام العطرة فاستحق الحري والعقوبة، وقد جاء في صحيح مسلم عن رسول الله صلى الله عليه وسلم أنه قال: "صنفان من أهل النار لم أرهما. قوم معهم سياط كأذناب البقر

، قصرہا نہا الدس ، ، ساء اناسہ حررات ، مملات مملات
 رؤسہم ، ائسمہ الحب مائہ ، ائی ہفہ شعورہن حتی تکون
 عالیہ مرتفعہ کسم الحمل ، لا یدخلن الحنہ ولا یجدن ریحہ ، ،
 ریحہا لیوجد من میسرہ کذا و کذا ، ” وفی روایۃ : ” من میسرہ
 خمسائہ عام ، ” (مسلم رقم : ۲۱۲۸)

وہذا الحدیث من معمراتہ صلی اللہ علیہ وسلم حدث أخر عن
 أمیر عسبہ ، حدث کما أخر عنها صوات اللہ و سلامہ علیہ ، من
 و حود صسمہ ، ، ضہر ، مکشف و المعری من اساء ، حیث فقد
 احیاء ، و أصحح المرأۃ من ملابس رقیقہ ، لا تسر عورہ ، و تنص
 فی إعراء الرجال ، بأنواع الفتنة و الإعراء ، من لیس الصبق ، و تقصر
 اثیاب ، و کشف الدراعین و الصدر ، و إبرار السہود ، و تصفیف شعر
 رأسہا حتی یصح عایا کسام الحمل ، و هو المرتفع فوق صہرہ ،
 ولا حول ولا قوۃ إلا باللہ !

مذکورہ بالا عبارت کا خلاصہ یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ایسے مردوں پہ لعنت فرمائی جو حرکات ،
 سکنات ، لباس ، پوشاک ، چال چلن وغیرہ میں عورتوں کی مشابہت اختیار کرے اس طرح ان عورتوں
 پہ بھی لعنت فرمایا جو کسی چیز میں مردوں کی مشابہت اختیار کرے ، نیز رسول اللہ ﷺ نے ارشاد
 فرمایا کہ دو قسم کے انسان جہنمی ہیں۔ لیکن میں نے اپنے زمانہ میں ان کو نہیں دیکھا (یعنی آئندہ زمانہ
 میں ایسے لوگ پیدا ہونگے) کچھ لوگ ہونگے ان کے پاس گائے کی دم کی مانند کوڑے ہونگے ، اس
 سے لوگوں کو ماریں گے ، بعض عورتیں ایسی ہونگی جو بظاہر تو لباس پہنے ہوئے ہونگی (لیکن لباس
 شریعت کے مطابق نہ ہونگی وجہ سے) وہ نکلی ہی شمار ہونگی ان کی صفات یہ ہونگی کہ وہ لوگوں کو اپنی
 طرف مائل کرنے والی اور لوگوں کی طرف خود مائل ہونے والی ہونگی اور ان کے سروں کے بال بختی
 اونٹ کے کوہان کی طرح ہونگے ، ایسی عورتیں جنت میں داخل بھی نہیں ہونگی اور ان کو جنت کی
 خوشبو بھی نہیں ملے گی جبکہ جنت کی خوشبو پانچ سوئل کے فاصلہ جنتی محسوس کریں گے۔ (مسلم)
 لہذا مردوں کو اپنی وضع مردانہ میں رکھنا چاہئے ، اور عورت کو اپنی وضع زنانہ رکھنا چاہئے ۔

مردوں کا لباس اور شکل و صورت میں زنانہ پن اختیار کرنا اور عورتوں کا مردانہ پن ڈھال اختیار کرنا جائز نہیں، باعث حنت ہے، اس لئے اس سے اجتناب ضروری ہے۔ نیز خاص سرخ لباس سے اجتناب کرنا چاہیے۔

سرخ دھاری دار لباس پہننا جائز ہے:

خاص سرخ لباس پہننا تو مردوں کیلئے جائز نہیں لیکن کسی اور رنگ کی آمیزش ہو تو وہ جائز ہے کسی طرح سرخ رنگ سے دھاری دار پیرے پہننا بھی مردوں کیلئے جائز ہے، چنانچہ آنحضرت ﷺ سے سرخ دھاری دار جوڑے اور چادریں پہننا ثابت ہے۔ (صحیح بخاری، کتاب اللباس)

مردوں کیلئے کس رنگ کا کپڑا ممنوع ہے:

عصفر اور زعفران سے رنگا ہوا کپڑا مردوں کو استعمال کرنا مکروہ تحریمی ہے، اگر کوئی رنگ بعینہ عصفر یا زعفران کے رنگ جیسا ہو مگر خود عصفر یا زعفران کا رنگ نہ ہو تو اس کا استعمال جائز ہے، نفس عصفر و زعفران کے رنگ کے سوا باقی سب رنگ جائز ہے۔ البتہ احمر قانی میں اختلاف ہے، مختلف اقوال میں سے ایک قول استحباب کا بھی ہے، مگر ترجیح کراہت تنزیہیہ کے قول کو ہے البتہ سر پر پگڑی وغیرہ میں بالاتفاق بیکراہت جائز ہے۔

قال فی شرح التوسیر: وکره لس المعصفر والمرعفر الاحمر والاصفر للرجال معاده انه لا یکره للنساء ولا باس بسائر الالوان وفي المجتبى والفہستانی وشرح الفایہ لابی المکارم لا باس بلس الثوب الاحمر اه. ومعاده ان الکراهۃ تریہیۃ لکن صرح فی التحفة بالحرمة فافاد انها تحریمیۃ وهي المحمل عند الاطلاق قاله المعصف فلت وللشرنلالی فیہ رسالۃ نقل فیہا ثمانیۃ اقوال مہا انہ مستحب. وقال العلامة اس عامدین رحمہ اللہ تعالیٰ: (قوله فافاد انها تحریمیۃ الح ہذا مسلم لو لم یعارضہ تصریح غیرہ بحلاف فی جامع الفتاوی قال ابو حنیفۃ والشافعی ومالك رحمہم اللہ تعالیٰ یجوز لیس المعصفر وقال جماعة من العلماء مکروہ بکراهۃ التریہ وفي منتخب الفتاوی قال صاحب الروضة یجوز للرجال والنساء

سب سے زیادہ لا حصر نہ کر رہا ہے۔ فی حدیثی برہدہ یکرہ
 سب سے زیادہ لا حصر نہ کر رہا ہے۔ فی حدیثی برہدہ یکرہ
 حرر کر۔ وغیرہ۔ کتب فی صیغہ دہ و الا فلا۔ سنہ عن حدیث کتب
 وفی مجمع فتاویٰ سب الاحمر مکروہہ۔ عند البعض لا یکرہ وہیں
 یکرہ۔ ہذا صیغہ۔ الاحمر انقادی لاہ حفظ السجس و ہذا صیغہ عشر
 الجور عسیب لا یکرہ سبہ۔ اجماعاً اہل فہدہ انفعول مع ما ذکرہ عن
 المجتہدین و فقہستانی و شرح ایامکارم تعارض لقول بکراہۃ
 التحريم ان لم یدرج توفیق بحمل التحريم علی مصروع بالسجس او
 نحو دلت (قولہ و بشریانی فیہ رسالہ) سماھا "تحفة الاكمل
 و اہمام المصدر نیان حوار سب الاحمر" وقد ذکر فیہا کثیراً من
 السقول مہما ما قدمناہ وقال لم یجد نصاً قطعياً لا ثبات الحرمة
 و وجدنا البہی عن لیسہ لعلہ قامت بالماعل من التشبه بالنساء او
 بالاعاجم او التکرر و بانتفاء العلۃ نزول الکراہۃ باحلاص البیۃ لا
 صہار بعمۃ اللہ تعالیٰ و عروص الکراہۃ للصبح بالسجس نزول بعسہ
 و وجدنا نص الامام الاعظم رحمہ اللہ تعالیٰ علی الحوار و دلیلاً
 قطعياً علی الاباحۃ و هو اطلاق الامر باحد الریۃ و وجدنا فی
 الصحیحین موضحہ و بہ تنفی الحرمة و الکراہۃ بل یشب الاستحباب
 اقتداء بالنبی صلی اللہ علیہ وسلم اھ و من اراد الریادۃ علی دلت فعلیہ
 بہا، اقول و لکس جل الکتاب علی الکراہۃ کالسراج و المحيط
 و الاحتیار و الملتقی و الدحیرۃ و غیرھا و بہ افتی العلامة قاسم و فی
 الحاوی الزاہدی و لا یکرہ فی الرأس اجماعاً۔

(ردالمحتار : ۵/۲۲۸) (احسن الفتاویٰ : ۸/۶۲)

سیاہ رنگ کے کپڑے کا حکم:

مرد اور عورت کیلئے سیاہ کپڑا پہننے کا کیا حکم ہوگا جبکہ بعض لوگ اسکو ناپسند کرتے ہیں اور کہتے

میں چونکہ حضور سنیچر کی تائی مٹی تھی اس کے سیاہ پنہا پہننا مستحب کی بات ہے۔ لیکن ماہرے لوگوں کا یہ خیال صحیح نہیں، حضور سنیچر نے مختلف رنگوں کا لباس استعمال فرمایا ہے، سفید رنگ سب سے زیادہ پسند تھا، خیال مذکور بنیاد پر تو ہر رنگ کا لباس ممنوع یا خلاف ادب ہو جائے گا۔ لہذا ممنوع رنگوں کے سوا ہر رنگ کا لباس جائز ہے، بلکہ حضور آرم سنیچر سے محبت اور جذبہ اتباع کا تقاضہ تو یہ ہے کہ جو چیز آپ سنیچر کو پسند تھی اسے اختیار کیا جائے، البتہ لباس میں سیاہ رنگ چونکہ شرعاً، عقلاً، طبعاً پسندیدہ ہے اس کے سیاہ لباس نہیں پہننا چاہئے بالخصوص اس زمانہ میں شعار شیعہ ہونے کی وجہ سے اس سے احتیاط لازم ہے۔ واللہ سبحانہ و تعالیٰ اعلم

(ماخوذ از احسن الفتاویٰ ۸/ ۶۴)

پینٹ شرٹ پہننا:

پینٹ شرٹ پہننے کا رواج اور شیوع دنیا بھر میں اتنا زیادہ عام ہو گیا ہے کہ اب اس میں تشبہ (جو کہ شرعاً ممنوع ہے) کی شان مغلوب ہو گئی ہے، اس لئے اس کا پہننا حرام تو نہیں ہے، البتہ یہ بات ضرور ہے کہ پینٹ شرٹ صالحین کا لباس نہیں ہے بلکہ کافروں کا چلایا ہوا لباس ہے اور اس کے پہننے سے انگریزوں کے ساتھ کچھ نہ کچھ مشابہت ہو جاتی ہے اس لئے پینٹ شرٹ کا پہننا ناپسندیدہ ہے، حتیٰ الامکان اس لباس سے پرہیز کرنا چاہیے۔

یہ تفصیل اس لباس کے بارے میں ہے جس سے واجب الستر اعضاء کی بناوٹ اور حجم نظر نہ آتا ہو، اگر پتلون اتنی چست اور تنگ ہو تو اس سے اعضاء کی بناوٹ اور حجم نظر آتا ہو جیسا کہ آج کل ایسی پتلون کا کثرت سے رواج ہو گیا ہے تو اس کا پہننا اور لوگوں کو دکھانا اور دیکھنا سب حرام ہے جیسا کہ نگے آدمی کو دیکھنا حرام ہے۔ اس لئے ایسے پتلون پہنے ہوئے شخص کے ستر کے حصہ کی طرف غور سے نہ دیکھا جائے نیز ان کو اعضاء کو چھپانے والے لباس اپنانے کی تلقین کی جائے۔

قال العلامة اس عابدیس رحمہ اللہ تعالیٰ: (قوله ولا یضر

التصافہ) ای بالابیۃ مثلاً وقوله ونشکھ من عطف المسبب علی

السبب، عبارة شرح المیۃ اما لو کان عبطاً لا یری مہ لون الشرة

الا انه التصق بالعصو ونشکل بشکله فصار شکل العصو مرئیا فیسمی

ان لا یمسح حوار الصلوة لحصول الستر اھ قال ط وانظر هل یحرم

النظر إلى ديت المنسك مصفاة حث و حدث الشهود هـ فب
 مستكم عبي ديت هي كـ ب احضر و بدني بطهر من كـ لا مهم هـ
 هو الاول . (ردالمحتار : ۱ / ۲۷۵)

وقال أيضا و عبي هـ لا يحل النظر إلى عورة غيره فوق بـ
 ملترق بها يصف حجمها فحمل ما مر على ما إذا لم يصف حجمها
 فبمائل . (ردالمحتار : ۵ / ۲۳۴)

طلباء اور ملازمین کیلئے پینٹ شرٹ کی پابندی:

بعض تعلیمی ادارے اور سرکاری دفاتر میں، طلباء اور ملازمین کیلئے پینٹ شرٹ کو یونیفارم کے طور پر اپنانے کی پابندی ہے، اور یہ طریقہ شرعاً درست نہیں، تعلیمی ادارے اور دفاتر کے ذمہ داروں کو چاہیے کہ وہ یہ ضابطہ ہرگز نہ بنائیں، طلباء اور ملازمین کو اس نا پسندیدہ لباس کے پہننے پر مجبور نہ کریں بلکہ شلوار قمیض جو قومی لباس ہے اور اسلامی اعتبار سے بھی یہ لباس صحیح ہے اس کو اپنانا چاہئے۔ لیکن اس کے باوجود اگر کسی کو تعلیم یا ملازمت وغیرہ کی مجبوری کی وجہ سے اس کو پہننا پڑے اور دل میں اس کو اچھا نہ جانے تو اس وقت بوجہ مجبوری اس کے پہننے کی گنجائش ہے۔ لیکن یاد رہے اس وقت پتھون ایسا ڈھیلہ بنایا جائے کہ اعضاء کو اچھی طرح چھپائے۔ نیز ٹخنے سے اوپر رہے ٹخنے سے نیچے لٹکانا اس صورت میں بھی جائز نہیں۔

چاندی کے تار والا کپڑا:

زری دار کپڑے جن کی بنائی میں چاندی کا تار استعمال ہوا اسکے استعمال کا حکم یہ ہے کہ عورتوں کے لئے مطلقاً جائز ہے۔

مردوں کیلئے ریشم یا سونے چاندی کے تار سے بنا ہوا یا کڑھائی والا کپڑا اس شرط سے جائز ہے کہ پٹی یا پھول کی چوڑائی چار انگلیوں سے زائد نہ ہو، لبائی میں کوئی تحدید نہیں، ایسی پٹیاں یا پھول متعدد ہوں تو ان کے جواز میں یہ شرط بھی ہے کہ ان کے درمیان پٹی یا پھول کی چوڑائی سے زیادہ فاصلہ ہو، اگر فاصلہ برابر یا کم ہو کہ دیکھنے میں پورا کپڑا ہی ریشمی یا زری دار نظر آتا ہو تو جائز نہیں۔

سحائل علی المذهب و فی حرب علی رجل لا حره لا مع
اصابع مصمومه و کذا المسوح بذهب بجلد کذا مع سقط
والا لا .

وقال العلامة انحصکفی رحمه الله تعالی و صهر مذهب عدم
جمع المتفرق ولو فی عمامة کما بسط فی القنیة .

وقال العلامة اس عاندیں رحمہ اللہ تعالیٰ سح (قوله الا قدر
اربع اصابع الح) و هل المراد قدر الاربع اصابع صولا و عرصا بان لا
یرید طول العلم و عرصه علی دلت او المراد عرصه فقط و ان راد
طوله علی طولها المتبادر من کلامهم الثانی و یصد بصا ما سیاتی فی
کلام الشارح عن الحاوی الزاهدی .

(قوله و طاهر المذهب عدم جمع المتفرق) ای لا اذا کان حط
مہ قزا و حط مہ غیرہ بحیث یری کلہ قرا فلا یجوز کم سید کرہ
عن الحاوی و مقتضاه حل الثوب المنقوش بالحریر نصیرا و سحاً
اذا لم تبلغ کل واحدہ من نقوشه اربع اصابع و ان رادت بالجمع ما لم
یر کلہ حریرا تأمل . (رد المحتار: ۵/۲۲۴)

مصنوعی ریشم کا حکم:

سوال: آج کل مختلف قسم کے کپڑے مروج ہیں، جن میں سے بعض کے بارے میں مشہور ہے کہ یہ ریشمی ہے اسی طرح جو رومال کندھے پر رکھنے کا معمول ہے اسکی بھی ایک قسم ریشمی مشہور ہے۔ کیا عرف میں اس قسم کے کپڑے اور رومال کے ریشمی ہونے کا اعتبار کر کے مردوں کیلئے اسکو حرام کہا جائے گا؟ اس کا جواب یہ ہے کہ چونکہ آج کل عموماً مصنوعی ریشم استعمال ہوتا ہے اس لئے اسکا استعمال جائز ہے، اگرچہ عرف میں اسکو بھی ریشم کہتے ہیں ہاں اگر کسی کپڑے کا اصلی ریشمی ہونا ثابت ہو جائے تو اسکا استعمال مردوں کیلئے ناجائز ہوگا بچنا لازم ہوگا۔

محارم کے سامنے بناؤ سنگار کرنا:

حضرت مفتی رشید احمد صاحب رحمہ اللہ نے فرمایا کہ عورت اپنے محارم مثلاً باپ اور بھائیوں

کے سامنے بناؤ سنگار کر کے بیٹھے یا ان کے ساتھ سفر کرے یہ امر فی نفسہ جائز ہے۔ مگر اس زمانے میں قلوب میں فساد غالب ہے اور نفی وی اور وی سی آر کی لعنت نے اخلاقی اقدار کو بالکل پامال کر دیا ہے، بے حیائی اور بے باکی اس حد تک پہنچ چکی ہے کہ باپ کے اپنی بیٹی کے ساتھ اور بھائیوں کے اپنی بہنوں کے ساتھ منہ کالا کرنے کے واقعات پیش آرہے ہیں، اس لئے شوہر کے سوا کسی بھی محرم کے سامنے بناؤ سنگار کر کے آنا خطرے سے خالی نہیں، اس سے احتراز ضروری ہے۔

مسنون لباس:

مسنون لباس کونسا ہے؟ اور کس لباس کو مسنون لباس کہا جائے گا۔ اسکو سمجھنے کیسے ضروری ہے کہ پہلے یہ سمجھ لیا جائے کہ سنت کے کتے ہیں؟

سنت کی تعریف:

فقہاء کرام نے سنت کی مشہور تعریف ان الفاظ میں فرمائی ہے

الطريقة المسلوكة في الدين من غير وجوب ولا افتراض ،
ومعنى الطريقة المسلوكة : ما واطب عليه النبي صلى الله عليه وسلم
ولم يترك الا سادرا ، أو واطب عليه الصحابة رضي الله عنه كذلك ،
كصلاة التراويح ، فإن تعلقت بتركها كراهة وإساءة ، فهي سنة
الهدى ، وتسمى سنة مؤكدة أيضا ، كالأذان والجماعة ، وسنن
الراوتب ، كسنة الفجر والظهر والمغرب وإن لم يتعلق بتركها
كراهة أو إساءة ، تسمى سنن الزوائد والغير المؤكدة ، فتارك
المؤكدة يعاتب ، وتارك الزوائد لا يعاتب .

(رد المحتار : ۱/۱۰۲ و کشاف اصطلاح الفنون ، والتعريفات للزمخشري ،

والتعريفات الاصطلاحی ، والقاموس الفقہی ، مادة السنة)

خلاصہ اس کا یہ ہے کہ ”سنت“ کہا جاتا ہے کہ فرض و واجب کے سوا وہ طریقہ جو دین میں رائج

ہو، اور اس پر آپ کے بعد خلفاء راشدین نے مواظبت کی ہو۔

سنت کی اقسام:

سنت کی دو قسمیں ہیں:

(۱) پہلی قسم وہ ہے جسے آپ ﷺ نے عبادت کے طور پر کیا ہو، اس کو "سنت موکدہ" یا "سنت بدی" کہا جاتا ہے، جیسے نماز باجماعت، اذان، اقامت، فجر، ظہر، مغرب و عشاء، کی سنن رواتب، اور اس کا حکم یہ ہے کہ اس کو کرنے کی تاکید آئی ہے، اور اس کا چھوڑنا گمراہی اور قابل ملامت ہے۔

(۲) دوسری قسم وہ ہے جسے آپ ﷺ نے عبادت کے طور پر نہ کیا ہو، بلکہ اپنی عادت مبارکہ کے طور پر وہ آپ سے صادر ہوئی ہو، وہ "سنت عادیہ" ہے اور اسے "سنت زائدہ" بھی کہا جاتا ہے جیسے اونٹ پر سواری کرنا، تہبند باندھنا، منقش یمنی شال استعمال کرنے کیسے پسند کرنا، مخصوص وضع کا لباس پہننا، مخصوص انداز سے بیٹھنا، عمامہ باندھنا، وغیرہ وغیرہ یہ سب چیزیں، سنت عادیہ میں سے ہیں، جسے شرعی اصطلاح میں "سنت زائدہ" بھی کہا جاتا ہے، اور اس کا حکم یہ ہے کہ اگر ان چیزوں میں آپ ﷺ کی اتباع اور پیروی مقصد ہو تو اس کے کرنے میں ثواب ہے، اور اگر ان چیزوں میں اتباع کی نیت نہ ہو، تو یہ اعمال فی نفسہ مباح کے درجہ میں ہیں، اور بلا نیت اتباع سنت (مستحب) کا ثواب نہیں ملے گا، اور نہ کرنے والے پر کوئی ملامت بھی نہیں۔

سنت کی تعریف اور اس کی اقسام واضح ہو جانے کے بعد، اب یہ بھی واضح ہونا چاہئے کہ آنحضرت ﷺ کا لباس کیسا تھا، تاکہ لباس مسنون کے تعین میں آسانی ہو سکے۔

آپ ﷺ کا لباس کیسا تھا

جبہ، کرتا، قمیص، عمامہ، ٹوپی اور منگی پہننا آنحضرت ﷺ سے ثابت ہے۔ اور شلوار کا خریدنا بھی احادیث سے ثابت ہے، بعض روایات میں پہننا بھی مذکور ہے۔ (نشر الطیب)
تاہم قمیص آپ ﷺ کو بہت پسند تھی، اور آپ ﷺ جو قمیص مبارکہ زیب تن فرماتے تھے، اس کے چند اوصاف درج ذیل ہیں:

(۱) حضرت انسؓ سے مروی ہے کہ حضور اقدس ﷺ کا پیرہن مبارکہ سوتی اور ننگ دامن و آستین والا ہوتا تھا، اور آپ کی قمیص مبارکہ میں گھنڈیاں لگی ہوتی تھیں اور قمیص مبارکہ میں سینہ پر گر بیان تھا اور یہی قمیص کی سنت ہے۔ (مدارج النبوة)

(۲) ملا علی قاریؒ نے دمیاٹی سے نقل کیا ہے کہ حضور ﷺ کا کرتہ (قمیص) سوت کا بنا

ہوتا تھا، جو زیادہ لمبا بھی نہ تھا اور اسکی آستین بھی زیادہ لمبی نہ تھی، منادی نے حضرت ابن عباسؓ سے نقل کیا ہے کہ آپ کا کریمہ (قیض) نخنوں سے اونچا ہوتا تھا، علامہ شامی نے لکھا ہے کہ پنڈلی تک ہوتا تھا (شمائل ترمذی)

(۳) حضرت اسامہؓ فرماتی ہیں کہ حضورؐ کی قیض کی آستین ہاتھ کے گئے تک ہوتی تھی۔

(شمائل ترمذی)

(۴) حضور اکرم ﷺ کی قیض کی آستین نہ اتنی تنگ تھی نہ اتنی کشادہ تھی، بلکہ درمیانی

تھی اور آستین ہاتھ کے گئے تک ہوتی تھی اور چونکہ وغیرہ پنجے تک، مگر انگلیوں سے متجاوز نہ ہوتا تھا۔

(۵) حضور ﷺ کی قیض کا ریمان سینہ پر ہوتا تھا، کبھی آپ اپنی قیض کا ریمان کھول

یا کرتے تھے، اور سینہ اطہر صاف نظر آتا تھا، اور اسی حالت میں نماز پڑھ لیتے تھے۔ (شمائل

ترمذی)

لہذا حضور اکرم ﷺ کی جیسی اور جس وضع کی قیض تھی ویسی ہی وضع اتباع کی نیت سے پہننا

موجب ثواب ہے، اور چونکہ یہ سنت عادیہ میں سے ہے، اسلئے اتباع کی نیت کے بغیر پہننے سے

ثواب نہیں ملے گا، اور نہ پہننے پر کوئی کراہت و ملامت بھی نہیں۔ (رد المحتار ۱/۱۰۳)

وقال العلامة ابن عابدین رحمہ اللہ تعالیٰ : اقول : فلا فرق بین

السفل و سسر الرائد من حیث الحکم لانه لا یکرہ ترک کل مہما ،

وایما الفرق کون الاول من العبادات والثانی من العادات ، لکن اورد

علیہ ان الفرق بین العادة والعادة هو البیة المتصممه الا حلاص کما

فی الکافی وغیرہ ، وجميع افعاله صلی اللہ علیہ وسلم مشتملة علیہا

کما بین فی محله . (رد المحتار : ۱/۱۰۳ ، باب الوضوء)

شرعی لباس:

قرآن وحدیث کی رو سے شرعی لباس کے جو بنیادی اصول اوپر بیان کیے گئے ہیں، ان کی

رعایت کرتے ہوئے جو بھی لباس اختیار کیا جائے گا وہ شرعی لباس ہوگا اور حضور اکرم ﷺ کے طرز

پر ہوگا، اس لیے اس لباس کو بھی ”لباس مسنون“ کہا جائے گا اور اس کے پہننے سے سنت کا ثواب

ملے گا۔

باس شرعی کے بیان کے سلسلے میں حکیم الامت حضرت تھانوی رحمہ اللہ ارشاد فرماتے ہیں
 "حضور ﷺ کے طرز پر ہونے کے یہ معنی نہیں کہ بالکل ویسا ہی لباس ہو جو حضور ﷺ کا تھا،
 بلکہ جس لباس کی حضور ﷺ سے اجازت ہو، وہ بھی حضور ہی کا طرز ہے اور جو اس پر ہو وہ بھی حضور
 ﷺ ہی کے طرز پر ہے۔" (تسہیل المواعظ وعط نسر ۱۲ صفحہ ۳۰۵)

حضرت مفتی محمد شفیع صاحب رحمہ اللہ لکھتے ہیں

"باس مسنون یعنی آنحضرت ﷺ کا لباس ہمیشہ کے لیے کوئی مقرر نہ تھا، بلکہ مختلف
 حالات، صیف وشت اور سفر و حضر اور دیگر طبعی اقتضات کی وجہ سے مختلف اقسام اور الوان منقوس
 ہیں، لباس سادہ ہو، زیادہ تکلف نہ ہو، وضع ایسی ہو کہ جو مسلمانوں کے امتیاز کو باقی رکھے، دوسرے
 اہل مذاہب کی وضع نہ ہو جیسا کہ کتب حدیث و شمائل کے تتبع سے ثابت ہے ان امور مذکورہ کی
 رعایت رکھتے ہوئے پھر عام طرز عمل آنحضرت ﷺ کا یہ تھا کہ لباس کی فکر میں نہ رہتے تھے، وقت
 پر جیسا میسر ہو گیا خواہ عمدہ ہو یا معمولی اسی کو استعمال فرمالیا۔"

كما في زاد المعاد ص ۳۶ جلد اول ، والصواب أن افصل
 الطريق طريق رسول الله صلى الله عليه وسلم التي سها و امر بها
 ورعب فيها و دوام عليها وهي أن هديه في اللباس ، أن يلبس ما تسير
 من اللباس من تصوف تارة و القطع تارة و الكتان تارة .

(إمداد المعتمدين : ص ۹۷۶ باب اللباس)

سونے کا بن استعمال کرنا:

مردوں کے لیے خالص سونے کا بن استعمال کرنا جائز نہیں، کیونکہ حدیث شریف میں
 مردوں کے لیے خالص سونے کا استعمال حرام ہونے کی صراحت موجود ہے، اسی طرح حضرات
 فقہاء کرام رحمہ اللہ نے بھی اس کے ناجائز ہونے کی تصریح فرمائی ہے۔

(ملاحظہ ہو امداد الفتاویٰ: ۱۲۹/۴)

(ولا يسلحى) الرجل (بذهب وقصة مطلقا إلا لحاتم ومنطقه

وحليه سيف مها) اي الفضة إذا لم يرد به التزين .

(رد المحتار باب اللباس : ۳۵۸/۶)

بٹن کھلا رکھنا جائز ہے:

اصل طریقہ تو یہی ہے کہ کرتہ اور قمیض وغیرہ کا بٹن بند رکھا جائے تاہم نرمی یا کسی اور وجہ سے کبھی کبھار کھل رکھے تو یہ بھی درست ہے، کیونکہ کبھی کبھار قمیض کا بٹن کھلا رکھنا آنحضرت ﷺ سے ثابت ہے۔ (شامل ترمذی، فتاویٰ رشیدیہ صفحہ ۴۸۰)

گریبان ایک طرف رکھنا خلاف سنت ہے:

گریبان گلے کے نیچے سینے کے درمیان میں رکھنا چاہیے جیسا کہ عام طور پر رکھا جاتا ہے، اس سے ہٹ کر سینے کے ایک طرف رکھنا جیسا کہ بعض لوگ اس طرح رکھتے ہیں، یہ خلاف سنت ہے۔

كل لباس يَكُونُ عَنِ حِلَافِ السَّيِّئَةِ يَكُونُ سَهْمًا مَكْرُوهًا وَهُوَ
مِثْلُ اثْوَابِ الْكُفَّارِ وَ اثْوَابِ الْعَسَقِ وَ الْفُجُورِ وَ اَهْلِ الْاَسْرِ وَ الْبَطَرِ مِثْلُ
الْفَرْطَقِ وَ اسْبَالِ الْارَارِ وَ تَطْوِيلِ الْكُمِّ وَ تَوْسِيعِهِ وَ الْحَبِيبِ عَلَى الْحَبَابِ
الْاَعْلَى لِلصُّدْرِ وَ سَحْوِهِ .

(التف في العناوی کتاب الالسه : ۱/۱۶۲)

ٹوپی اسلامی لباس کا شعار ہے:

عمامہ جسے اردو میں پگڑی اور قلنسوة جسے اردو میں ٹوپی کہتے ہیں، یہ دونوں قسم کے لباس خود آنحضرت ﷺ سے پہننا ثابت ہیں اور صحابہ کرام نے بھی دونوں کا استعمال فرمایا ہے، ان حضرات سے لیکر آج تک ہر زمانے میں علماء کرام اور صلحاء امت کا اسی پر عمل رہا ہے، جس پر بے شمار دلائل احادیث اور فقہ کی کتابوں میں موجود ہیں، لہذا عمامہ باندھنا اور ٹوپی پہننا مسنون ہے، البتہ یہ سنت زائدہ ہے، جس کا درجہ مستحب کا ہے، اور یہ لباس کی سنت ہے۔

ننگے سر رہنا پسندیدہ نہیں:

نماز کے علاوہ عام حالات میں بھی، عمامہ یا ٹوپی پہننا آنحضرت ﷺ اور صحابہ کرام کا معمول تھا، آج تک دیندار مسلمانوں میں یہ طریقہ چلا آرہا ہے، اسی لئے سر پر ٹوپی یا عمامہ استعمال کرنا اسلامی لباس کا شعار ہے، اور یہی اسلامی تہذیب ہے، اس کے برخلاف عام حالات میں ننگے سر رہنا ناپسندیدہ اور خلاف ادب ہے، اور یہ انگریزوں کی تہذیب ہے جو اسلامی تہذیب کے بالکل خلاف ہے، لہذا فساق اور مغربی تہذیب کی نقالی اور انگریزی تہذیب کو چھوڑ کر اسلامی تہذیب کو

اختیار کرنا چاہئے۔

شیخ عبدالقادر جیلانی رحمہ اللہ لکھتے ہیں

”سر اور بدن کا وہ حصہ جو سر میں داخل نہیں ہے، اس بارے میں باشرع اور باتہذیب نیک لوگوں کا معمول اور ان کی عادت یہ ہے کہ وہ اس کو چھپانے رکھتے ہیں، اسلئے سر کو یا بدن سے ایسے حصے کو ٹوٹوں کے سامنے کھولنا مکروہ ہے۔“ (عہ صائس ۱۳۱)

اور علامہ ابن جوزی فرماتے ہیں کہ

”عقل مند پر یہ بات مخفی نہیں ہے کہ لوگوں کے سامنے سر کھلا رکھنا ناپسندیدہ ہے جسے بری نظر سے دیکھا جاتا ہے، اور یہ ادب، مروت اور شریفانہ تہذیب کے خلاف ہے، شریعت میں صرف احرام حج میں سر کھلا رکھنے کا حکم ہے، جس کا مقصد تعبد ہے یعنی اللہ تعالیٰ کے سامنے اپنی نیاز مندی اور اپنی بندگی کا اظہار۔“ (فتاویٰ رحیمیہ ۳، ۲۶۱، و فتاویٰ رشیدیہ)

ٹوپی کے بغیر نماز پڑھنا:

ٹوپی اور پگڑی کے استعمال میں نماز اور خارج نماز کا کوئی فرق نہیں ہے، دونوں جگہ حکم برابر ہے، البتہ نماز ایک نہایت با عظمت فریضہ ہے، نماز کیلئے لباس میں زینت اور تجمل اختیار کرنے کے بارے میں کتب حدیث اور فقہ میں بہت سی ترغیب وارد ہوئی ہے، حضرات مفسرین اور فقہاء کرام نے نماز کیلئے ترین اور تجمل کو مستحب لکھا ہے، اور سر ڈھانپ کر نماز پڑھنے کو افضل فرمایا ہے، تاہم اگر کوئی شخص کسی اتفاق سے بغیر ٹوپی نماز پڑھ لے تو اس میں کوئی مضائقہ نہیں لیکن ننگے سر نماز پڑھنے کی عادت بنانا مکروہ ہے، اور اگر (نعوذ باللہ) نماز کی توہین کرنے کے ارادہ سے ٹوپی اتار کر نماز پڑھتا ہے تو یہ کفر ہے، آج کل جو لوگ ننگے سر رہتے ہیں اور ننگے سر نماز پڑھتے ہیں ان کا یہ فعل بلاشبہ مکروہ ہے اور اسلامی شعار کے خلاف ہے، جس سے ان کو بچنا چاہئے۔ (رد المحتار ۱/۶۴۱)

علامہ محمد زاہد کوثری نے لکھا ہے کہ بغیر عذر ننگے سر نماز پڑھنا رسول اللہ ﷺ سے ثابت نہیں ہے، بلکہ ننگے سر نماز پڑھنا نصاریٰ کی عادت ہے۔ (مقالات کوثری ص ۱۷۲) جب کہ نصاریٰ کے تشبہ سے بچنا ضروری ہے، کیونکہ احادیث میں غیر مسلموں کے ساتھ تشبہ اختیار کرنے سے سخت ممانعت وارد ہوئی ہے۔ (ترمذی ۹/۲) اور اس سے واضح ہوتا ہے کہ ستر اس کا حکم اگر چہ فی نفسہ مستحب کا درجہ رکھتا ہے، لیکن سر کھلا رکھنے کی صورت میں نصاریٰ کے ساتھ تشبہ کا اندیشہ ہے، اس

خاٹ سے ستر اس کا معاملہ نسبتاً زیادہ اہمیت کا حامل ہے۔

بہر حال نماز ہو یا خارج نماز ہو، ستر اس کا حکم صحیح احادیث سے ثابت ہے اور یہ اسلامی لباس کا شعار ہے، حضور ﷺ صحابہ کرام رضی اللہ عنہ، تابعین عظام اور پوری امت کے علماء و صلیحہ کا عمل اس کے مطابق چلتا آ رہا ہے، لہذا ٹوپی یا عمامہ پہننے کو اپنے لیے باعث عار سمجھنے کے بجائے اس کے پہننے کا اہتمام کرنا چاہیے۔

پلاسٹک یا چٹائی کی ٹوپی کا حکم:

نماز ایک با عظمت فریضہ ہے اس کو بڑے اہتمام کے ساتھ پاک صاف لباس پہن کر اور صاف ستھری ٹوپی سے سر ڈھک کر ادا کرنا چاہیے، ایسے خراب یا گھنیا درجہ کے یا میلے کھیلے کپڑوں میں نماز پڑھنا مکروہ ہے، جنہیں پہن کر آدمی بڑوں سے ملنے کے لیے جانے میں عار محسوس کرے، لہذا ہر نمازی کو چاہیے کہ وہ اپنے ساتھ صاف ستھری ٹوپی رکھے اور نماز میں اس کو استعمال کرے، پلاسٹک یا چٹائی کی ٹوپی استعمال نہ کرے، کیونکہ ایسی ٹوپی کے ساتھ نماز پڑھنا مکروہ ہے، مسجد کی انتظامیہ کو بھی چاہیے کہ وہ پلاسٹک یا چٹائی کی ٹوپیاں مسجد میں نہ رکھے اور نہ ایسی ٹوپیاں رکھنے والوں کی حوصلہ افزائی کرے اور اگر رکھنا بھی چاہے تو کپڑوں کی صاف ستھری ٹوپیاں رکھی جائیں اور انتظام وسیلے کے ساتھ رکھی جائیں اور جب کبھی اتفاق سے کسی نمازی کے پاس اپنی ٹوپی نہ ہو اور سر ڈھکنے کے لیے اس کے پاس کوئی بزار و مال وغیرہ بھی نہ ہو تو ایسی مجبوری کے وقت ننگے سر نماز پڑھنے سے بہتر یہ ہے کہ مسجد میں موجود ٹوپی پہن کر نماز پڑھ لے، لیکن اس کی عادت نہیں بنانی چاہیے۔ (ردالمحتار: ۱/۴۳)

وصلاته فی ثياب بدلة یلسها فی بیتہ ومہمة ای خدمة إن له

غیرها والا لا، کسر الماء الموحدة وسکون الدال المعجمة الخدمة

والابتدال، قال فی المحر ومسرہا فی شرح الوقایة لما یلسہ فی بیتہ

ولا یذهب بہ إلی الاکابر والطاهر أن الکراهة تربیہ اھ۔

(ردالمحتار: ۱/۶۴۱ مکروہات الصلاة)

ٹوپی کی کونسی قسم سنت ہے؟

حدیث شریف کے الفاظ کے مطابق ٹوپی مدور، گول ہونی چاہیے، اور بعض روایات میں

حضور ﷺ کے پاس تین طرح کی ٹوپیاں ہونا ثابت ہیں ایک قسم وہ تھی جو سرے سے ساتھ چسپی ہوئی تھی، دوسری قسم وہ تھی جو سرے سے کسی قدر اونچی ہوتی تھی، جب کہ تیسری قسم کی ٹوپی مذکورہ دونوں قسم کی ٹوپوں سے نسبتاً زیادہ بڑی اور کشادہ ہوتی تھی کہ کان بھی اس سے ڈھک جاتے تھے۔

(کتاب الوسیلہ ص ۶، ۱۱۶)

لہذا اس طرح کی ہر قسم کی ٹوپی پہننا بلاشبہ درست ہے اور ہمارے یہاں جو ٹوپیاں مروج ہیں، ان سب سے سنت ادا ہو جاتی ہے، البتہ لباس کے مطابق ٹوپی بھی عمدہ استعمال کرنی چاہیے۔

قراقلی کی ٹوپی پہننا جائز ہے:

قراقلی کی ٹوپی کی جتنی اقسام ہمارے یہاں رائج ہیں، ان سب کا استعمال جائز ہے ورنہ ان سے ٹوپی پہننے کی سنت ادا ہو جاتی ہے۔

قراقلی کی ٹوپی بنانے کے سلسلے میں اس بات کی وضاحت ضروری ہے کہ کسی حلال جانور کی کھال ہو یا حرام جانور کو حلال طریقے سے ذبح کیا جائے تو اس کا گوشت، کھال اور اس کے جسم کے دیگر سارے اجزاء پاک ہو جاتے ہیں اور اگر اس کے پیٹ سے مردہ بچہ نکلا تو وہ بھی پاک سمجھا جائے گا اور اگر زندہ بچہ نکلا تو شرعی طریقے سے ذبح کرنے کے بعد وہ بھی پاک ہو جائے گا، ان تمام صورتوں میں اس جانور یا اس کے بچے کی کھال سے قراقلی کی ٹوپی بنانا جائز ہے اور مردہ جانور کی کھال دباغت سے پاک ہو جاتی ہے اور اس سے بھی قراقلی کی ٹوپی بنانا جائز ہے، البتہ زندہ جانور (مثلاً بھیڑ وغیرہ) کو ذبح کیے بغیر کسی ایسے طریقے سے اس کا پیٹ چاک کرنا جس سے اس کو تکلیف ہو یا وہ مر جائے یا اس کو اور کسی طرح کی اذیت پہنچانا تاکہ اس کے پیٹ کا بچہ نکال کر اس کی کھال استعمال میں لائی جائے یہ ہرگز جائز نہیں، بہت بڑا گناہ ہے، جو ایسا کرے گا وہ سخت گناہ گار ہوگا، اس لیے اس سے پرہیز کرنا لازم ہے، البتہ بھیڑ کو ذبح کرنے کے بعد پیٹ چاک کرنا یا ذبح کیے بغیر کسی ایسے طریقے سے پیٹ چاک کرنا کہ بھیڑ کو تکلیف محسوس ہی نہ ہو، اس میں گناہ نہیں اور اس کی کھال سے ٹوپی بنانا اور استعمال کرنا درست ہے۔

اور بعض لوگ جو یہ کہتے ہیں کہ اس میں بھیڑ کی نسل کشی ہے یا بھیڑ سے انتفاع کا جو ایک عام طریقہ کھانے کا ہے اس کی مخالفت ہے ان کی یہ بات درست نہیں، کیونکہ ٹوپی بنانا اور کوئی لباس بنانا یہ بھی بذات خود ایک قسم کا انتفاع ہے۔

لسن الصوف والشعر سنة الانبياء عليهم السلام لانه ايه تنوع
(فتاویٰ ہدیہ ۳۳۳/۵۱ کتاب اللباس)

وفيه ايضا. عن ابي حبيفة رحمه الله تعالى لاسن بس
المسبوه الثعالب كداهي المسبوط وكان على ابي حبيفة رحمه الله
سجباب وعلى الضحاك فلسوة سمور كداهي العياثية
(عالمگیریہ: ۳۳۳/۵۱)

عمامہ لباس کی سنت ہے:

عمامہ باندھنا آنحضرت ﷺ اور صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین سے ثابت ہے، اس لیے
عمامہ باندھنا مستنون ہے، البتہ یہ سنت زائدہ ہے، جس کا درجہ مستحب کا ہے اور یہ لباس کی سنت
ہے، لہذا اگر کوئی شخص اتباع سنت کی نیت سے عمامہ باندھے تو بلاشبہ موجب ثواب ہے اور اگر کوئی
نہ باندھے تو کوئی گناہ بھی نہیں۔ کیونکہ آنحضرت ﷺ سے عمامہ باندھنے پر مواظبت (دائمی طور پر)
ثابت نہیں ہے، چنانچہ صاحب "زاد المعاد" فرماتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے کبھی عمامہ کے بغیر
صرف ٹوپی استعمال فرمائی اور کبھی بغیر ٹوپی کے صرف عمامہ استعمال فرمایا اور کبھی خود یعنی جنگی ٹوپی
استعمال فرمائی، الغرض جس موقع پر جو مناسب سمجھا گیا وہی استعمال فرمایا۔

(ملاحظہ ہو: زاد المعاد: ۳۶/۱ و تاریخ الحمیس: ۱۹۰/۲)

قال العلامة الصاوي حفظه الله: من سن الإسلام لسن
العمامة، وهي من شعائر الدين، ومن هدي سيد المرسلين صلى الله
عليه وسلم، فقد كان صلى الله عليه وسلم يلبس العمامة، ويعتم بها
في السلم والحرب، وكذلك أصحابه الكرام، كان لهم عمام
يتوجون بها رؤسهم، اقتداء بهدي سيد المرسلين صلى الله عليه
وسلم، ويكره للمسلم أن يبقى مكشوف الرأس.

فقد روي مسلم عن جابر رضي الله عنه: "أن رسول الله صلى

الله عليه وسلم دخل يوم فتح وعنه عمامة سوداء"

(أخرجه مسلم رقم: ۱۳۵۸ باب حوائج دخول مكة بغير إحرام،

(الترمذی رقمہ: ۱۷۳۵)

یعنی رسول اللہ ﷺ حالت جنگ اور امن دونوں حالت میں عمامہ باندھا کرتے تھے۔
حضرت جابر روایت کرتے ہیں کہ فتح مکہ کے دن رسول اللہ ﷺ مدینہ میں داخل ہوئے آپ پر
سر مبارک پر سیاہ عمامہ تھا۔

وروي أيضا عن عمرو بن حرب رضي الله عنه أنه قال: "كأنني
أنظر إلى رسول الله صلى الله عليه وسلم وعنده عمامة سوداء، وقد
أرحي طرفها من كتفه." (أخرجه مسلم رقمه: ۱۳۵۹)
وروي الترمذی عن زکاة أنه سمع النبي صلى الله عليه وسلم
إن فرق ما بين وبين المشرکین العمامة على الخلاس

(أخرجه الترمذی: ۱۷۸۴ وقال حدث حسن غریب)

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ ہمارے اور مشرکین کے درمیان فرق ٹوپی پر عمامہ
باندھنا ہے

أي العلامة العارفة التي تمير بين المسلم والمشرک، هي العمامة،
فهي شعائر أهل الإسلام، وأهل العلم والدين.
فهذا هدي النبي صلى الله عليه وسلم، وتوجيه للأمة، أن
يتصبروا على الكفار، بسس العمامات التي هي بين جان العرب، وهي
مظهر عرتهم وكرامتهم، وهي إحدى شعائر الإسلام الجليلة
ولقد تأسى أصحاب الرسول صلى الله عليه وسلم بهدي النبي
الكریم، فكانوا يقتدون به في أقواله، وأفعاله، ولباسه، وحرکاته،
وسكناته، فلبسوا العمامات، واشتهر ذلك عنهم، حتى صار حراء
من حياتهم، وشعائرهم الدينية!

فهدا سيد عبد الله بن عمر، أشد الناس تمسكا بهدي الرسول
صلى الله عليه وسلم الذي قال عنه نافع: "له رأيت أن عمر يتبع آثار
رسول الله صلى الله عليه وسلم، لقلت: إن هذا محجول". يروي لنا

عنه مسلم في صحيحه هذه القصة ، وهذا الحديث ، فيقول بسده
عن عبد الله بن ديسر : إن رجلا من الأعراب ، في ابن عمر بطريق
مكة ، فسلم عليه عبد الله بن عمر ، وحمه عبي حمار كان يركبه ،
وأعطاه عمامه كانت على رأسه ، فقال له أصحابه : عمر بن الخطاب ،
أعطيت هذا الأعرابي حمارا كنت تروح عليه - أي تركبه لراحته -
وعمامة تشد بها رأسك ، وإيهم الأعراب يرصون بأنيسير !!

فقال ابن عمر : إن أنا هذا كان ودا - أي صديقا - لعمر بن
الخطاب ، وإني سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول : إن
من أمر الر - أي أفضل فعل الخير - صلة الرجل أهل ودايته ، وإن أنا
كان صديقا لعمر (أخرجه مسلم في كتاب البر رقم ٢٥٥٢)

هذه سيرة الصحابة ، وهذا تأسيهم برسول الله صلى الله عليه
وسلم في هيئتهم ولباسهم ، ما كانوا يتركون شيئا فعله رسول الله
صلى الله عليه وسلم إلا فعلوه ، امتزج حب الرسول صلى الله عليه
وسلم بقلوبهم ، وسرى حب التأسي به في دمائهم ، لذلك وجدنا
ابن عمر ، يهدي عمامته لذئ الأعرابي ، لأن أناه - صديقا لعمر
بن الخطاب رضي الله عنه .

فأيس بحر في هذا الرمان من أناس ، رهدوا في هدي سيد
المرسلين ، فتركوا العمام ، بل عدها البعض من البدع ، مع أنها
شعار أهل الإسلام " وقد ذكرنا فيها سبق حديث الترمذي الذي
يقول فيه صلى الله عليه وسلم : إن فرق ما بيننا وبين المشركين ،
العمائم على القلائس .

(أخرجه الترمذي : رقم ١٧٨٣ وقال حديث حسن)

قال في حاشية منتقى الأبحر : العمامة سنة نبوية شريفة ، عمل
عنها الكثير من الناس ، بل رهدوا حتى في تعطية الرأس ، بما ليس من

سعد بن اکبرہ، وقد ولى المسيح علي الهادي: إن رسول الله صلى الله عليه وسلم ما صلى حاسر الرأس، إلا في إحرامه، ومن هنا ذهب الفقهاء، في كراهه صلاة حاسر الرأس، إلا أن يكون بدلا لله تعالى أو قد كان صلى الله عليه وسلم إذا اعتم بسل عمامه من كتفيه، كما رواه الترمذي

وكيف يصلي بعض أهل النعم حاسري الرأس، وهم يعمون أن اكفار صدور حاسري الرؤس، وقد قال صلى الله عليه وسلم: من تشبه بقوم فهو منهم. (أبو داود في سنه رقم: ٤٠٣١) ولا بأس بتميمه رحمه الله في كتابه القيم، "افتضاء الصراط المستقيم" كلام. (فقه المعاملات)

عمامہ باندھنے کا صحیح طریقہ:

عمامہ یعنی پگڑی باندھنے کا صحیح طریقہ یہ ہے کہ اس کو سر پر گول پچ دار باندھے اور پورے سر کو اس سے ڈھانپے، صرف سر کے ارد گرد عمامہ لپیٹنا اور سر کے درمیان کو نکا چھوڑنا مکروہ ہے، البتہ ٹوپی کے اوپر پگڑی باندھنے کی صورت میں سر کے درمیان کا پگڑی سے ڈھانپنا ضروری نہیں اور نہ اس میں کوئی کراہت ہے۔

بغیر ٹوپی عمامہ باندھنا:

مگر بیان جواز کے یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بغیر ٹوپی کے بھی عمامہ استعمال فرمایا ہے لیکن عام معمول عمامہ کے نیچے ٹوپی رکھنے کا تھا۔ سلف صالحین اور بزرگان دین کا عمل بھی اسی پر رہا ہے اس لیے بغیر ٹوپی کے عمامہ باندھنا خلاف اولیٰ ہے، مکروہ نہیں، نماز پڑھنا بلا کراہت جائز ہے۔

محراب بنا کر عمامہ باندھنا:

عمامہ باندھنے میں سامنے پیشانی پر محراب بنانے کا ذکر کسی معتبر کتاب میں نہیں ملتا، البتہ علماء و صلحاء کو پیشانی پر محراب بناتے دیکھا ہے، لہذا محراب بنا کر عمامہ باندھنا سنت تو نہیں ہے لیکن اگر بنا لی جائے تو اس میں کوئی حرج بھی نہیں۔

عمامہ کے کپڑے کی مقدار:

صحیح روایات سے عمامہ کی کوئی خاص مقدار متعین ہونا ثابت نہیں ہے اس لیے ہر شخص اپنی حیثیت سے جتن مناسب سمجھے عمامہ باندھ سکتا ہے، البتہ نہ زیادہ لمبا ہونا چاہیے اور نہ ہی بہت چھوٹا بلکہ درمیانہ عمامہ ہونا چاہیے۔

وفي اساس والريبة في الشريعة الإسلامية العطلب الثاني: قدر العمامة فقد كانت عمامة رسول الله صلى الله عليه وسلم وسطاً لا كبيرة ولا صغيرة، وأنه لم يثبت في صولها وعرصها شيء، فيسعى التوسط فيها اقتداء بالنبي صلى الله عليه وسلم.

وقال القسطلاني في المواهب اللدنية: لم تكن عمامته صلى الله عليه وسلم بالكبيرة التي تؤدي حاملها، ولا بالصغيرة التي تقصر عن وقاية الرأس من الحر والبرد، بل وسطاً بين ذلك علامة قسطلاني مواهب لدنية میں فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کا عمامہ نہ اتنا طویل تھا کہ اٹھانے والے کو اٹھانے میں تکلیف ہو نہ اتنا مختصر تھا کہ سر کو سردی و گرمی سے نہ بچا سکے، بلکہ درمیانہ درجہ کا تھا۔

وقال السيوطي في (الحاوي في الفتاوى) وأما مقدار العمامة الشريفة فسلم يثبت في حديث وقد روي البيهقي في شعب الإيمان سألت ابن عمر كيف كان النبي صلى الله عليه وسلم يعتم؟ قال: كان يريد العمامة على رأسه ويقورها من ورائه، ويرسل ذوائبه بين كتفيه، وهذا يدل على أنها عدة أذرع، وذكر عن النووي أن النبي صلى الله عليه وسلم كان له عمامة قصيرة ستة أذرع، وعمامة طويلة اثنا عشر ذراعاً.

وقال الحافظ في فتاويه: لا يحضرني في طول عمامة النبي صلى الله عليه وسلم قدر محدود، وقد سئل عنه الحافظ عبد العلي السالسي، فلم يذكر شيئاً، قال ابن حجر المكي: لم يتحدد في

طولھا و عرضھا شیء

و أما ما ذكره الطبراسي من أن طوله سعة أذرع، وما جاء عن عائشة رضي الله عنها أنها سعة في عرض ذراع، وأنها كانت في سفر بيضاء، وفي الحصر سوداء من صوف، وأن عدتها في السفر من غيرها، وفي الحصر منها (لا أصل له) وفي صحيح المصابيح لاس الحرري تسعت الكتب لأقف على قدر عمامة النبي صلى الله عليه وسلم فلم أقف على شيء.

ومن هنا يتبين لنا أنه لم يثبت في قدر عمامته صلى الله عليه

وسلم حديث يصح الاعتماد عليه. (ص ۲۶۱)

رومال سے عمامہ کی سنت ادا ہو جائے گی:

اوپر کے مسئلہ میں ذکر کردہ تفصیل کی رو سے چونکہ عمامہ کی سنت ادا ہونے کے لیے پکڑے کی کوئی خاص مقدار متعین نہیں ہے، لہذا نا چیز کے خیال میں رومال سے عمامہ باندھنے سے بھی عمامہ کی سنت ادا ہو جائے گی۔

عمامہ میں شملہ کی مقدار:

پکڑی کا شملہ کم سے کم چار انگلی کے برابر اور زیادہ سے زیادہ ایک ہاتھ تک ہونا چاہیے اور شملہ کا اتنا لمبا ہونا کہ بیٹھنے کی حالت میں کمر سے متجاوز ہو درست نہیں ہے۔

(فتاویٰ عالمگیریہ: ۳۳/۵)

وفي رواية عن سافع عن ابن عمر رضي الله عنهما قال عمم رسول الله صلى الله عليه وسلم ابن عوف بعمامة سوداء كرايس وارخاها من خلفه قدر اربع اصابع وقال هكذا فاعتم.

(عمدة القاري: ۳۰۷/۲۱)

شملہ کس جانب رکھا جائے؟

آنحضرت ﷺ سے شملہ کے مختلف طریقے ثابت ہیں اور حضرات فقہاء کرام رحمہم اللہ نے لکھا ہے کہ پکڑی کا شملہ پیٹھ کی جانب دونوں مونڈھوں کے درمیان چھوڑنا افضل اور مستحب ہے اور

۱۰ میں طرف رکھنا بھی جائز ہے، البتہ بائیں طرف رکھنے اور نہ رکھنے میں علماء کا اختلاف ہے، بعض نے جائز کہا ہے اور بعض نے ناجائز اور بدعت کہا ہے۔

(الوفاء لاس الحوری: ص ۵۶۷، وصیاء القلوب: ص ۱۵۳)

تاہم اگر کوئی اپنی عادت یا سہولت کی وجہ سے سنت سمجھے بغیر شہد بائیں جانب چھوڑ دے تو یہ بہر حال ناجائز نہ ہوگا۔

عمامہ میں دو شملے رکھنا:

آنحضرت ﷺ کے عمامہ کے تذکرے میں دو شملے اور ایک شملہ دونوں کا احادیث سے ثبوت ملتا ہے، لہذا پگڑی میں ایک شملہ رکھنا بھی درست ہے اور دو شملے رکھنا بھی درست ہے۔

(خلاصۃ الفتاوی: ۱۵۳/۳)

قال الحافظ ابن قیم رحمہ اللہ: عن عمرو بن حرث قال رأت

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم علی امرئ عمامۃ سوداء قد

ارخصی طرفیہا بین کتفہ . (راد المعاد: ۱۳۵/۱)

عمامہ کس رنگ کا ہونا چاہیے؟

پہلے یہ بات ہو چکی ہے کہ عمامہ لباس کی سنت ہے اور عمامہ جس رنگ کا بھی ہو اس سے نفس عمامہ کی سنت ادا ہو جاتی ہے، کسی خاص رنگ کی پابندی شرعاً ضروری نہیں، بلکہ خود عمامہ بھی ضروری نہیں جیسا کہ اوپر گزر چکا ہے، بہر حال عمامہ سیاہ رنگ کا ہو یا سفید رنگ کا ہر طرح درست ہے، کیونکہ احادیث میں جناب رسول اللہ ﷺ سے کا امام باندھنا بھی ثابت ہے چنانچہ فتح مکہ کے موقع پر آپ کے سر مبارک پر کا امام تھا، نیز ایک حدیث میں آیا ہے کہ آپ ﷺ منبر پر خطبہ ارشاد فرما رہے تھے اور آپ کے سر مبارک پر کا امام تھا اور رسالہ ”صیاء القلوب فی لباس المحبوب“ میں لکھا ہے حضور ﷺ سے سفید عمامہ بھی ثابت ہے، نیز مسنرات صحابہ کرام فرماتے ہیں کہ چونکہ رسول اللہ ﷺ کو سفید لباس محبوب تھا اور آپ نے سفید لباس پہننے کی ترغیب بھی دی ہے، لہذا سفید عمامہ باندھنا افضل ہے۔

نیلا اور سبز عمامہ ثابت نہیں:

ذخیرۃ احادیث میں تلاش بسیار کے باوجود حضور ﷺ سے نیلے اور سبز عمامہ باندھنے کا کوئی

تہت نہیں ملتا، البتہ ایک روایت میں صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے سبز پگڑی باندھنے کا ثبوت ملتا ہے۔

”عن سیمان بن ابی عبد اللہ قال ادرکت نعلی حریس الاوس
عنموں بعمائم کرا بیس سود و بیض و حمر و حصر و صفر“

(مصنف ابن ابی شیبہ: ۸: ۲۴۱)

اور جہاں تک سبز پگڑی باندھنے کی شرعی حیثیت کا تعلق ہے تو ایسے رنگ کی پگڑی باندھنا فی نفسہ جائز ہے، شرعاً اس میں کوئی حرج نہیں، البتہ قاعدہ یہ ہے کہ جب کوئی سنت اہل بدعت کی عدم مت بن جائے تو اس کو بھی ترک کرنا اولیٰ ہے کجایہ کہ کوئی چیز سنت بھی نہ ہو اور اہل بدعت کا شعار بن جائے اور چونکہ آج کل سبز پگڑی باندھنا بعض اہل بدعت کی علامت اور شناخت بن چکا ہے اس لیے اس کو ترک کرنا اولیٰ ہے۔

”کل سنة تكون شعار أهل البدعة تركها أولى“

(مرقاۃ شرح مشکوٰۃ: ۴: ۱۶۷)

فی رد المحتار: ۱: ۶۴۲ ”(قوله تركها أولى) إذا تردد للحكم

بیس سنة وبدعة كال ترك السنة راجحاً علی فعل البدعة“

”جو سنت اہل بدعت کی پہچان اور ان کا شعار بن جائے، اسے چھوڑ دینا بہتر ہے، کیونکہ قاعدہ یہ ہے کہ جب کوئی عمل سنت و بدعت کے درمیان مشتبہ ہو جائے تو فعل بدعت پر ترک سنت رائج ہے۔“

نماز میں عمامہ کا حکم:

نماز میں عمامہ اور بغیر عمامہ کے ثواب میں فرق ہو گا یا نہیں؟ اس سوال کے جواب سے پہلے یہ سمجھ میں کہ جن علاقوں میں عمامہ کے بغیر لباس کو نامکمل سمجھا جاتا ہے اور بغیر عمامہ گھر سے باہر نکلنا اور بڑوں کے مجمع میں جانا معیوب سمجھا جاتا ہے، وہاں بغیر عمامہ کے نماز پڑھنا مکروہ ہے اور یہ اس وجہ سے نہیں کہ سنت پر عمل نہیں ہو رہا ہے بلکہ اس وجہ سے ہے کہ ان علاقوں کے اعتبار سے عمامہ کے بغیر لباس نامکمل ہے اور نامکمل لباس (جو صرف گھروں کے اندر استعمال کیا جاتا ہے) میں نماز پڑھنا مکروہ ہے۔

”ونكره صلاته في ثياب البذلة يلبسها في بيته“

(رد المحتار : ۱۰۱۱، امداد العتازی : ۱/۲۵۶)

اور چونکہ عمامہ باندھنا سنت زائدہ ہے جس کا درجہ مستحب کا ہے، لہذا اگر اتباع سنت کی نیت سے باندھے تو موجب ثواب ہے، لیکن اس کی بنیاد پر یہ نہیں کہا جاسکتا کہ عمامہ کے ساتھ پڑھی جانے والی نماز کا ثواب بغیر عمامہ کے پڑھی جانے والی نماز سے زیادہ ہے اور ذخیرہ احادیث میں تلاش کرنے کے باوجود ایسی کوئی حدیث نہیں ملی جس سے یہ ثابت ہو کہ عمامہ کے ساتھ نماز پڑھنے میں بغیر عمامہ نماز پڑھنے کی بہ نسبت ثواب زیادہ ہے، ہاں بعض ایسی موضوع یعنی بناوٹی احادیث ملتی ہیں جن میں عمامہ والی نماز کی فضیلت بیان کی گئی ہے، لیکن وہ احادیث باتفاق محدثین موضوع ہونے کی وجہ سے قابل رد اور غیر معتبر ہیں۔

(۱۰۱۱ حصہ ہو المصنوعات سکری لمدلا علی الفاری ص ۲۳۲، الموائد

المجموعۃ فی الاحادیث الموضوعہ، ص ۱۸۷، و تذکرۃ الموضوعات : ص ۱۵۵،

والمصنوع فی معرفۃ الحدیث الموضوع : ص ۸۷)

(نوٹ) عمامہ کے مسائل میں مفتی کمال الدین صاحب کار سالہ ”لباس کے احکام“ سے بھی

استفادہ کیا گیا ہے۔ تفصیل کے لیے اس کی طرف رجوع کیا جاسکتا ہے۔

مردہ کے احکام

مرد کے ستر:

ناف سے لے کر گھٹنے تک جسم کے حصے کو چھپا کر رکھنا فرض ہے، مرد اور عورت شہیدہ دوسروں کے سامنے ستر کھولنا حرام ہے، اگر کسی نے بے حیائی کا ارتکاب کرتے ہوئے ستر کھول لیا تو اس کے ستر کی طرف دیکھنا بھی حرام ہے، ہاں بوقت ضرورت بقدر ضرورت ستر کو اُٹھانے کی اجازت ہے، مثلاً اندورنی حصہ میں کوئی ایسی بیماری لاحق ہوگئی کہ اس حصہ کے معاینہ کے بغیر مرض کی تشخیص مشکل ہو تو ایسی ضرورت کے وقت معاینہ کرنا جائز ہے یا فتنہ کی ضرورت ہے یا وادعات کے وقت داسیہ کا نظر پڑنا وغیرہ، ضرورت کے وقت بھی پوری کوشش رہے کہ کم سے کم کھوا اور دیکھا جائے۔

لقوہ عبہ السلام، ”لا یبظر الرجل إلی عورة الرجل، ولا تنظر

المرأة إلى عورة امرأة، ولا يمضي الرجل إلى الرجل في ثوب واحد
أي لا يجلس مكشوف العورة مع الرجل بسترهما ثوب واحد، ولا
تفصي المرأة إلى المرأة في الثوب الواحد.

(أخرجه مسلم رقم: ۲۳۸ باب تحريم السطر إلى العورة)

رسول اللہ ﷺ نے یہ ارشاد فرمایا کہ کوئی مرد کسی مرد کے ستر کی طرف نہ دیکھے اور کوئی عورت
کسی عورت کے ستر کی طرف نہ دیکھے، دو مرد ننگے ہونے کی حالت میں ایک کپڑے میں نہ سوئیں
اسی طرح دو عورتیں ایک کپڑے میں نہ سوئیں۔

وروي الترمذي عن نهر بن حكيم عن جده، قال: قلت يا سي
الله: "عَ رَأْسًا مَا بَاتِي مِنْهَا وَمَا بَدَرُ؟" أَيُّ مَاذَا يَطْهَرُ مِنْهَا وَمَاذَا
نَسْتَرُ؟

فقال صلى الله عليه وسلم: إحفظ عورتك، إلا من روجت أو
ما ملكت يمينك!!

قلت يا رسول الله: إذا كان القوم بعضهم في بعض؟ - أي
مختلطين في مجلس واحد - قال: إن استطعت ألا يراها أحد فلا
يراها!!

قال: قلت يا سي الله: إذا كان أحدا حاليا؟ قال: فالله أحق أن
يستحي الناس منه.

(أخرجه الترمذي في كتاب الأدب رقم: ۲۷۹۴، قال حديث حسن)

حضرت بہز بن حکیم اپنے دادا سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے رسول اللہ ﷺ سے سوال
کیا کہ یا رسول اللہ! ہم اپنے ستر کو کس حد تک کھول سکتے ہیں؟ کتنا چھپانا فرض ہے؟ تو رسول اللہ
ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اپنی شرمگاہ کی حفاظت کرو اس کو چھپاؤ، البتہ اپنی بیوی اور مملوکہ باندی کے
سامنے، میں نے عرض کیا کہ اگر لوگ ایک مجلس میں گھل مل کر بیٹھے ہوں؟ تو ارشاد فرمایا کہ
مکمل کوشش کرے کہ کوئی اپنا ستر نہ کھولے دوسرے کا ستر نہ دیکھے۔

پھر میں نے عرض کیا، اگر کوئی تنہائی میں بیٹھا ہو اس وقت ستر کھول سکتا ہے؟ تو آپ نے

ارشاد فرمایا اللہ تعالیٰ اس بات کا زیادہ حق، اور ہے کہ اس سے شرمایا جائے، یعنی تنہائی میں بھی ستر کھولنا جائز نہیں ہے۔

کھیل کود کے وقت ستر کھولنا:

اکثر کھلاڑی کھیل کے وقت صرف چوڑی پہنتے ہیں اسی طرح پہلوان کشتی کے وقت ران پوری کھلی رکھتے ہیں تو یاد رہے کہ اس وقت بھی ران کو کھلا رکھنا حرام ہے، اور ان کی طرف دیکھنا بھی حرام ہے۔

لقول النبی صلی اللہ علیہ وسلم: لجرھد لا سیمی وقد مر بہ
وہو کاشف عن فحده قال: عطف فحدک فابھا من عورۃ.

(أخرجه الترمذی رقم: ۲۷۹۸، قال هذا حدیث حسن)

جناب رسول اللہ ﷺ کا جربہ اسلمی رضی اللہ عنہ پر گزر رہا تھا اس حال میں کہ ان کا ستر کھول ہوا تھا تو رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اپنی ران کو چھپا لو کیونکہ یہ ستر میں داخل ہے۔

وقال صلی اللہ علیہ وسلم لعلی رصی اللہ عنہ یا عی لا تدر
فحدک، وہی رواۃ احرى لا تدر فحدک ولا تنظر بی فحد حی ولا
میت، (أخرجه ابو داود فی الجنائز رقم: ۳۱۴۰)

اور رسول اللہ ﷺ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو مخاطب بنا کر فرمایا اے علی! اپنی ران کسی کے سامنے ظاہر مت کرو، دوسری روایت میں ارشاد فرمایا کہ کسی زندہ یا مردہ شخص کی ران کی طرف مت دیکھو۔

عورت کا ستر دوسری عورت کے حق میں:

عورت کا ستر دوسری عورت کے حق میں اتنا ہی ہے جتنا مرد کا ستر دوسرے مردوں کے سامنے، یعنی کسی عورت کے لیے دوسری عورتوں نے سامنے، ناف سے رگھنے تک کا حصہ کھولنا یا اس کی طرف دیکھنا شرعاً ناجائز اور حرام ہے۔

﴿ یٰبَنِی آدَمَ لَا یَفْتَسِکُمُ السَّیْطَانُ کَمَا أَفْرَحَ ابْنُکُمْ مِنَ الْحِجَةِ
یَسْرِعَ عَنْهُمَا لِیَاسْهُمَا لَیْرِیْهُمَا ۖ جَمَاعًا ۖ اُنَّی لَیْرِیْهُمَا الْعَوْرَاتُ الَّتِیْ
أَمَرَ اللّٰهُ بِسِتْرِهَا ۚ وَحَرَّمَ کَشْفُهَا ۚ اَمَّا أَحَدُ مِنَ النَّاسِ ۚ

(سورة الأعراف : آیت ۲۷)

اے اولاد آدم! شیطان کسی خرابی میں نہ ڈال، اے جیسا کہ اس نے تمہارے دادا دادی کو جنت سے باہر کر دیا ایسی حالت سے کہ ان کا لباس بھی ان (کے بدن) سے اتروا دیا تاکہ دونوں کو ایک دوسرے کے پردہ کا بدن دھائی دینے لگے۔ (معارف القرآن)

شیطان کی ابتداء آفرینش سے یہ کوشش رہی ہے کہ انسان کو نکا کر کے بے حیائی کے کاموں میں مبتلا کر دے، مردوں کا ستر ہٹا رکھنا عورتوں کا بے پردہ ہونا، یہ شیطانی وساوس کا نتیجہ ہے، جبکہ شیطان انسان کا سخت دشمن اس طرح بھلا پھسلا کر انسان کو اللہ تعالیٰ کی رحمت سے دور کر کے جہنم کے گڑھے میں گرانا چاہتا ہے، اس لیے ہر مسلمان مرد و عورت کو چاہیے کہ بے پردگی اور بے حیائی کے کاموں سے اجتناب کرے اور شیطان کے ہاتھ میں آھلوانا نہ بنے۔

محرم کی تعریف:

قد عرف الفقہاء المحرم، بأنه من لا نحور المساكحة بیه و بیہا
على التابید والاستمرار سواء كان بسب السب او الرضاخ، أو
المصاهرة. (فقہ المعاملات)

یعنی محرم ہر وہ شخص ہے جس سے زندگی میں کسی بھی مرحلہ میں نکاح کرنا حلال نہ ہو۔ نسب رشتہ داری کی وجہ، یا رضاعت کی وجہ سے یا حرمت مصاہرت سے

عورت کا ستر محرم کے سامنے:

عورت کے لیے جائز ہے کہ اپنے محرم مردوں کے ساتھ مواضع زینت سر، سینہ، چہرہ، اسی طرح بازو پنڈلی وغیرہ کھلا رکھے تاہم ان وقت کا اندیشہ ہو وہاں احتیاط کرنا چاہیے۔

لَقَوْلِهِ تَعَالَى ﴿وَالَّذِينَ يَبْدُونَ زِينَتَهُمْ لِلنِّسَاءِ إِلَّا لِمَعُولَتُهُنَّ أَوْ لِأَنَّهُنَّ أَوْ لِبَنَاتِهِنَّ أَوْ لِأَخَوَاتِهِنَّ أَوْ لِمَنْ مَلَكَتْ أَيْمَانُهُمْ﴾ (سورة النور : آیت ۳۱)

”اور اپنی زینت کو کسی کے سامنے ظاہر نہ ہونے میں مگر اپنے شوہروں پر یا اپنے باپ پر یا اپنے شوہر کے باپ پر یا اپنے بیٹوں پر یا اپنے شوہر کے بیٹوں پر یا اپنے بھائیوں پر یا اپنے بھائیوں کے بیٹوں پر یا اپنی بہنوں کے بیٹوں۔“

محارم وہ رشتہ دار جن سے پردہ فرض نہیں ہے:

- ۱۔ شوہر ۲۔ باپ ۳۔ دادا ۴۔ پردادا ۵۔ پینا ۶۔ پوتا ۷۔ پڑپوتا
- ۸۔ نواسہ، پڑنواسہ ۹۔ چچا (حقیقی، علاقائی، اخیانی) ۱۰۔ بھائی (تین قسم کے)
- ۱۱۔ بھتیجے (تینوں قسم کے بھائیوں کے بااواسطہ یا بالواسطہ)
- ۱۲۔ بھانجے (تینوں قسم کی بہنوں کے بااواسطہ یا بالواسطہ)
- ۱۳۔ ماموں (تینوں قسم کے) ۱۴۔ نانا ۱۵۔ پڑنانا ۱۶۔ سر
- ۱۷۔ داماد ۱۸۔ شوہر کے بیٹے ۱۹۔ رضاعی باپ
- ۲۰۔ رضاعی پینا ۲۱۔ رضاعی بھائی ۲۲۔ رضاعی چاچا

۲۳۔ رضاعی ماموں وغیرہ

وہ رشتہ دار جن سے پردہ فرض ہے۔

جس طرح اجنبی مردوں سے پردہ فرض ہے، اسی طرح بہت سے رشتہ داروں سے بھی پردہ

کرنا فرض ہے، جن کی فہرست یہ ہے

- ۱۔ چچا زاد ۲۔ پھوپھی زاد ۳۔ ماموں زاد ۴۔ خالہ زاد
- ۵۔ دیور ۶۔ جیسٹھ ۷۔ نندوئی ۸۔ بہنوئی
- ۹۔ پھوپھا ۱۰۔ خالو ۱۱۔ شوہر کا بھتیجا ۱۲۔ شوہر کا بھانجا
- ۱۳۔ شوہر کا چچا ۱۴۔ شوہر کا ماموں ۱۵۔ شوہر کا پھوپھا ۱۶۔ شوہر کا خالو

عورت کا ستر نماز میں:

نماز کی حالت میں عورت نے ذمہ لازم ہے کہ صرف چہرہ و ہتھیلیاں، دونوں قدموں کے علاوہ پورے جسم کو چھپائے، ان تین اعضاء کے علاوہ اگر نہ مل سکے، تو اس مرتبہ سبحان ربی الاعلیٰ کہنے کی مقدار تک تو اس کی نماز نہ ہوگی۔

وَلَمَّا حَضَرَهُنَّ فَأَخْبَرَهُنَّ فَأَغْطَيْنَهُنَّ أَسْفَلَ سَاقَهُنَّ إِلَى الْكَبَدِ الْمَعْلُومِ

حالا الوجه و السكبين فغطت أسفل ساقه عنى المذهب و القدمين

على المعتمد. (رد المحتار، مضب فی سترہ العورہ)

یعنی آزاد عورت کا ستر نماز میں پورا جسم ہے، یہاں تک سر کے لئے سوہنے بھی صحیح رہا۔

کے مطابق البتہ چہرہ اور ہتھیلیاں ستر میں داخل نہیں۔ ظاہر ہوا کہ ہتھیلی بھی ستر میں داخل ہے، بلکہ قد میں کو بھی بعض حضرات نے ستر میں داخل فرمایا ہے۔

عورت کا حجاب غیر محرم کے سامنے:

اگر عورت کو کسی ضرورت سے غیر محرم کے سامنے آنا پڑے تو عورت کے ذمہ لازم ہے کہ چہرہ سمیت پورے جسم کو برقع یا موٹی چادر میں چھپا کر آئے، غیر محرم کے سامنے بلا ضرورت شدیدہ جسم کے کسی حصہ کو کھولنا جائز نہیں۔

وتسمع المرأة الشابۃ من كشف الوجه بین الرجال لا لانه عورة
بل لخوف الفتۃ کمسه وإن امن الشهوة لانه اغلط .

(ردالمحتار: ۹۷/۲ دارالمعرفة، بیروت)

چہرے کا پردہ:

﴿یا ایہا النبی قل لأرواحک وبنثک ونساء المؤمنین یدیں علیہن﴾

من جلابیسہن ذلک أدنی أن یعرفن فلا یؤذین ﴿ (سورة الاحزاب)

”اے نبی! اپنی بیویوں سے اور اپنی صاحبزادیوں سے اور دیگر مسلمان عورتوں سے فرما دیجئے (کہ جب ضرورت پر گھروں سے باہر جانا پڑے تو) اپنے (چہروں کے) اوپر (بھی) چادروں کا حصہ لٹکا کر (چہروں کے) قریب کر لیا کریں۔ اس سے جلد پہچان لی جائیں گی تو ان کو ایذا نہ دی جائے گی۔“

تشریح:

اس آیت سے چند چیزیں ثابت ہوئیں۔ اول یہ کہ آنحضرت ﷺ کی بیبیوں اور صاحبزادیوں کے ساتھ دیگر مسلمان عورتوں کو بھی پورے بدن اور چہرے کو ڈھانپ کر نکلنے کا حکم فرمایا گیا۔ اس سے باطل دعوے کرنے والوں کی خام خیالی کی واضح تردید ہو گئی کہ پردے کا حکم صرف آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج مطہرات کے لیے مخصوص تھا۔

دوسری چیز جو اس آیت سے ثابت ہوئی، وہ یہ ہے کہ پردے کے لیے چہرے پر چادر لٹکانے کا حکم فرمایا گیا ہے، اس سے ان تجدد پسندوں کے دعوے کی بھی تردید ہو گئی جو کہتے ہیں کہ عورتوں کو چہرے چھپا کر نکلنے کا حکم اسلام میں نہیں ہے بلکہ مولویوں نے ایجاد کیا ہے۔ دیکھنا یہ ہے کہ یہ لوگ

اس آیت سے کس طرح انحراف کی صورت نکالتے ہیں ؟

تیسری چیز جو اس آیت سے واضح ہوئی کہ پردے کے لیے جبہاب استعمال کرنے کا حکم ہے۔ عربی زبان میں "جبہاب" بڑی چادر کو کہتے ہیں۔ جیسے عورتیں اپنے پہننے کے پٹروں کے اوپر لپیٹ کر باہر نکلتی ہیں۔ قرآن شریف نے آیت بالا میں حکم فرمایا ہے کہ عورتیں جس طرح جبہاب کو اعضاء جسم پر اور پہنے ہوئے کپڑے پر لپنتی ہیں، اسی طرح چہرے پر بھی اس کا ایک حصہ لٹکایا کریں جبکہ عورتوں میں چادر لپیٹنے کا رواج بعض علاقے میں ابھی تک قائم ہے اور برقعہ اسی جبہاب کی ایک ترقی یافتہ شکل ہے۔ برقعہ کی نسبت یہ کہنا کہ شریعت میں اس کی کچھ اصل نہیں، سراسر جہالت ہے۔ برقعہ کا ثبوت تو ارشاد باری تعالیٰ ﴿يَدْبِيسُ عَلَيْهِمْ مَسْجِدَاسِهِمْ﴾ آیت سے ثابت ہے، البتہ فیشنی برقعوں کے متعلق یہ کہنا درست ہے کہ بجائے پردہ کے بدننگاہی کا سبب بن گئے ہیں۔

عورت کے چہرے کو پردے کے حکم سے خارج کرنے کی غلط خیالی بعض دیندار قسم کے لوگوں میں بھی پائی جاتی ہے۔ دراصل ان لوگوں کو نماز کے مسائل سے واقفیت نہیں کیونکہ نماز کی کتابوں میں مذکور ہے کہ چہرے اور دونوں ہاتھ (گٹھوں تک) اور دونوں پاؤں (ٹخنوں تک) چھوڑ کر عورت کا باقی تمام بدن ستر میں داخل ہے۔

نماز میں اگر چہرہ اور ہاتھ پاؤں کھلے رہے تو نماز ہو جائے گی باقی تمام بدن ڈھانپنا فرض ہے۔ یہ مسئلہ شرائط نماز کے سلسلے میں لکھا گیا ہے۔ اگر پردے کے سلسلے میں بیان کیا جاتا تو ان لوگوں کا استدلال کچھ جاندار ہوتا۔ منہ کھول کر نماز ہو جانے کے جواز سے غیر محرم کے سامنے بے پردہ ہو کر منہ کھولے ہوئے آنے کا ثبوت پکڑنا بڑی بددیانتی اور خود فریبی ہے بلکہ قرآن و حدیث کے صریح حکم کے خلاف اپنی رائے زنی ہے جو انتہائی خطرناک ہے۔ چہرہ چھپنا ضروری ہونے کے لیے سورۃ احزاب کی مذکورہ آیت کے ہوتے ہوئے مزید کسی دلیل کی ضرورت نہیں ہے، تاہم ان فاسد الخیال لوگوں کی تشفی کے لیے ہم چاہتے ہیں کہ جہاں سے ان موٹوں کو فریب ملے وہیں سے ان کی تردید پیش کر دیں۔

درمختار میں جہاں شرائط نماز کے بیان میں یہ مسئلہ لکھا ہے کہ چہرہ لفین (ہتھیلیاں) اور قدمین (پاؤں) ڈھانپنا، صحت نماز کے لیے ضروری نہیں ہے۔ وہیں یہ بھی درج ہے کہ

سمع سمرقند مشہد میں سلفہ رحمہ اللہ بیان فرماتے ہوئے ہیں

بحوف غنہ (درمختار علی ہدایہ ص ۲۸۹)

”اور جوان عورت و (نامحرم) مردوں کے سامنے چہرہ کھولنے سے اکا جاے گا (اور یہ روئے) اس وجہ سے نہیں کہ چہرہ (نماز کے) ستر میں داخل ہے بلکہ اس سے کہ (نامحرم کے سامنے چہرہ کھولنے میں) فتنہ کا خوف ہے۔“

شیخ ابن ہمام ”زاد الفقیر“ میں شرائط نماز بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ

”وفي مساوي صحيح ان معصومي مسدودا بکف

ما فوق الأدين وتحتهما۔“

”فتویٰ کی کتابوں میں ہے کہ مذہب صحیح یہ ہے کہ کانوں کے اوپر کا حصہ یعنی ہاں اور سر کے کھل جانے سے نماز فاسد ہوگی اور غیر مردوں کے یہ کانوں کے اوپر کے حصے اور کانوں کے نیچے کے حصے یعنی چہرہ وغیرہ کے دیکھنے کا ایک ہی حکم ہے۔ یعنی دونوں حصوں کا دیکھنا حرام ہے۔“ اسی طرح صاحب درمختار ان چیزوں کی فہرست بتاتے ہوئے جن کی وجہ سے شوہر کو یہ حق دیا گیا ہے کہ اپنے بیوی کو نہادے۔ باب النعزیر میں لکھتے ہیں

أو كشف . حنھا عبر محرم أو كمنه أو شمنه أو عصت مالم

نجر العادة بلا أذنه . (ردالمحتار : ۱۹۰/۳)

”(شوہر اپنی بیوی کو نہادے گا) اگر وہ اپنے چہرے کو غیر محرم کے سامنے کھولے یا غیر محرم سے بات کرے یا اس کو گالی دے یا اس کی بلا اجازت اس کے مال میں سے کسی کو کوئی ایسی چیز دے دے جو عادتاً بلا اجازت نہیں دی جاتی۔“

اس عبارت سے واضح ہوا کہ فقہاء کے نزدیک غیر محرم کے سامنے چہرہ کھولنے کی کوئی گنجائش نہیں ہے اور مزید یہ معلوم ہوا کہ غیر محرم سے بات کرنے پر بھی سزا دی جاسکتی ہے۔

افسوس صد افسوس! کہ بے پردہ ہو کر غیر محرم کے سامنے آنے یا اس سے بات کرنے پر بیویوں کو نہادینے کا کام جن کے سپرد کیا گیا تھا، آج دی بے پردگی و پسند کرتے ہیں اور ہر سر بازار بے پردہ ہو کر عورتوں کے نکلنے کو ہنر و کمال جانتے ہیں۔

پھر چہرہ تو مجمع المی سن ہے اور اصل جاذبیت اور کشش چہرے ہی میں ہے۔ اگر چہرہ، پردے

سے خارج ہو جائے تو مقصد پردہ یعنی عصمت و عفت کی حفاظت خطرے میں پڑ جائے گی۔ چہرہ صرف مجمع الحیسن ہی نہیں بلکہ مجمع الفتن بھی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مسلمان مردوں اور عورتوں کو نظر کی حفاظت کی الگ الگ خطاب کے ذریعے تعلیم دی ہے۔ چنانچہ ارشاد فرمایا

﴿قُلْ لِّلْمُؤْمِنِیْنَ بَعْضُوْا مِنْ اَنْصَارِهِمْ وَحَقِّصُوْا اَعْرَاسَهُمْ لِّنَفْسٍ

اَزْكَیْ لَہُمْ﴾ (سورۃ النور)

”آپ مسلمان مردوں سے کہہ دیجئے کہ اپنی نگاہیں نیچی رکھیں، اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کریں یہ ان کے لیے زیادہ صفائی کی بات ہے۔“ اسی طرح عورتوں کو قصہ ہے۔ فرمایا

﴿وَقُلْ لِّلْمُؤْمِنٰتِ بَعْضُصْ مِنْ اَنْصَارِهِنَّ وَیَحْضِضْنَ اَعْرَاسَهُنَّ وَلَا

یَبْدِیْنَ زِیْنَتَهُنَّ اِلَّا مَا ظَہَرَ مِنْهَا﴾ (سورۃ النور)

”اور مسلمان عورتوں سے کہہ دیجئے کہ اپنی نگاہیں نیچی رکھیں اور اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کریں اور اپنی زینت (کے مواقع کو) ظاہر نہ کریں مگر جو ان سے (غالب) کھلا رہتا ہے (جس کو ہر وقت چھپانے میں حرج ہے)۔“

ان آیات میں مردوں اور عورتوں کو حکم دیا گیا کہ اپنی نظریں نیچی رکھیں اور نامحرم عورتوں پر نظر نہ ڈالیں اور اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کریں۔

اسی طرح بعض احادیث میں بد نظری کو آنکھ کا زنا بتایا گیا ہے۔ اگر کسی مرد نے اپنی بیوی کے علاوہ کسی دوسری عورت پر لذت نفس کے لیے نظر ڈالی تو اس نے آنکھ کا زنا کیا۔ اسی طرح اگر کسی عورت نے اپنے شوہر کے علاوہ کسی مرد کو لذت نفس کے لیے دیکھا تو اس نے بھی زنا کیا۔ تو بد نظری کا فتنہ عام طور پر چہرے کے حسن کو دیکھ کر ہی پیدا ہوتا ہے۔ اسی سے دل مائل ہوتا ہے جس سے دوسری خرابیاں جنم لیتی ہیں۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ جسم کے بقیہ اعضاء کی طرح چہرے کو چھپانا بھی ضروری ہے۔ اس کو غیر محرم کے سامنے بلا ضرورت شدیدہ کھولنا ہرگز جائز نہیں۔

بہر حال عرض کرنے کا حاصل یہ ہے کہ خواتین کو غیر محرم کے سامنے چہرے کا کوئی حصہ کھولنے سے مکمل اجتناب کرنا ضروری ہے۔ پورا چہرہ کھولنا یا چہرے کا بعض حصہ کھولنا یا نقاب اس طرح باندھنا کہ آنکھوں کی پٹی کے ساتھ چہرے کا کچھ حصہ ظاہر ہو جائے جس سے چہرہ کی رنگ

ظاہر ہو، حسن کا پتہ چلے یہ مزاج شریعت اور انسانی غیرت کے خلاف ہے، اس لیے خواتین بھی اس کا اہتمام کریں اور مرد حضرات کو بھی چاہیے کہ اپنی خواتین سے چہرے کا پردہ کروائیں۔

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ تمام خواتین کو دین اور پردے کے احکام سمجھنے اور اس پر عمل کرنے کی توفیق دے اور ہر قسم کے فتنوں سے بچنے کی توفیق عطا فرمائے۔ (آمین)

نوٹ یہ مضمون رسالہ ”شرعی پردہ“ سے معمولی رد و بدل اور اضافہ ترمیم کے ساتھ ماخوذ ہے۔
غیر محرم کو ہاتھ لگانا:

عورت یا مرد کے ستر کے جس حصہ کو دیکھنا جائز نہیں اس کو ہاتھ لگانا بھی جائز نہیں۔

وما يباح النظر لمرجل من الرجل يباح للمس كذا في الهداية .

(ھدایۃ کتاب الکراہیۃ : ۴۰۴/۵)

وفیه أیضا قال : وما حل النظر إلیہ حل مسہ وبطرہ وعمرہ . من

غیر حائل ولکن ایما یباح النظر إذا کان یامس علی نفسه الشهوة فاما

إذا کان یحاف علی نفسه الشهوة فلا یحل له النظر ، وکذا لث المس

ایما یباح له إذا امن علی نفسه وعلیہا الشهوة .

(ھدایۃ : ۴۰۵/۵ کراہیہ)

اجنبی عورت سے مصافحہ کی ممانعت:

بلا کسی شدید مجبوری کے غیر محرم، کو ہاتھ لگانا شرعاً بڑا گناہ ہے، رسول اللہ ﷺ نے اس کو

ہاتھ کا زنا قرار دیا ہے، چنانچہ بخاری شریف کی روایت میں ہے کہ

”والیدان تزنیان وزناهما البطش“

یعنی ہاتھوں کا بھی زنا ہے، ہاتھوں کا زنا یہ ہے کہ (اجنبی مرد و عورت کا) ایک دوسرے کو پکڑنا۔

قوله عنه السلام أن یطعن فی رأس أحدکم بمحیط من حديد

حیرہ میں اُن بمس مراہ لا یحل له (رواہ الطبرانی والبیہقی)

”اپنے سر میں سوئی لٹھ پینا زیادہ بہتر ہے اس سے کہ ایسی عورت کو چھوئے جو اس کے لیے

حلال نہ ہو۔“

رسول اللہ ﷺ خود بھی عورتوں سے مصافحہ نہیں فرماتے تھے بدآور کوئی عورت خود درخواست

رتی تب بھی آپ ﷺ صاف انکار فرمادیتے تھے، چنانچہ روایت میں ہے

حر بن مائل احمد - محمد بن حنبل عن ائمة بنت ربيعة انها
قالت ثبت رسول الله صلى الله عليه وسلم في رسول فسيعة قلب يا
رسول الله سابعث عني ان لا شرك - الله منك ولا سرق ولا بقتل
اولادنا ولا ناسي نهنان بقرية من ايدنا وارحما ولا بعصيت في
معروف قال رسول الله صلى الله عليه وسلم فيما استصعفت واطقت
فما الله ورسوله ارحم مما ما نفساهم سابعث يا رسول الله فان اسي
لا اصطح النساء، وما قولني لعمارة امرأة كقولني لامرأة واحدة او مثل
قولني لامرأة واحدة .

(موطا امام محمد، باب ما يكره من مصاحبة النساء)

”امیر بنت رقیقہ رضی اللہ عنہا روایت کرتی ہیں کہ میں رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں ان
بہت سی عورتوں کے ساتھ حاضر ہوئی جو آپ سے بیعت کرنے کے لیے حاضر ہوئی تھیں۔ ہم نے
عرض کیا اے اللہ کے رسول! ہم آپ سے بیعت کرتی ہیں کہ ہم اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی کو شریک نہ
کریں گے، چوری نہ کریں گے، اپنی اولاد کو قتل نہ کریں گے، اپنی طرف سے کسی پر بہتان نہ
باندھیں گے، معروف (یعنی احکام شرع) میں نافرمانی نہ کریں گے، آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ
جس قدر تمہارے اندر استطاعت اور قدرت ہو۔ ہم نے کہا اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ ہم پر
خود سے زیادہ شفیق ہیں۔ یا رسول اللہ! اپنے دست مبارک ہماری طرف بڑھائیے تاکہ ہم آپ
سے بیعت کریں۔ تو رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ میں عورتوں سے مصافحہ نہیں کرتا ہوں میرا
سو عورتوں سے کچھ کہنا ایک عورت کو کہنے کی طرح یا ایک عورت کو کہنے کی مانند ہے۔ (موطا امام محمد)
لہذا امت کے لیے بھی یہی حکم ہے کہ کسی اجنبی عورت سے مصافحہ کرنا جائز نہیں اگرچہ وہ رشتہ
دار ہی کیوں نہ ہو، مثلاً چچی، ممانی، چچا زاد، ماموں زاد، پھوپھی زاد، خالو زاد، پھوپھا وغیرہ یعنی ایسا
رشتہ جن سے پردہ کرنا فرض ہے ان سے مصافحہ کرنا ناجائز ہے۔

ساس سے مصافحہ خطرہ کی گھنٹی:

جب کسی عورت سے شادی ہو جائے تو اس کی ماں اپنی ماں کی طرح ہوتی ہے حرمت میں اس

سے مصافحہ وغیرہ کرنا شرعی نفسہ جائز ہے تاہم اس میں ایک خطرہ ہے کہ بوقت مصافحہ اگر کسی ایک طرف شہوت ابھرتے اور یہ مصافحہ بلا کسی حائل کے ہو تو ایسی صورت میں حرمت مصاہرت ثابت ہو جاتی ہے پھر اس سے بیوی حرام ہو جاتی ہے اور یہ حرام ہونا ایسا خطرناک ہے کہ طلاق میں تو پھر بھی کسی نہ کسی صورت میں حلال ہونے کی گنجائش ہوتی ہے جبکہ حرمت مصاہرت کے ذریعہ جو حرمت ثابت ہوتی ہے وہ حرمت ہمیشہ کے لیے ہوتی ہے۔ اب آگے پھر دو ہی صورتیں ہیں یا تو انسان کے اندر اللہ تعالیٰ کا خوف ہو قیامت کی رسوائی اور جہنم کے عذاب کا ڈر ہو اور بیوی سے الگ ہو جائے اگر ایسا نہیں کرتا ہے اور بیوی کو ساتھ رکھتا ہے تو زندگی بھر حرام کام میں مبتلا رہے گا اس سے بڑا گناہ اور کیا ہو سکتا ہے اس لیے ساس سے معانقہ اور مصافحہ کرنے سے احتیاط کرنا چاہیے۔

والحنوة بالمحرم مساحة الااحت رصاعا والصهرة الشابة .

(رد المحتار: ۶۱/۲۶۹ فصل فی اللبس والظر)

یعنی محرم مردوں کے ساتھ خلوت میں بیٹھنا جائز مگر رضاعی بہن اور جوان ساس کے ساتھ خلوت سے اجتناب کرنا چاہئے۔

اشکال:

بعض لوگوں کو یہ اشکال ہوتا ہے آدمی سسرال میں جائے اور پھر ساس سے معانقہ/مصافحہ بھی نہ کرے تب تو ساری رشتہ داری ہی ختم ہو جائے گی۔ یہ اشکال ان لوگوں کو ہو سکتا ہے جو مزاج شریعت سے ناواقف ہو۔ احتیاط کرنے کے لیے تو اس لیے کہا جا رہا ہے کہیں ایسا نہ ہو کہ آپ شہوت سے مغلوب ہو جائیں اور اس حالت میں مصافحہ کر کے ہمیشہ کے لیے بیوی سے محروم ہو جائیں۔ دوسری بات یہ ہے کہ اگر اس طرح سلام کیا جائے کہ زبان سے ”السلام علیکم“ کہا جائے اور خیر خیریت معنوم کی جائے تو میرے خیال میں انشاء اللہ رشتہ داری اس طرح قائم رہ سکتی ہے۔

مرد کے لیے انگوٹھی کا حکم:

مرد کے لیے دو شرطوں سے انگوٹھی پہننا جائز ہے:

۱۔ چاندی کی ہو۔

۲۔ پانچ ماہ ۸۶ء ۴۸۶ء حرام سے کم ہو۔

تکینے میں کوئی قید نہیں، جس چیز کا بھی ہو اور جتنے وزن کا بھی ہو جائز ہے۔

قال العلامة التمر تاشي رحمه الله تعالى ولا يتحیی برجل
 ذهب وفضة ولا بحاتم مصطفی وحبیة سیف منها ولا بتحنم بغيرها
 كحجر وذهب وحديد وصر واعرہ بالحلقة لا بالفص
 وقال العلامة ابن عدي رحمه الله تعالى (قوله ولا يتحنم ولا
 بالفصة) هذه عبارة الإمام محمد رحمه الله تعالى في الجامع الصغير
 اي بحلاف المصطفی ولا يكره فيها حلقة حديد وحناس كما قدمه
 وهل حلية لسيف كدلت برأى قال الريعي رحمه الله تعالى وقد
 وردت اثار في حوار التحنم بالفصة وكان لسي صلي الله عليه وسلم
 خاتم فصة وكان في يده الكريمة حتى توفي صلي الله عليه وسلم ثم
 في يد ابي بكر رضي الله عنه الى ان توفي ثم في يد عمر رضي الله
 عنه الى ان توفي ثم في يد عثمان رضي الله عنه الى ان وقع من يده
 في السر فانفق مالا عظيما في طلبه فلم يجده ووقع الخلاف فيما
 بينهم والتشويش من ذلك الوقت الى ان استشهد رضي الله عنه
 (قوله فيحرم بغيرها) لما روي الطحاوي بإسناده إبي عمران بن
 حصين وأبي هريرة رضي الله عنهما قالاً بهي رسول الله صلى الله
 عليه وسلم عن حاتم الذهب وروي صاحب السس بإسناده إلى عبد
 الله بن بريدة عن ابيه رضي الله عنه ان رجلا جاء إلى النبي صلى الله
 عليه وسلم وعليه حاتم من شبه فقال له مالي اجد منك ربح الأصنام
 فطرحه ثم جاء وعليه خاتم من حديد فقال مالي اجد عليك حلية
 أهل النار فطرحه فقال يا رسول الله اي شيء إتخذته قال إتخذته من
 ورق ولا تنم مثقالا فعلم ان التخنم بالذهب والحديد والصر حرام
 فالحق اليشب بذلك لانه قد يتخذ منه الأصنام فاشبه الشبه الذي هو
 منصوص معلوم بالنص اتقاني والشبه محركا لحناس قاموس وفي
 الجوهرة والتخنم بالحديد والصر والحناس والرصاص مكروه

درجہ و نساء (ردالمحتار: ۱/۲۲۹، حس نفی ۶۹۹)
خواتین کے لیے انگٹھی کی تفصیل:

خواتین کے لیے سونے، چاندی کے علاوہ دوسری دھات لوہا، پیتل وغیرہ کی انگٹھی استعمال کرنے کا شرعاً کیا حکم ہے؟ تو سمجھ لینا چاہیے کہ عورتوں کے لیے سونے چاندی کے علاوہ کسی دوسری دھات، لوہا، پیتل وغیرہ کی انگٹھی پہننے کے بارے میں علماء کا اختلاف ہے بعض مکرہ تحریمی کہتے ہیں بعض تنزیہی اور بعض کی رائے یہ ہے کہ یہ بلا کراہت جائز ہے اس لیے احتیاط اس میں ہے کہ سونے چاندی کے علاوہ دوسری دھات کی انگٹھی استعمال نہ کی جائے تاہم اگر کوئی استعمال کرے تو اس کی گنجائش ہے۔

قال العلامة ابن عابدین رحمہ اللہ تعالیٰ تحت قوله (فیجرہ
 غیرہا) وفي الجوہرۃ والتختم بالحديد والصفر والسناس والرخاص
 مکروہ للرجال والنساء. (ردالمحتار: ۶/۳۵۹)

وفي العالم مکبرية قال: التختم بالحديد والصفر والسناس
 والرخاص مکروہ للرجال والنساء۔ إلی قوله ولا بأس بأن يتخذ
 حاتم حديد قد لوي عليه فضة (أو ذهب) حتی لا يرى کدافی
 المحيط.

وفي إمداد الأحکام قال، قلت: والكراهة إذا اطلقت يراد بها
 کراهة التحريم وبالحملة فلا يجوز التختم بشيء من المعادن الا
 للرجال بالفضة والنساء بها وبالذهب إلی قوله اما قوله صلى الله
 عليه وسلم التمس ولو خاتما من حديد فلا يدل على جوار التمس
 وإنما يدل على جوار اعطائه للمرأة في مهرها لتتم به بيعها ونحوه
 وقد حمله علماءنا الحنفية على المصلحة في التماس، فإن المهر
 عندهم لا يكون اقل من دينار معناه التمس ولو شيئا قليلا حتی
 تمحلہ في مهرها. (۴/۳۵۸)

وفي الحاوي للفتاوى قال: اما التختم بمسائر المعادن ما عد

الذهب فعیر حرام۔ خلاف کس ہل بکرہ و جہاں احدثہم بعد
 بحديث بریدة أن رجلاً جاء إلى النبي صلى الله عليه وسلم عليه حاتم
 من شاة (أي اللحم الأصفر) فقل ما في حديث ربيع الأصم
 فصرحه ثم جاء وعنه حرم من حديد فقال ما في أري عشت حبة
 أهل السار، فصرحه فقال يا رسول الله من أي شيء اتحد، قال
 تحده من ورق ولا تنم متقلاً، أخرجه أبو داود، والترمذي وفي
 سنده رجل متكلم فيه فصعفه النووي في شرح لمهذب لاجله ولكن
 ابن حبان صححه فأخرجه في صحيحه

وأيضاً الثاني أنه لا يكره ورجحه النووي في التروية وفي شرح
 المهذب قال نضع الحديث الأول، وما أخرجه أبو داود بإسناد
 جيد عن معيق الصحابي قال كان حاتم النبي صلى الله عليه وسلم
 من حديد موى عليه الفضة (الحاوي للفتاوى: ۱/ ۷۵)

فتاویٰ رشیدیہ میں ہے لو ہے اور پتیل کی انگوٹھی میں مرد اور عورت یکساں ہیں اور کراہت ان
 کے پہننے کی تزیینی ہے نہ تحریمی کہ مسند مجتہد فیہا ہے اور امام شافعی رحمہ اللہ کے ہاں مردوں کو بھی
 درست ہے۔ (فتاویٰ رشیدیہ: ص ۴۹۱)

دانتوں کے گرد سونے چاندی کا خول لگانا:

بعض لوگوں کے دانت ملتے ہیں اور بعض بے تو نکل کر گر جاتے ہیں اس کے بعد بعض لوگ
 سونے چاندی کے خول چڑھاتے ہیں شرعاً یہ جائز ہے یا نہیں اس کے ساتھ وضوء غسل کا کیا حکم ہو
 گا؟

واضح ہو کہ ایسا خول لگانا چونکہ ضرورت میں داخل ہے اور اتارنے میں حرج ہے وہ مدفوع ہے
 شرعاً لہذا یہ خول چڑھانا جائز ہے اور بدون اتارے وضوء اور غسل صحیح ہو جائے گا۔

و بصائرہا مشہورہ و فی کتب النجوم مسطورة، بل بصواعلی

حوار اتحاد الاساس من الذهب و شدھاہ ولو کان مانعاً عن صحۃ

الغسل لما افتوا بہ . (أحسن الفتاوى: ۲/ ۳۳)

إذ نعصر صررس أو بحر، وإحراج النرجل إلى استعمال ذهب
في نسيجه، فإنه يجوز له للمصرورة، للماعدة الشرعية المشهورة،
وهي قولهم "بصرورات تبيع لمحظورات" فإن استعمال غير
ذهب، في صلاح الأصراس أو لأسنان، قد لا يصح، حيث
يتعصر صررس ويتسوس بواسطة الطعام، ولا يرفع في حمايته إلا
الذهب، لأنه لا يتغير ولا ينتن.

ودليل الإباحة ما روي عن الصحابي "عرفجه بن أسعد" أنه قال
"أصيب أبي - أن في إحدى العرواب - فأنحدرت أبقا من ورق -
في من قصة - فأنتس علي - أي صار له ريحة كريهة مستة - تنغير -
فأمرني رسول الله صلى الله عليه وسلم أن أتحد أبقا من ذهب
فدل هذا الحديث على جواز استعمال الذهب للنرجال عند
الضرورة.

علامہ صابونی فرماتے ہیں کہ سونے کے خول چڑھانا جائز ہونے کی دلیل حدیث عرفجہ ہے وہ
فرماتے ہیں کہ ایک غزوہ میں میری ناک شہید ہو گئی میں نے چاندی کی ناک بنوائی وہ بدبودار ہو گئی
تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ سونے کی ناک بنالو۔

قال الفقهاء: يجوز لمن سقطت أسنانه، أو تعفست أصراسه، أن
يتخذ بدلها من الذهب أو الفضة، وكذا لث يجوز لمن قطعت أفعه أن
يتخذ بدلها من الفضة أو الذهب.

حضرت مفتی محمد شفیع صاحب رحمہ اللہ ایک سوال کے جواب میں تحریر فرماتے ہیں
اگر کسی شخص کا دانت ملنے لگے تو اس کو سونے یا چاندی کی تار سے باندھنا جائز ہے جیسا کہ
قدوسی قاضی خان میں ہے:

إذا تحركت ثنية الرجل إلى أن قال فشدّها بذهب أو فضة لا
يأس به وليس هذا كالحلّى الخ. (إمداد المفتين: ص ۸۱۵)

قال محمد رحمه الله يشدها بالذهب ايضاً وهو رواية عن الإمام

أُتِي حَبِيبَةُ ذَكَرُوا أَحَاكِمَ فِي الْمُسْتَقَى وَافْتَى فِي خِلَاصَةِ الْمَعَاوَى
سُحُورِ إِتْحَادِ السُّسْ مِنَ الذَّهَبِ وَالْفِصَّةِ .

(فتاویٰ عالمگیری کتاب الکراہۃ باب عاشر ۴، ۲۱۴)

سونے چاندی کے برتن استعمال کرنا:

آج کل بعض لوگ کھانے پینے کیلئے ایسے برتن استعمال کرتے ہیں جو کہ چاندی یا سونے کے بنے ہوتے ہیں، کیا از روئے شریعت ایک مسلمان کیلئے ایسے برتنوں کا استعمال جائز ہے یا نہیں؟ یاد رہے کہ حضور ﷺ کی تعلیمات سادگی اور بے تکلفی کا مظہر ہیں، سونے چاندی کے برتنوں میں کھانے پینا تکلف اور تکبر ظاہر کرنا مقصود ہوتا ہے اس لیے نبی کریم ﷺ نے اس قسم کے برتنوں کے استعمال سے منع فرمایا ہے لہذا ایسے برتنوں کا استعمال جائز نہیں۔

عن حذیفة رضى الله عنه قال سهاى السى صلى الله عليه وسلم ان
يشرب من اية الذهب والفضة وان ماكل فيها وعن نلبس الحرير
والديباغ وان نحلس عليه .

(الصحيح البخاري . ۸۶۸/۲ کتاب الداس ، باب من الحرير من غير لبس)

سونے چاندی کے کیس کی گھڑیاں اور سونے کے نب کا قلم:

سونے چاندی کے کیس کی گھڑیاں اور سونے کے نب کا قلم استعمال کرنے کا کیا حکم ہے؟ اس بارے میں امداد المقتضین سے ایک سوال و جواب نقل کیا جاتا ہے۔

سوال: آج کل ولایتی گھڑیاں سونے اور چاندی کی جو رائج ہیں ان کا استعمال شرعاً جائز ہے یا ناجائز۔ اندورنی پرزے تمام لوہے کے ہوتے ہیں اوپر کا خول جو ہوتا ہے اس میں بھی غالب حصہ دوسری دھات کا ہوتا ہے اور کمتر سونے کا۔ نیز یہ بھی مطلع فرمائیں کہ آیا ایسی چیزوں پر زکوٰۃ دینا چاہیے یا نہیں اور یہ بھی تحریر فرمائیں کہ فاؤنٹین پین (ولایتی قلم) جس میں سونے کا نب رہتا ہے اس کا استعمال بھی جائز ہے یا نہیں؟ بیوا تو جروا

جواب: یہ ولایتی گھڑیاں جن کا کیس سونے چاندی کا کیا جاتا ہے اس میں چونکہ دوسری دھاتیں غالب اور سونا، چاندی مغلوب ہوتا ہے اس لیے یہ سونے چاندی کے حکم میں نہیں بلکہ عام دھاتوں کی طرح اسباب و متاع میں داخل ہیں۔ (صرح بہ الہدایہ وغیرہا) لہذا ان کا استعمال

مردوں کے لیے جار ہے اور کوۃ بھی مثل سونے اور چاندی کے بن پر نہیں آتی، البتہ اگر تجارت کے لیے گھڑیاں ہوں تو عام تجارتی مال کی طرح ان پر بھی زکوۃ آئے گی، فاونٹین پین میں بھی جو بھرتا ہوتا ہے وہ بھی مالِ باس نے کا نہیں ہوتا اس لیے جائز ہے۔

احکام الصيد والذبائح

اللہ تعالیٰ نے حیوانات میں ان جانوروں کو انسان کے لیے حلال قرار دیا جن کا گوشت انسان کے لیے نافع ہے۔ جیسے اونٹ، گائے، بھینس، بھینٹ، بکریاں وغیرہ اسی طرح بعض جنگلی جانوروں کو بھی حلال قرار دیا ہے جیسے نیل گائے، خرگوش، برن وغیرہ۔ جس کی تفصیل نظر و اباحت کے تحت زیر چکی ہے یہاں شکار اور ذبح کے احکام کا بیان ہے۔

قوله تعالى ﴿أَحَلَّتْ لَكُمْ سَهْمَةَ الْأَنْعَامِ﴾ (المائدة: ۱)

”حلال ہوئے تمہارے لیے چوپائے مویشی۔“

وقوله تعالى ﴿بِمَنْتَلَوْتُ مَا دَا أَحَلَّ لَكُمْ فَلْأَحِلَّ لَكُمْ الطَّيْبُ

وَمَا عَلَّمْتُمْ مِنَ الْحَوَارِجِ مَكْلِسٍ تَعْمَلُوهُنَّ مِمَّا عَدَمَكُمُ اللَّهُ فَاكُلُوا مِمَّا

امْسَكَ حَبِيبُكُمْ وَادْكُرُوا اسْمَ اللَّهِ عَلَيْهِ وَاتَّقُوا اللَّهَ إِنَّ اللَّهَ سَرِيعُ

الْحِسَابِ﴾ (سورة المائدة: ۴)

”یعنی لوگ پوچھتے ہیں کیا کیا جانور ان کے لیے حلال کیے گئے ہیں فرمادیتے کہ تمہارے لیے کل حلال جانور حلال رکھے گئے ہیں جن شکاری جانوروں کو تم تعلیم دو اور تم ان کو (شکار پر) چھوڑ دو اور ان کو اس طریقہ سے تعلیم دو جو تم کو اللہ نے تعلیم دیا ہے، تو ایسے شکاری جانور جس شکار کو تمہارے لیے پکڑیں اس کو کھا لو اس پر اللہ کا نام بھی لیا کرو اور اللہ سے ڈرتے رہا کرو بے شک اللہ تعالیٰ جلدی حساب لینے والے ہیں۔“

شکار کے حلال ہونے کی شرائط:

اول یہ کہ شکاری کتیا یا باز سکھایا اور سدھایا ہوا ہو اور سکھانے سدھانے کا یہ اصول قرار دیا ہے کہ جب تم کتے کو شکار پر چھوڑو تو وہ شکار پکڑ کر تمہارے پاس لے آئے۔ خود اس کو کھانے نہ لگے۔ اور باز کے لیے یہ اصول مقرر کیا ہے کہ جب تم اس کو داپس بلاؤ تو وہ فوراً آجائے اگرچہ وہ شکار

کے پیچھے رہا ہو۔ جب یہ شکاری جانور اسے سدھ جائے تو اس سے ثابت ہوگا کہ وہ جو شکار کرتے ہیں تمہارے لیے کرتے ہیں اپنے لیے نہیں، اب ان شکاری جانوروں کا شکار خود تمہارا شکار سمجھا جائے گا اور اگر کسی وقت وہ اس تعلیم کے خلاف کریں مثلاً اتنا خود شکار کو کھانے لگے یا باز تمہارے بلائے پر واپس نہ آئے تو یہ شکار تمہارا نہیں رہا۔ اس لیے اس کا کھانا جائز نہیں۔

دوسری شرط یہ ہے کہ تم فوراً اپنے ارادہ سے کتے کو یا باز کو شکار کے پیچھے چھوڑ دینا کہ وہ خود بخود کسی شکار کے پیچھے دوڑ کر اس کو شکار کر لیں۔ آیت مذکورہ میں اس شرط کا بیان لفظ ”مکلبین“ سے کیا گیا ہے۔ یہ لفظ دراصل تکلیب سے مشتق ہے، جس کے اصلی معنی کتوں کو سکھلانے کے ہیں، پھر عام شکاری جانوروں کو سکھلانے اور شکار پر چھوڑنے کے معنی میں بھی استعمال ہونے لگا۔ صاحب جلالین اس جگہ مکلبین کی تفسیر ارسال سے کرتے ہیں جس کے معنی ہیں شکار پر چھوڑنا اور تفسیر قرطبی میں بھی یہ قول نقل کیا گیا ہے۔

تیسری شرط یہ ہے کہ شکاری جانور شکار کو خود نہ کھانے لگیں بلکہ تمہارے پاس لے آئیں۔ اس شرط کا بیان ﴿مما امسک عبکم﴾ سے ہوا ہے۔

چوتھی شرط یہ ہے کہ جب شکاری کتے یا باز کو شکار پر چھوڑ دو تو بسم اللہ کہہ کر چھوڑ دو جب یہ چاروں شرطیں پوری ہوں تو اگر جانور تمہارے پاس آنے تک ذمہ توڑ چکا ہو تو بھی حلال ہے ذبح کرنے کی ضرورت نہیں۔ ورنہ بغیر ذبح کے تمہارے لیے حلال نہ ہوگا۔

امام اعظم رحمہ اللہ کے نزدیک ایک پانچویں شرط یہ بھی ہے کہ یہ شکاری جانور شکار کو زخمی بھی کر دے۔ اس شرط کی طرف لفظ جوارح میں اشارہ موجود ہے۔

مسئلہ یہ حکم ان وحشی جانوروں کا ہے جو اپنے قبضہ میں نہ ہوں اور اگر کسی وحشی جانور کو اپنے قابو میں کر لیا گیا ہے تو وہ بغیر باقاعدہ ذبح کے حلال نہیں ہوگا۔

آخر آیت میں یہ ہدایت بھی کر دی گئی ہے کہ شکار جانور کے ذریعہ اللہ تعالیٰ جل شانہ نے حلال تو کر دیا ہے، مگر شکار کے پیچھے لگ کر نماز اور ضروری احکام شرعیہ سے غفلت برتنا جائز نہیں۔

(معارف القرآن: ۳/۵۰، سورۃ المائدۃ)

ذبح کرنے کا شرعی طریقہ:

ذبح کرنے کا شرعی طریقہ یہ ہے کہ جانور کو قبلہ زوالنا کرتے چھری ہاتھ میں لے کر قبلہ رخ ہو کر

بسم اللہ اکبر کہہ کر گلے پر چلائی جائے یہاں تک گلے کی چار رگیں کٹ جائیں، ایک زخروہ، جس سے جانور سانس لیتا ہے، دوسری وہ رگ جس سے دانہ پانی جاتا ہے، اور دوسری رگیں جو زخروہ کے دائیں بائیں ہوتی ہیں، اگر ان چاروں میں سے تین کٹ جائیں تو بھی ذبح درست ہے اور اس کا کھانا حلال ہے، البتہ اگر دوسری رگیں کٹیں تو جانور مردار ہوگا اس کا کھانا جائز نہ ہوگا۔

قال فی التسمیة: وعروقه الحلقوم والمری، والود جان وحل
بقطع ای ثلاث مہما، وقال ایضا، وندب اعداد شعرته قل
الاضجاع.

(رد المحتار: ۲۰۶/۵ کتاب الذبائح)

ذبح کے وقت بسم اللہ کا حکم:

ذبح کرتے وقت بسم اللہ پڑھنا ضروری ہے، لہذا جس جانور کو ذبح کرتے ہوئے جان بوجھ کر اللہ کا نام نہ لیا جائے اس کا گوشت حلال نہیں، خواہ ذبح کرنے والا مسلمان ہی کیوں نہ ہو، البتہ اگر بسم اللہ پڑھنا یاد نہ رہے تو ذبیحہ حلال ہوگا، شافعی حضرات مسلمان کے ذبیحہ کو مطلقاً حلال قرار دیتے ہیں خواہ عمداً تسمیہ چھوڑ دے یا نسیاناً۔

لقولہ تعالیٰ: ﴿وَلَا تَأْكُلُوا أَمْوَالَكُمْ يَدًا كَرَّاسِمَ اللَّهِ عَلَيْهِ وَابَهُ
لَمَسَقٍ وَإِنَّ الشَّيْطَانَ لِرَبِّهِ لَكَاوٍ﴾

(سورة الأنعام: ۱۲۱)

”اور ایسے جانوروں میں سے مت کھاؤ جن پر اللہ کا نام نہ لیا گیا ہو اور یہ کھانا گناہ ہے، یقیناً شیطان دل میں ڈالتے ہیں اپنے دوستوں کے تاکہ وہ تم سے جھگڑا کریں۔“

ذبح کے وقت بسم اللہ غیر عربی میں کہنے کا حکم:

ذبح کے وقت اللہ کا نام لینا ضروری ہے، لیکن بسم اللہ کو عربی زبان میں کہنا ضروری نہیں چنانچہ اگر کوئی ذبح کے وقت کہے کہ اللہ کے نام پر ذبح کرتا ہوں، تب بھی ذبیحہ حلال ہوگا۔ احسن الفتاویٰ ۴۰۵/۱ میں ہے

إِنَّ الْمُفْهَمَ رَحِمَهُمُ اللَّهُ لَمْ يَشْتَرِطُوا الْعَرَبِيَّةَ وَلَوْ كَانُوا لَدَكُرُوهُ .
لیکن افضل اور مستحب یہی ہے کہ عربی میں یوں کہے ”بسم اللہ اکبر“

عورت کے ذبیحہ کا حکم:

اگر کوئی مسلمان خاتون جو ذبح کے طریقے سے واقف ہو وہ اللہ کا نام لے کر جانور ذبح کرے تو یہ بھی جائز ہے، ان میں کوئی رابست نہیں۔ ذبیحہ بلا رابست حلال ہے۔
ذبح کے وقت پوری گردن کٹنے کا حکم:

ذبح کے وقت پوری گردن کاٹنا مکروہ ہے کیونکہ اس میں جانور کو بے ضرورت زائد تکلیف پہنچاتا ہے۔ البتہ اگر کوئی شخص قصد پوری گردن کاٹ دے تو یہ فعل اگرچہ مکروہ ہے تاہم گوشت کا استعمال مکروہ نہیں ہے۔

نابالغ بچہ کے ذبیحہ کا حکم:

اگر نابالغ بچہ ذبح کا طریقہ جانتا ہو اور پھر اللہ کا نام لے کر ذبح کرے تو اس کا بچہ بھی حلال ہے۔
گوشت کے ذبیحہ کا حکم:

گوشت مسلمان کا ذبیحہ بھی حلال ہے۔

و شرط كون الدابح مسلما حلالا الى قوله ولو الدابح
 محسونا أو امرأة أو صبيًا يعقل التسمية والدبوح ويفدر أو اقف أو
 احرس (رد المحتار: ۶/ ۲۹۷ کتاب الدبائح)

اہل کتاب کے ذبیحہ کا حکم:

مسلمان کی طرح اہل کتاب یعنی یہودی، نصرانی جو دین سادہ پر ایمان رکھتا ہو اور ذبح کے وقت اللہ تعالیٰ کے نام لینے کو ضروری سمجھتا ہو ان کا ذبیحہ فی نفسہ حلال ہے۔

لِقَوْلِهِ تَعَالَى : ﴿ وَطَعَامُ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ حَلَلٌ لَكُمْ وَطَعَامُكُمْ
 حَلَلٌ لَهُمْ ﴾ (سورة المائدة: ۵)

قال ابن عباس: (طعامهم) دبايحهم. (المخاري: ۳/ ۳۱۱)

وفال جمهور الامة إن ذبيحة كل نصراني حلال سواء كان من

بني تعلق وعبرهم وكذلت اليهود. (تفسير قرطبي: ۶۰/ ۷۸)

حضرت مفتی محمد شفیع صاحب رحمہ اللہ تحریر فرماتے ہیں کہ تمام کفار میں سے اہل کتاب یہود و

نصاری کا ذبیحہ اور ان کی عورتوں سے نکاح حلال قرار دینے کی وجہ یہ ہے کہ ان کے دین میں

سینکڑوں تحریغات ہونے کے باوجود ان دو مسئلوں میں ان کا مذہب بھی بالکل اسلام کے مطابق ہے یعنی وہ ذبیحہ پر اللہ کا نام لینا عقیدۂ ضروری سمجھتے ہیں اس کے بغیر جانور کو مردار میتہ ناپاک اور حرام قرار دیتے ہیں۔ الخ (معارف القرآن: ۵۱/۳)

وصعام اهل الكتاب قال ابن عباس و ابو امامه و مجاهد و سعيد
بن جبیر و عكرمة و عطاء و الحسن و مكحول و ابراهيم النخعي
و السدي و مقاتل بن حيان يعنى دبائحهم حلال للمسلمين لانهم
يعتقدون تحريم الذبح غير الله و كروا على دبائحهم ! لا اسم الله
و ان اعتقدوا فيه تعالى ما هو منزله عه تعالى و تقدس .

(تفسیر ابن کثیر مائده: ۱۹/۳)

اب اگر کوئی نصرانی ذبح کے وقت اللہ کے نام کے بجائے عیسیٰ علیہ السلام کا نام لے تو ان کا ذبح حرام ہوگا۔

و يشترط لحل ذبيحة الكتابي أن لا يدكر اسم غير الله ، فإن دكر
اسم المسيح عند الذبح حرمت ذبيحة ، لأنه احل لغير الله ، وقد حرم
الله ما اهل به لغيره اي ذكر عليها اسم غير الله تعالى عند الذبح .

(فقہ المعاملات)

خلاصہ کلام یہ ہے کہ کوئی یہودی یا نصرانی دین سماوی پر قائم ہو اور اسلامی طریقہ پر ذبح کو ضروری سمجھتا ہو اور وہ ذبح کے وقت اللہ تعالیٰ کا نام لیکر ذبح کرے تو اس کا ذبیحہ حلال ہے، لیکن موجودہ زمانہ میں ایسے اہل کتاب ناپید ہو چکے ہیں، لہذا یہود و نصاریٰ کا ذبیحہ حرام کہا جائے گا۔

چنانچہ حضرت مفتی اعظم مفتی رشید احمد لدھیانوی صاحب رحمہ اللہ ذبیحہ اہل کتاب پر مفصل بحث فرمانے کے بعد تحریر فرماتے ہیں کہ ”مگر تحقیق سے ثابت ہوا کہ وہ اسلامی طریقہ کے مطابق ذبح کو ضروری نہیں سمجھتے کسی بھی طریقہ سے مار دیئے کو کافی سمجھتے ہیں اور یہ ان کے ہاں عام معمول ہے، امرغی پڑی بردن مردہ زوی اور بھیج کر ائب بردی، لہذا ان کا ذبیحہ، مخفقہ یا موقوفہ کے حکم ہونے کی بناء پر حرام ہے۔“ (حسب حساب: ۱۶۱)

حضرت مفتی محمد شفیع صاحب رحمہ اللہ تحریر فرماتے ہیں

یاد رکھنا چاہیے کہ آج کل جو لوگ نصاریٰ کہلاتے ہیں ان میں سے بہت سے ایسے لوگ بھی ہیں جو ہر یہ ہیں کسی مذہب ہی کو نہیں مانتے بلکہ خدا کے وجود ہی کو نہیں مانتے بلکہ خدا کے وجود ہی کے قائل نہیں یہ لوگ اگرچہ مردم شماری کے اعتبار سے نصاریٰ کہلاتے ہیں، مگر حکم شرع میں ایسے لوگ اہل کتاب نہیں ہو سکتے، ان کا ذبیحہ بھی کسی حال میں درست نہیں اگرچہ بسم اللہ پڑھ کر ذبح کرے، اس لیے بہتر یہی ہے کہ غیر مسلم یہود و نصاریٰ کے ذبیحہ سے بھی تا بمقدور احتراز کرے۔

(امداد المعنین: ۱۶/۹۳۱)

مذبح جانور کے پیٹ سے نکلنے والے بچہ کا حکم:

اگر جانور ذبح کرنے کے بعد اس کے پیٹ سے مردہ بچہ نکلا تو اس کا کھانا حرام ہے، اس کو استعمال میں نہ لایا جائے اور اگر زندہ بچہ نکلا تو اس کو اگر شرعی طریقہ سے ذبح کیا جائے تو اس کا گوشت حلال ہوگا، فقہاء جو لکھتے ذکاة الجنین ذکاة امہ اسکا مطلب یہی نکلتا ہے کہ بچے کے ذبح کا وہی طریقہ ہے جو ماں کے ذبح کا ہے۔

قال فی شرح التویر: وفي مطومة السفی قوله إن الحین مفرد
محکمہ لم یتدک بدکاة امہ . فحذف المصنف إن وقلا إن تم حلقه
اکل لقوله علیه الصلوۃ والسلام ذکاة الحین ذکاة امہ وحمله الإمام
على التشبیه ای کذکاة امہ بدلیل انه روی بالنصب وليس فی ذبح
الأم اصاعة الولد لعدم التبقی بموته . (ردالمحتار ۵۰/۲۱۳)

(ماخوذ از احسن الفتاویٰ: ۷/۴۰۹)

جانور ٹھنڈا ہونے سے پہلے سر جدا کرنا:

ٹھنڈا ہونے سے پہلے مذبح جانور کا سر تن سے علیحدہ کر دینا مکروہ ہے کیونکہ اس میں بے فائدہ جانور کو تکلیف پہنچاتا ہے، البتہ ذبیحہ حلال ہے۔

قال فی الدر المختار: وکره کل تعذیب بلا فائدة مثل قطع
الرأس والسلح قبل ان ترصد . (ردالمحتار: ۵/۲۰۵، کتاب لدبائح)

بندوق کا شکار بدون ذبح حلال نہیں:

بندوق کا شکار اگر ذبح کرنے سے پہلے مرجائے تو وہ حرام ہو جاتا ہے اس کا کھانا حلال نہیں

ہے، درمختار میں ہے

و سدوقہ سنہ ذات حده غلبہ رطل لا یحرج

اور شامیہ میں ہے

فان قصی حال لا یحل صید سدوقہ و یحرج و یحرج
و یحرج و ما منہ ذلت ورن حرج لایحرق ہی ان ورن
لحرج الذی یدق فی الباطن و لا یحرق فی الظاہر لا یحل لایہ لا
حاصل بہ سہار لدم و الاصل ان سہار ہذا حصہ لا یحرج بہین حل
وہن بالثقل او شد فیہ لا یحل حتماً او احتیاطاً .

(ماہودار امداد المعنی)

بندوق اور غلیل کے شکار کا حکم:

بندوق کے چھرے اور گولی اور غلیل کے غنہ ان سب کا حکم شرعی یہ ہے کہ ان کے ذریعے ذبح
کا تحقق نہیں ہوتا اگرچہ اسم اللہ نہ کہہ کر بندوق یا غلیل چھوڑی جائے یہ ہے کہ ذبح کرنے میں جن
چاروں رگوں کا قطع کرنا ضروری ہے ان میں یہ شرط ہے کہ ان کو دھار دار چیز سے قطع کیا جائے کسی
بوجھل چیز کے صدمے سے تو زانہ جائے بندوق کے چھرے گولی اور غلیل کے غنہ ظاہر ہے کہ دھار
دار نہیں ہوتے اس لیے ان سے جو زخم لگتا ہے وہ قطع کرنے کے حکم میں نہیں ہو سکتا۔ یہی مذہب
مفتی ہے جس کی تصریح مائتبی نے کتاب الذبائح میں کی ہے۔ نیز درمختار میں ہے

وحل الذبح بکل ما افری الاوداج فانہر الدم .

(الدر المختار ص ۲۹۴ کتاب الذبائح)

جس سے معلوم ہوا کہ ذبح کے لیے قطع کرنا عروق اربعہ کا ضروری ہے توڑ دینے سے یہ
صورت حاصل نہیں ہو سکتی۔ (امداد المفتین صفحہ ۹۴۳)

حرام مغز کا حکم:

فقہ حنفی کی کتابوں میں عام طور پر حلال جانوروں کے سات اجزاء، و حرام کہتے ہیں، مگر حرام
مغز کا کھانا بھی حرام ہے۔

کما صرح بہ الطحاوی علی الدر ۵/۳۶ حیث قال ورید نفع

الصلب . (ماحو ذار امداد المفتین)

مشینی ذبیحہ کا حکم:

مشینی ذبیحہ کے بارے میں تفصیل جاننے کے لیے یہ سوساں وجوہ یہاں نقل کیے جاتے ہیں:

کیا فرماتے ہیں علماء دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں

۱۔ بعض علماء یہ کہتے ہیں کہ احادیث میں جو طریق ذبح مذکور ہے یعنی طلق اور لبہ پر چھری، چاقو وغیرہ دھاری دار آلہ سے ذبح یا نحر کرنا "امر تعبیدی" نہیں بلکہ "امر عادی" ہے۔ عرب میں چونکہ اسی طرح جانور ذبح کیے جاتے تھے، اس لیے "تشیع" سے منع نہیں کیا گیا۔ اس کے ساتھ اسی طریق کو قائم رکھا، لہذا مسلمان یا کتابی بسم اللہ ابراہیم کر جس طریق پر بھی جانور ذبح کر لیں، ذبیحہ حلال ہوگا یہ قول صحیح ہے یا نہیں؟

۲۔ صنعتی ترقی کے اس مشینی دور میں انسان زیادہ سے زیادہ کام سپنہ ہاتھ سے کرنے کی بجائے مشینوں سے رہ رہا ہے۔ چنانچہ یورپ و امریکہ میں ایسی برقی مشینیں ایجاد ہو گئی ہیں کہ بہت سارے جانور اس کے نیچے کھڑے کر دیے جاتے ہیں اور ایک مرتبہ مٹن دبانے سے ان سب کی گردنیں سٹ جاتی ہیں۔ تو اگر مٹن دبانے والا مسلمان یا کتابی بسم اللہ ابراہیم کر مٹن دبانے تو یہ ذبیحہ حلال ہوگا یا نہیں؟

ابواب از حضرت مفتی محمد شفیع صاحب

۱۔ یہ قول صحیح نہیں، جانور کے حلال ہونے کے لیے نص قرآن "ذکاة شرعی" ضروری ہے اور "ذکاة اختیاری" کا طریقہ شرعیہ ذبح یا نحر ہے اور ان کا محل طلق اور لبہ ہے جس کا تعین حدیث صحیح میں "امور عادیہ" کے طور پر نہیں بلکہ "تشریعی" طریقہ پر کیا گیا ہے۔

۲۔ اس طرح جانور کی گردن اوپر کی طرف سے کاٹ کر میچہ کر دینا، خواہ دستی چھری کے ذریعہ ہو یا کسی مشین کے ذریعہ، ذبح کے شرعی طریقہ کے خلاف اور باحق جمہور ناجز اور گناہ ہے۔ البتہ جو جانور اس ناجز طریقہ سے ذبح کر دیا گیا ہے اس کا گوشت حلال ہونے میں تفصیل یہ ہے کہ اگر مٹن دبانے سے بیک وقت چھری سب جانوروں کی گردنوں پر گئی اور بسم اللہ پڑھ کر مٹن دبا دیا گیا تو یہ ایک بسم اللہ سب کیلئے کافی ہوگئی اور اگر سب سے پیچھے گردنیں نہیں تو یہ بسم اللہ پہلے

جانور کیلئے کافی ہوگی، باقی جانوروں کے لیے یہ بسم اللہ معتبر نہ ہوگی اور اسی لیے باتفاق امت یہ جانور حرام اور مردار قرار پائیں گے۔

پھر اس طرح گردن کے اوپر سے ذبح کیے ہوئے جانور، جن پر بسم اللہ پڑھنا معتبر بھی ہے، ان کے حلال ہونے میں فقہاء صحابہ و تابعین میں اختلاف ہے، حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے اس کا بھی حرام ہونا منقول ہے اور حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما اس طریقہ ذبح کے ناجائز اور گناہ ہونے کے باوجود اس کے گوشت کو حلال قرار دیتے ہیں۔

(صحیح بخاری کتاب الذبائح)

تفصیل و تشریح جواب:

تفصیل اس اجمال کی یہ ہے کہ قرآن کریم نے کسی جانور کا گوشت حلال ہونے کے لیے ذکاۃ کو ضروری قرار دیا ہے بغیر ذکاۃ شرعی کے ذبیحہ قطعاً حرام ہے۔ یہ ذکاۃ قرآن کا ایک اصطلاحی لفظ ہے جس کی تشریح عنقریب آئے گی۔

سورۃ مائدہ میں قرآن کریم کا واضح ارشاد ہے:

﴿حرمت علیکم المیتة والدم ولحم الخنزیر وما اهل لغير الله به

والممخقة والمفوضة والمتردية والطیحة وما اكل السبع الا ما

دکیتہ﴾

اس آیت کریمہ میں حرمت سے مستثنیٰ صرف وہ جانور ہیں جن کو ذکاۃ شرعی کے ذریعہ حلال کر یا گیا ہو۔ ذکاۃ شرعی کے متعلق امام راغب اصفہانی نے مفردات القرآن میں فرمایا

و حقیقة المدکبة إحراج الحرارة العربیة کس حص فی اشرح

بابطال الحیاة علی وجه دون وجه .

امام راغب کی اس تصریح سے دو باتیں معلوم ہوئیں۔ اول یہ کہ ذکاۃ مطلقاً جانور کو قتل کر دینے کا نام نہیں، بلکہ اس کے لیے ایک خاص طریقہ مقرر ہے۔ دوسرے یہ کہ خاص طریقہ محض عادات و رسوم کے تابع نہیں، بلکہ ایک شرعی اصطلاح اور ایک قانون ہے۔

پھر قرآن و سنت نے ذکاۃ کی دو صورتیں قرار دی ہیں۔ ایک اختیاری، جیسے گھریو اور پالتو جانوروں کی ذکاۃ۔ دوسرے غیر اختیاری، جیسے شکاری یا جو جانور کسی وجہ سے قابو سے نکل جائے

مقررہ طریق پر ذبح نہ کیا جاسکے۔ دوسری صورت کی ذکاۃ حسب تصریح احادیث صحیحہ۔ سم اللہ کے ساتھ تیر یا نیزہ وغیرہ سے زخم لگا کر زخمی کر دینا اور خون بہا دینا ہے۔ ذبح یا نحر شرط نہیں۔

اور پہلی قسم یعنی اختیاری ذکاۃ کے لیے ذبح یا نحر ضروری ہے۔ گائے، بیل اور بکری میں ذبح کرنے کا اور اونٹ میں نحر کرنے کا حکم ہے۔

ذبح کی حقیقت یہ ہے کہ چار رگیں تو حلقوم اور مری اور ان دونوں کے دو طرف اردن کی رگیں جن کو دھین کہا جاتا ہے، ان کو قطع کر دینا اور نحر کی صورت یہ ہے کہ جانور کو کھڑا کر کے اس کے لبہ یعنی حلقوم کے گھڑے میں نیزہ یا چھری مار کر ذبح بہا دیا جائے۔

قرآن عزیز میں گائے کے متعلق ﴿ان سدحوا بقرہ﴾ اور ﴿مدسحوا﴾ کے الفاظ سے اور دنبہ کے متعلق ﴿مدسماہ مدسح عصب﴾ کے الفاظ سے معلوم ہوا کہ گائے، بیل، بکری، دنبہ وغیرہ میں ذبح کرنا مسنون ہے اور ﴿فصل لربک و انسحر﴾ کے الفاظ سے اونٹ کا نحر کرنا معلوم ہوا۔ کیونکہ یہ آیت اونٹ کی قربانی کے متعلق نازل ہوئی ہے۔ دوسری جگہ قرآن کریم میں اونٹوں کے متعلق صواف کا لفظ بھی آیا ہے اس سے بھی اونٹ کا نحر ہی معلوم ہوتا ہے۔

رسول کریم ﷺ اور صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا تعامل بھی ہمیشہ یہی رہا ہے۔ اس کے خلاف یعنی اونٹ کا ذبح کرنا یا گائے، بکری وغیرہ کا نحر کرنا کہیں منقول نہیں۔ اس لیے باقی امت ایسا کرنا جائز نہیں، اگر کسی نے سنت کے خلاف ایسا کر دیا تو حضرت امام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک اس کا گوشت بھی حرام ہو گیا۔ دوسرے ائمہ رحمہم اللہ تعالیٰ کے نزدیک اگرچہ طریقہ ذکاۃ خلاف سنت ہونے کا گناہ ہوا مگر چونکہ حقیقت ذکاۃ پائی گئی، اس لیے گوشت حلال ہے۔

لما فی البدائع ولو سحر ما یدسح وذبح ما یسحر یحل لوجود مری

الاولیٰ و لکن یکرہ لان السہ فی الإبل النحر وہی غیرھا الذبح (إلی

قوله) وقال مالک إذا دسح البدنة لا تحل لأن الله تبارک وتعالى أمر فی

البدنة بالسحر بقوله عن مشاهہ ﴿فصل لربک و انسحر﴾ فإذا ذبح ترک

العامور به فلا یحل. (بدائع ۵/ ۴۱)

بدائع میں مذکور ہے کہ اگر ذبح کیے جانے والے جانور کو نحر کر دیا، یا نحر کیے جانے والے جانور کو

ذبح کر دیا تو ذبیحہ حلال ہو گا اس لیے کہ گردن کی رگوں کا کٹنا پایا گیا لیکن مکروہ ہو گا اس لیے کہ سنت

اونٹ میں نحر ہے اور باقی میں ذبح ہے۔ امام مالک کا قول ہے کہ اگر اونٹنی کو ذبح کر لے تو وہ حلال نہ ہوگی اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے آیت کریمہ ﴿فصل من دابة من هذه الذکاة﴾ میں اوناٹ کو نحر کرنے کا حکم دیا ہے تو جب اس شخص نے بجائے نحر کے ذبح کر دیا تو اس نے فعل ما مور بہ جس کا حکم تھا اس کو ترک کر دیا۔

جانور کے حلال ہونے کے لیے ذکاة شرعی کی شرط اور ذکاة کی اقسام و احکام کے متعلق مذکورہ بالا تصریحات قرآن و سنت اور اقوال صحابہ و تابعین اتنی بات سمجھنے کے لیے کافی ہیں کہ ذبح کا جو طریقہ رسول کریم ﷺ نے تعیم فرمایا ہے وہ محض رسم عادت نہیں، بلکہ جاہلیت کی رسموں اور عادتوں کو بدل کر ایک ”تعبدی“ طریقہ جاری کیا گیا ہے جس کی خلاف ورزی گناہ ہے اور بعض صورتوں میں ذبیحہ بھی حلال نہیں ہوتا۔

موجودہ سوال میں ذکاة غیر اختیاری اور اوناٹ کے نحر کی بحث نہیں۔ زیر بحث صرف وہ جانور ہیں جن کی ذکاة کا مسنون طریقہ ذبح ہے یعنی گائے، بکری، دنبہ وغیرہ۔ اس لیے ذبح کی شرعی حقیقت اور اس کی شرائط پر کسی قدر مزید تفصیل لکھی جاتی ہے۔ جس سے دوسرے سوال کا جواب واضح ہو جائے گا۔

ذبح کی تعریف صحیح بخاری میں حضرت عطاء بن رباح سے یہ نقل کی گئی ہے، الذبح قطع الاوداج، اس میں اوداج۔ و دج کی جمع ہے جو حلقوم اور مری کے دائیں بائیں دو موٹی رگوں کا نام ہے اور عادتاً ان کا قطع کرنا حلقوم اور مری کے ساتھ ہی ہوتا ہے اس لیے مراد ان چاروں چیزوں کا قطع کرنا ہے۔ یعنی حلقوم جس سے سانس اندر آتا جاتا ہے اور مری جس سے غذا اندر جاتی ہے اور دونوں طرف گردن کی موٹی رگیں جن سے خون کا سیلان ہوتا ہے اور ان کا محل متعین کرنے کے لیے ہدایہ میں رسول کریم ﷺ کی حدیث نقل کی ہے جس میں ارشاد ہے

الذکاة بین اللبة واللحیین .

یعنی ذبح دونوں چیزوں کے نیچے گردن اور سینہ کے درمیان گڑھے تک ہے۔ اس درمیان میں جس جگہ سے بھی کاٹ دیا جائے، ذبح درست ہوگا، جمہور فقہاء امت کے نزدیک ذبح کی یہی تعریف ہے اور عام کتب فقہ میں یہی مذکور ہے البتہ اس میں ائمہ مجتہدین کے اقوال مختلف ہیں کہ ان چاروں میں سے اگر کوئی رگ رہ جائے تو ذبیحہ حلال ہوگا یا نہیں؟ جس کی تفصیل میں جانے کی

نہ جبد ضرورت نہیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ ذبح نامسنون اور شرعی طریقہ سے ذبح مسموم پر مسماؤں میں رائے ہے۔ چاروں روایات کے یہ چار روئی رئیس قطع رائی جا میں۔ جن سے خون بہہ جائے اور سر بالکل اجڑے جسک وہ بھی نہ ہوگا، گئے تو بالکل خراب کاٹ دینے واجب نہ ہوتا ہے۔ حدیث صحیح بخاری میں اس سے منع کیا گیا ہے۔

عن ابن جریج عن حماد بن عمار عن عمر بن الخطاب عن سفيان بن عيينه عن

يقطع ما دون العظم ثم يدع حتى يموت .

یعنی حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما نفع کرنے سے منع فرماتے تھے اور فرماتے تھے کہ ہڈی کی آخری ہڈی جس کو نخاع کہا جاتا ہے، اس کو قطع نہیں کرنا چاہیے، بلکہ چار رگیں کاٹ کر چھوڑ دیں یہاں تک کہ جانور مر جائے۔

اور بدائع الصنائع میں آنحضرت ﷺ کا یہ ارشاد نقل ہے

الا لا تمنعوا الذبیحة .

یعنی مذبوح کا سر بالکل دھڑ سے مت الگ کرو۔

اور یہ ظاہر ہے کہ یہ کوئی رائے اور قیاس کا معاملہ نہیں۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کا منع فرمانا اس کی دلیل ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ہی نفع کرنے سے منع فرمایا تھا۔ اس لیے گلے کی رگوں کو اتنا گہرا کاٹنا کہ آخر گردن تک پہنچ جائے۔ اس حدیث کی رو سے ناجائز ثابت ہوا اور اس سے زیادہ اشد گناہ اور ناجائز یہ ہے کہ گدی کی طرف سے کاٹا جائے اور سر کو دھڑ سے علیحدہ کر دیا جائے۔ ہذا یہ میں ہے:

ومن بلغ بالسكين السحاج او قطع الرأس كره له ذلث وتوكل

دییحتہ وإن ذبح الشاة من قعاها فقتبت حية حتی قطع العروق حل

لتحقق الموت بما هو ذکاة .

اور جس شخص نے ذبح کے وقت چھری کو نخاع تک یعنی گردن کی آخری ہڈی تک پہنچا دیا تو یہ مکروہ ہے، مگر ذبیحہ حلال ہے اور اگر بکری کو گدی کی طرف سے ذبح کیا اور وہ بروق ذبح قطع ہونے تک زندہ رہی تو ذبیحہ حلال ہو گیا مگر ایسا کرنا مکروہ و ناجائز ہے۔

در مختار شامی میں ہے:

و كره دسحب من فداها ان بقيت حية حتى تقطع العروق و إلا لم

تحل لموتها بلا ذكاة و النزع و قطع الرأس .

جانور کو گدی کی طرف سے ذبح کرنا مکروہ ہے اگر جانور کی رگیں قطع ہونے تک زندہ رہے ورنہ حلال نہیں، کیونکہ وہ قبل ذبح مر گیا، اور نزع کرنا بھی مکروہ ہے۔ یعنی گردن کی آخری ہڈی تک کاٹ دینا اور سر کو کاٹ دینا بھی مکروہ ہے۔

اور بدائع الصنائع میں ہے

ولو ضرب علق جرورا و بقرة او شاة بسيفه فاباها و مسمى فإن
كان صربها من قبل الحلقوم تو كل و قد اساء اما حل الا كل فلاله
انسی بفعل الذكاة و هو قطع العروق و اما الاساءة فلاله راد فی المھا
ریادة لا یحتاج إیھا فی الذكاة فیکره دنث و ان صربھا من الفم فان
ماتت قبل القطع بان ضرب علی التامی و التوقف لا تو كل لانھا ماتت
قبل الذكاة فکانت میتة و ان قطع العروق قبل موتھا تو كل لوجود
فعل الذكاة وھی حية إلا أنه یکره ذلك . (بدائع : ۵ / ۴۲)

اور اگر اونٹ یا گائے یا بکری کی گردن پر تلوار مار کر گردن الگ کر دی اور بسم اللہ پڑھ کر ایسا کیا تو اگر یہ کام طلق کے رخ سے کیا ہے تب تو ذبیحہ حلال ہے مگر ایسا کرنا برا ہے۔ ذبیحہ کی حلت تو اس لیے ہے کہ ذکاة کی شرائط پائی گئیں اور برائی اور گناہ اس لیے ہے کہ اس شخص نے بلا ضرورت جانور کو غیر ضروری تکلیف دی۔ اس لیے مکروہ ہے، اور اگر گردن کے اوپر سے تلوار مار کر گردن الگ کی ہے تو اگر عروق ذبح تک تلوار پہنچنے سے پہلے جانور مر گیا، مثلاً آہستہ آہستہ کاٹا اور ذبح کی رگوں تک پہنچنے سے پہلے مر گیا تو وہ مردار ہے، کھانا اس کا حلال نہیں، اور اگر فوری طور پر کاٹا گیا اور مرنے سے پہلے ذبح کی رگیں کٹ گئیں تو گوشت حلال ہے اگرچہ طریقہ ذبح مکروہ و ناجائز ہے۔

روایات مذکورہ بالا سے ثابت ہوا کہ جانور کو گردن کے اوپر سے کاٹنا ذبح کے طریق مشروع کے خلاف اور ناجائز ہے اور گردن کو دھڑ سے علیحدہ کرنا الگ ایک مکروہ فعل ہے۔ اگر گردن کے اوپر سے کاٹنے کی صورت میں آہستہ آہستہ کاٹا جائے جس سے عروق ذبح قطع ہونے سے پہلے موت واقع ہو جائے تو اس صورت میں ذبیحہ بھی مردار اور حرام ہو جاتا ہے، البتہ اگر تیز چھری

سے فوراً گردن الگ کر دی جائے تو طریق ذبح خلاف شرع ہونے کے گناہ کے باوجود بسم اللہ پڑھ کر یہ عمل کیا گیا ہے تو ذبیحہ حلال قرار پائے گا۔

بجلی کی مشینوں کے ذریعہ اوپر کی طرف سے چھری گردن پر رکھ کر گردن کاٹ دینے سے بظاہر یہ صورت تو نہ ہوگی کہ عروق ذبح قطع ہونے سے پہلے موت واقع ہو جائے کیونکہ یہ قطع بڑی سرعت اور تیزی کے ساتھ ہوگا۔ اس لیے اگر مشین کی چھری گردن پر رکھنے والے نے بسم اللہ کہہ کر چھری رکھی ہے تو گو غیر مشروع طریقہ سے ذبح کرنے کا گناہ ہوا مگر گوشت حلال ہو گیا۔

لیکن یہاں ایک مسئلہ دوسرا یہ سامنے آتا ہے کہ بہت سے جانوروں کو مشین کے نیچے کھڑے کر کے ایک مرتبہ بسم اللہ پڑھ بھی لی گئی ہو تو کیا وہ سب جانوروں کے حلال ہونے کے لیے کافی ہے یا صرف پہلے جانور کے لیے کافی ہوگی اور دوسرے جانور مردار پائیں گے۔

اس کے متعلق مقتضی نصوص اور اصول شرعیہ کا یہ ہے کہ بسم اللہ پڑھنا اور ذبح کرنا دونوں متصل واقع ہوں، معمولی ایک آدھ منٹ کی تقدیم کا کوئی اثر نہ ہوگا کیونکہ اتنا فرق ہو جانا عادتاً ناگزیر ہے مگر اس سے زیادہ تقدیم ہوئی تو یہ تسمیہ ذبح کے متصل نہ ہونے کے سبب کالعدم ہو جائے گا اور جانور مردار قرار پائے گا۔

بدائع الصنائع میں ہے:

فوقتها في الذكاة الاختيارية وقت الذبح لا يجوز تقديمها عليه

إلا بزمان قليل لا يمكن التحرر عنه لقوله تبارك وتعالى ﴿ولا تأكلوا

مما لم يذكر اسم الله عليه﴾ والذبح مصمر فيه معناه ولا تأكلوا مما

لم يذكر اسم الله تعالى عليه من الذبائح ولا يتحقق ذكر اسم الله

تعالى على الذبيحة إلا وقت الذبائح. (بدائع الصنائع: ٤٩/٥)

تسمیہ (بسم اللہ) کہنے کا وقت اختیاری ذکاة میں بعینہ ذبح کرنے کا وقت ہے، لہذا پہلے سے

بسم اللہ کہہ لینا ناجائز ہے، بجز اس قدر قلیل زمانہ کے جس سے بچنا ممکن نہ ہو۔ اس لیے کہ اللہ

تبارک وتعالیٰ کا ارشاد ہے کہ ”اور مت کھاؤ اس جانور کا گوشت جس پر اللہ کا نام نہ لیا گیا۔“ ذبح کا

لفظ یہاں مضمر (پوشیدہ) ہے اور معنی یہ ہیں کہ ذبح کے وقت جس جانور پر اللہ کا نام نہیں لیا گیا اس کا

گوشت مت کھاؤ۔ لہذا ذبیحہ پر اللہ کا نام لینا اسی وقت متحقق ہوگا جبکہ ذبح کے وقت نام لیا گیا ہو۔

اسی بناء پر صاحب بدائع نے امام ابو یوسف رحمہ اللہ تعالیٰ سے یہ روایت نقل کی ہے کہ اگر ایک شخص نے ایک بکری کو ذبح کرنے کے لیے ثایا اور اس پر بسم اللہ پڑھی پھر اس کو چھوڑ کر دوسری بکری کو اسی سابقہ تسمیہ پر اکتفاء کر کے ذبح کر دیا تو یہ بکری مردار ہے اس کا کھانا جائز نہیں۔ کیونکہ جو بسم اللہ پڑھی گئی اس کے اور ذبح کے درمیان فصل ہو گیا۔

اور مبسوط میں امام محمد رحمہ اللہ تعالیٰ کے حوالہ سے یہ نقل کیا ہے

ارأيت الداح يدبح الشاتين والشلانة فيسمى على الأول ويدح

التسمية على غير ذلك عمدًا قال يأكل الشاة التي سمي عليها ولا

يأكل ما سوى ذلك (بدائع الصانع ۵/۴۹)

حضرت مسئلہ بتائیں۔ ایک ذبح کرنے والا دو یا تین بکریوں کو ذبح کرتا ہے اور اللہ کا نام پہلی پر لیتا ہے اور باقی پر عمدًا چھوڑ دیتا ہے (اس کا کیا حکم ہے؟) فرمایا (ایسی صورت میں) صرف پہلی بکری حلال ہے باقی حلال نہیں۔

البتہ اگر دو بکریوں کو ایک ساتھ رکھ کر دونوں کے گلے پر بیک وقت چھری پھیری ہے تو یہ تسمیہ دونوں کے لیے کافی ہوگا اور دونوں حلال ہو جائیں گی۔

لو اصبح شاتين وامر السكيب عليهما معا انه تجزئ في ذلك

تسمية واحدة. (بدائع: ۵/۵۰)

اگر دو بکریوں کو ایک ساتھ زمین پر لٹایا اور دونوں پر ایک ساتھ چھری پھیری تو اس صورت میں ایک مرتبہ بسم اللہ کہنا کافی ہوگا۔

روایات مذکورہ کی روشنی میں مسئلہ زیر بحث: ”بہت سے جانور مشین کی چھری کے نیچے کھڑے کر دیے جائیں اور بسم اللہ پڑھ کر ان کی گردن کاٹ دی جائے۔“ اس میں غیر مشروط طریقہ پر ذبح کرنے کے گناہ کے علاوہ صرف وہ جانور حلال سمجھے جائیں گے جن پر چھری بیک وقت پڑی ہے۔ بشرطیکہ مشین کی چھری چلانے کے وقت بسم اللہ پڑھ لی گئی ہو اور بعض صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے نزدیک یہ بھی طریق ذبح غیر مشروع ہونے کے سبب حرام ہے اور جن جانوروں کی گردن پر چھری بسم اللہ پڑھنے کے بعد تدریجاً پڑی ہے وہ ترک تسمیہ کی وجہ سے جمہور کے نزدیک حرام اور مردار قرار پائیں گے۔

خلاصہ کلام:

مذکورہ بالا تفصیل میں سوال کے دونوں نمبروں کا جواب آگیا اور خلاصہ اس کا یہ ہے کہ یورپ کے شہروں کا مروجہ طریقہ ذبح خلاف شرع اور موجب گناہ ہے۔ مسلمانوں کو جہاں تک قدرت ہو اس سے بچیں اور اپنے ملکوں میں اس کے رواج کو بند کریں اور یورپ کے علاقوں میں رہنے والے مسلمان جو اس طریقہ کے بدلے پر قادر نہیں اور گوشت کی ضرورت بہر حال ہے ان کے لیے مندرجہ ذیل شرائط کے ساتھ اس گوشت کا استعمال کرنا جائز ہوگا ان میں سے ایک شرط بھی نہ پائی گئی تو حرام ہوگا۔

۱. مشین کے ذریعہ ذبح کرنے والا آدمی مسلمان، نصرانی یا یہودی ہو۔
۲. مشین کی چھری جانوروں کی گردن تک پہنچاتے وقت اس نے خالص اللہ کا نام بسم اللہ اکبر پڑھا ہو۔

۳. یہ چھری جتنے جانوروں کی گردن پر بیک وقت پڑی ہے وہ جانور ممتاز اور الگ ہوں۔ دوسرے جانور جن پر چھری بعد میں پڑی ہے اور وہ مردار ہیں، ان کا گوشت پہلے جانوروں کے گوشت میں مخلوط نہ ہو گیا ہو۔ مگر ظاہر ہے کہ باہر سے جانے والے اور مختلف علاقوں کے رہنے والے مسلمانوں کو ان شرائط کے پورے ہونے کا علم ہونا آسان نہیں اس لیے اجتناب ہی بہتر ہے۔ واللہ سبحانہ و تعالیٰ اعلم (بندہ محمد شفیع عفا اللہ عنہ دارالعلوم کراچی)

حضرت مفتی محمد شفیع صاحب رحمہ اللہ کا یہ فتویٰ اور اس کے خلاف ایک فتویٰ حضرت اقدس مفتی رشید احمد صاحب رحمہ اللہ کی خدمت میں برائے تصویب پیش کیے گئے تو حضرت رحمہ اللہ نے ان الفاظ میں جواب ارشاد فرمایا کہ حضرت مفتی شفیع صاحب مدظلہم کا جواب صحیح ہے، یعنی مشین سے ذبح کرنا جائز نہیں مگر (مذکورہ بالا تفصیل کے ساتھ) ذبیحہ حلال ہوگا۔

مزید تفصیلات کے لیے ملاحظہ فرمائیں۔ (احسن العناوی: ۷/۴۷۳)

اہل بدعت کے ذبیحہ کا حکم:

بعد از سلام مسنون ایک مسئلہ معلوم کرنا چاہتا ہوں وہ یہ کہ بریلویوں کے پیچھے نماز پڑھنا، ان کے ہاتھ کا ذبیحہ کھانا اور ان کے ساتھ نکاح کرنا شرعاً ان کا کیا حکم ہے؟

جواب: اللہ تعالیٰ کے ساتھ شریک ٹھہرانا، رسول اللہ ﷺ کے لیے علم غیب کلی ثابت کرنا، آپ

کی بشریت کا انکار کرنا، آپ کو ہر جگہ حاضر و ناظر سمجھنا، اولیاء اللہ کو نفع و نقصان کا مالک سمجھنا، مافوق الاسباب حاجت روا سمجھنا، ان کی قبروں پر سجدہ کرنا، ان کے تقرب و عبادت کی نیت سے کوئی جانور ذبح کرنا یا مزاروں پر چڑھاوے چڑھانا کفر و شرک ہے۔

ایسے عقائد رکھنے والے شخص کا حکم یہ ہے کہ اس کے پیچھے نماز نہیں ہوتی، جو نمازیں پڑھی ہوں ان کا اعادہ لازم ہے، ایسے شخص کا ذبیحہ بھی حرام ہے اور اس سے نکاح نہیں ہو سکتا۔

البتہ جو شخص مندرجہ بالا عقائد نہ رکھتا ہو مگر بدعات (تیج، چالیسواں وغیرہ) کا ارتکاب کرتا ہو وہ بدعتی ہے، اس کا حکم یہ ہے کہ اس کو امام بنانا اور اس کے پیچھے نماز پڑھنا مکروہ تحریمی ہے، انتظامیہ مسجد پر لازم ہے کہ اسے معزول کر کے کسی قبیح السنۃ صالح امام کو مقرر کرے، ورنہ سب وبال انتظامیہ پر ہوگا۔ حوام کے لیے حکم یہ ہے کہ اگر قریب میں کوئی صالح امام میسر نہ ہو جس کے پیچھے نماز پڑھ سکیں اور اس بدعتی و فاسق امام کو ہٹانے پر قادر بھی نہ ہوں تو فرض نماز اسی کے پیچھے پڑھیں، جماعت ترک نہ کریں۔ نیز ایسے شخص کے ذبیحہ کھانا حلال احتیاط اولیٰ ہے۔

اس کے علاوہ جس شخص کے عقائد مشتبہ ہوں، اس کے پیچھے نماز پڑھنے سے احتیاط اور حتی الامکان اس کے ذبیحہ سے احتراز لازم ہے۔

قال اللہ تعالیٰ: ﴿إِنَّ اللَّهَ لَا يَغْفِرُ أَنْ يُشْرَكَ بِهِ وَيَغْفِرُ مَا دُونَ

ذَلِكَ لِمَنْ يَشَاءُ﴾ (سورة النساء: ۴۸)

وقال الخليل عليه السلام: ﴿وَاجْسَنِي وَبَنِي أَنْ نَعُدَّ الْأَصْنَامَ﴾

(سورة إبراهيم: ۳۵)

وعن عبد الله ابن مسعود رضي الله عنه: أن رسول الله صلى

الله عليه وسلم قال: "من مات وهو يدعو من دون الله نداً دخل

النار." (رواه البخاري)

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جس شخص کا انتقال اس حالت میں ہوا کہ وہ اللہ کے

سوا کسی شریک کو بھی پکارتا ہو وہ جہنم کی آگ میں داخل ہوگا۔

ولمسلم عن جابر رضي الله عنه: أن رسول الله صلى الله عليه

وسلم قال: "من لقي الله لا يشرك به شيئاً دخل الجنة، ومن لقيه

بشرك به شيئاً دخل النار .“

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جس نے اللہ تعالیٰ کے ساتھ اس حال میں ملاقات کی کہ وہ اللہ کے ساتھ کسی غیر کو شریک نہ مانتا ہو وہ جنت میں داخل ہوگا۔ (مسلم)

قال العلامة الحلبي رحمه الله تعالى : ما حرر من ان كراهة تقديم فاسق كراهة تحریم و يكره تقديم المبتدع ايضاً لأنه فاسق من حيث الاعتقاد وهو اشد من الفسق من حيث العمل لأن الفاسق من حيث العمل يعترف بأنه فاسق و يحاف و يستعمر بخلاف المبتدع ، والمراد بالمبتدع من يعتقد شيئاً على خلاف ما يعتقد به أهل السنة والجماعة وإنما يحور الإفتداء به مع الكراهة إذا لم يكن ما يعتقد به يؤدي إلى الكفر عند أهل السنة أما لو كان مؤدياً إلى الكفر فلا يحور أصلاً . (غيبة المستملی شرح مية المصلی : ۵۱۴)

اہل تشیع کے ذبیحہ کا حکم:

علماء محققین کے نزدیک موجودہ دور میں اہل تشیع تعصب اور بغض و عناد کی وجہ سے اور کفریہ عقائد رکھنے کی وجہ سے ان کے ذبیحہ کا حکم مرتدین کے حکم میں ہو کر کھانے کے قابل نہیں۔

لما قال العلامة طاهر بن عبد الرشيد البخاري الرافضي إن كايست الشيعيين و يلعبها فهو كافر و إذا كان يفضل علياً على أبي بكر و عمر رضي الله عنهم لا يكون كافراً ، كره مبتدع .

(خلاصة الفتاوى : ۳۸۱/۴ کتاب الکراهية)

علامہ عبد الرشید بخاری نے کہا کہ رافضی ائمہ حضرات شیخین ابو بکر، عمر گوگالی دیتا ہو، اور ان پر لعن و طعن کرتا ہو، وہ کافر ہے، اور اگر صرف حضرت علیؑ و شیخین پر فضیلت دیتا ہو وہ کافر نہیں فاسق بدعتی ہے

اونٹ ذبح کرنے کا طریقہ:

اونٹ کے ذبح کا مسنون طریقہ ”نحو“ کرتا یعنی اونٹ دھڑا کر کے گردن میں چھرا گھونپ کر رگیں کاٹنا۔

و نسفة في ذبح الابل أو بكون قائمة مقيدة يسهل بحرها قال
تعالی ﴿وَالَّذِينَ جَعَلْنَاكُمْ مِنْ شَعَائِرِ اللَّهِ كُمْ فِيهَا حِيرٌ وَذَكَرُوا
اسم الله عسها صوف﴾ (حج ۳۶) قال ابن عباس . صوف ي
قياماً .

ارشاد باری تعالیٰ ہے قربانی کے اونٹ اور گائے کو ہم نے اللہ کی یادگار بنایا ہے، ان
جانوروں میں تمہارے ذمے ہیں، سو تم ان پر کھڑے ہو کر اللہ کا نام لیا کرو۔

روى البخاري عن ابن عباس رضي الله عنه قال سحر نسي صبي
الله عليه وسلم سبع بدن قياماً، وصحى بالمدينة كنس منحيين
اقرنيس . (اخرجه البخاري في الحج : ۲۹۶/۱)

حضرت انس رضی اللہ عنہ روایت فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے سانٹھ اونٹوں کا نحر فرمایا،
(یعنی کھڑا کر کے چھرا گھونپ کر رگیں کاٹ کر ذبح فرمایا) اور مدینہ منورہ میں دو چتکبرہ سینٹ
والے مینڈوں کی قربانی فرمائی۔

عن ابن عمر رضي الله عنه انه اتى عبي رجل قد احس بدنة يريد
ان يسحرها، فقال له ابن عمر ابعتها قياماً مقيدة، سه بي فاسم
صلى الله عليه وسلم

(اخرجه صحاح في الحج ۱ : ۲۹۶ . باب سحر الابل مقيدة فائمه)

احکام الاضحية و المقيقة

قربانی کا نصاب:

سونے، چاندی، مال تجارت اور گھر میں روزمرہ استعمال کی چیزوں سے زائد سامان کی قیمت
لگا کر اس میں نقدی جمع کی جائے، ان پانچوں کا مجموعہ یا ان میں سے بعض ۸،۴۷۹؎ رام سونے
یا ۶۱۴،۳۵۱؎ رام چاندی کے برابر ہونے تو اس کے ذمہ قربانی واجب ہے تین جوڑے پیڑوں سے
زائد لباس اور ریڈیو اور ٹی وی جیسی خرافات انسانی حاجات میں داخل نہیں اس لیے ان کی قیمت
بھی حساب میں لگائی جائے گی۔

فـ لَام مـ حصکفی رحمہ اللہ تعالیٰ و سرائضہا الإسلام
والاقامة والیسار الہی یتعلق بہ وجوب صدقة الفطر .
وقال لعلامة من عابدین رحمہ اللہ تعالیٰ . (قوله و یسار الحج)
سُ مَسَّ مائِی درہم او عرصا ایساویہا عمر مسکھ و ثياب المس
و من ع بحتجہ ہی اُن یدفع الاصحیة (انی قوله) . صاحب الثیب
لاربعة مئو سوي سربع بصا اعاوی و ثلاثة فلا لأن احدها لسدالة
والاخر للمهمة و الثالث للجمع و الوعد و الاعیاد .

(ردالمحتار : ۵/۲۱۹)

قربانی نہ کرنے پر وعیدیں:

قوله عبہ سلام . من كان له سعة و سہ بصح ، فلا یقرس
مصلان . (أخرجه ابن ماجه ، وقال الحافظ فی الفتح ۱۰۳ و رواه
ایضا احمد و رواه ثقات) .

جناب رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جو مالدار (یعنی قربانی کے نصاب کا مالک ہو) اور
قربانی نہ کرے وہ ہمارے عید گاہ کے قریب بھی نہ آئے۔

روي الترمذي عن ابن عمر انه قال : اقام النبي صلى الله عليه
وسلم بالمدينة عشر سنين يصحى .

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما روایت فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ دس سال تک مدینہ منورہ
میں مقیم رہے ہر سال قربانی فرماتے تھے۔ ترمذی

مسافر پر قربانی واجب نہیں:

مسافر یعنی جو شخص عید الاضحی کے دنوں میں اپنے شہر کی حدود سے اڑتالیس میل شرعی یا اس سے
زیادہ دور کے فاصلہ پر ہو اور اس نے کسی جگہ پندرہ دن یا اس سے زیادہ عرصہ ٹھہرنے کی نیت نہ کی
ہو اس کے ذمہ قربانی واجب نہیں۔

قال عسی رضي الله عنه : لا جمعة ، ولا تشریق ، ولا فصر ، ولا

اصحی ، الا فی مصر

(اخرجہ عبد الرزاق فی مصنف والبیہقی واسی ابی شیبہ)

قال الطحاوی : ولا تحب الاضحیة عنی المسافر .

(الفتاویٰ ہندیہ : ۲۹۳/۵)

شریک ہو کر قربانی کرنا:

اونٹ، گائے، بھینس، کی قربانی میں سات آدمی شریک ہو سکتے ہیں، دو، تین آدمی شریک ہو کر بھی قربانی کر سکتے ہیں۔

لما روی عن جابر رضی اللہ عنہ قال : اشترکنا مع النبی صلی اللہ علیہ وسلم فی الحج و العمرة کل سعة فی بدنة ، فقال رجل لـجابر ، أیشترک فی البدنة یعنی البقرة . ما یشترک فی الجرور ؟ ای الحمل ۔ قال : ما ہی الا من البدن . (صحیح مسلم : ۹۵۵/۱)

حضرت جابر روایت فرماتے ہیں کہ ہم لوگ رسول اللہ ﷺ کے ساتھ حج و عمرہ میں شریک ہوئے تھے، اور قربانی کے بڑے جانور اونٹ میں سات آدمی شریک ہوئے کسی نے پوچھا گائے، بیل میں کتنے آدمی شریک ہو سکتے ہیں؟ فرمایا کہ اس میں سات شریک ہو سکتے ہیں۔

البتہ سات سے زیادہ آدمی کا شریک ہونا جائز نہیں اگر کسی جانور میں سات سے زیادہ آدمی شریک ہو گئے تو کسی کی بھی قربانی ادا نہ ہوگی۔

یحجب أن یعلم إن الشاة لا تحزى الا عن واحد وإن کانت عطیمة و البقر و العیر عن سعة إذا كانوا یریدون به وجه اللہ تعالیٰ و التقدير بالسبع یمع الریادة و لا یمع النقصان

(فتاویٰ ہندیہ : ۲۰۴/۶)

قربانی کے جانور کی عمر:

بکری اور بھیڑ کی عمر ایک سال، گائے، بھینس دو سال، اونٹ پانچ سال، ہاں چھ ماہ کا دنبہ اگر مون، تازہ صحت مند ہو اور دیکھنے میں سال کا لگتا ہو تو اس کی قربانی بھی جائز ہے۔

لقوله عليه اسلام : لا بدعوا الامسة ، إلا أن بعسر عبيكم ، فتدعوا جدعة من اصائل . جدعة . بقية من صائل ، التي راد منها

عسی منہ مسہر

فان عسی نسی من عجمہ معر ماعہ - سہہ من انقر ماعہ
نہ سساک - ومن لاس ماعہ خمس سہہ - ووضح نجدعہ ہد
کانت سمیۃ عظیمہ بحث بو حصت ناشد - نشہ عسی ساصر من
بعید . (البناۃ علی الہدایۃ للعینی : ۱۸۶/۴)

قربانی کا وقت:

شہر میں قربانی کا وقت عید کی نماز ختم ہونے کے بعد شہر میں کسی بھی ایک جگہ عید کی نماز کا ختم
ہونا کافی ہے، اگر کسی نے عید کی نماز سے پہلے قربانی کی تو اس کی قربانی نہیں ہوگی، اس پر لازم ہوگا
کہ دوبارہ قربانی کرے۔

لفولہ السی صلی اللہ علیہ وسلم - من دبح قبل الصدۃ فاما ہو
لحم قدمہ لاہلہ لیس من النسلک فی شیء .

(أخرجه مسلم : ۱۵۵۱/۲)

رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جس نے عید کی نماز نے پہلے قربانی کا جانور ذبح کر دیا اسکی
قربانی نہیں ہوئی۔ بلکہ اس نے اپنے گھروالوں کیلئے گوشت حاصل کیا ہے۔

وعن سراء بن عارب قال سمعت السی صلی اللہ علیہ وسلم ان
اول ما سد او من یوما هذا ، ان یصلی ثم یرجع فنحر ، فمس اصاب
هذا فقد اصاب مستا ومن نحر قبل ذلك ، فاما ہو لحم یقدمہ لاہلہ
لیس من النسلک فی شیء ، فقال ابو بردہ : یا رسول اللہ ، ذبحت قبل
ان اصفی ، وعندی جذعۃ فقال : اجعلها مکابھا . ولن تحری عن
احدک بعدک . (أخرجه البخاری ۳۱۸۳ ومسلم رقم ۱۹۶۱)

قربانی کے ایام تین دن ہیں:

قربانی صرف تین دن جائز ہے، یعنی دس، گیارہ، بارہ ذی الحجہ اس کے بعد قربانی کے جانور
ذبح کرنے سے قربانی ادا نہ ہوگی۔

قال فی الاختیار - ونختص بايام النحر ، وهي ثلاثة ايام ، وهو

مروري عن عمر و عبي و اس عباس و عمرهم و هـ لا يهتدي به ،
فكان طريقها اسمع ، فكانهم قالوه سمعاً عن سي صبي نته عبه
وسلم و افضلها اولها ، لكونه مسارعة إلى الخير والقربة .

(لا حبر نفع من حبار ٥٠١٩ ، بصر اهدى ٤٠٦٤ و مسعى لبحر

(٢٢٣/٢)

قربانی صرف تین دن ہوتی ہے۔ یہی بات مروی ہے حضرت عمرؓ اور ابن عباس رضی اللہ عنہم سے یقینیہ بات وہ حضرات قیاس سے نہیں کہہ سکتے بلکہ انہوں نے آپ ﷺ سے یہی سنا ہوگا، البتہ پہلے دن کرنا افضل ہے کیونکہ نیکلی اور طاعت کے کام جلدی کرنا چاہئے۔

قربانی کا جانور خود ذبح کرے:

قربانی کے جانور کو اپنے ہاتھ سے ذبح کرنا مستحب ہے، بشرطیکہ اچھی طرح ذبح کرنا جانتا ہو اگر اچھی طرح نہ جانتا ہو تو ذبح کے وقت قریب موجود رہے۔

عن انس رضي الله عنه قال : صحى السى صلى الله عليه وسلم

بكشيتين املحين افريس ، دهما بيديه وسمى و كبر و وضع رجله على
صماحهما .

(أخرجه البخاري ٣١٩/٣ و مسلم ١٩٢٢ ، باب استحباب التصحية و دبحها

مباشرة بدوون توكيل)

حضرت انس رضی اللہ عنہ روایت فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے دو چٹکبرے مینڈھوں کی قربانی فرمائی دونوں کو اپنے ہاتھ سے ذبح فرمایا۔ بسم اللہ اکبر کہا اور ذبح کے وقت اپنا پاؤں ان کی گردن پر رکھا۔

قربانی کی کھال اور اس کے گوشت کا حکم:

قربانی کی کھال اور اس کے گوشت کے بارے میں تفصیلات جاننے کے لیے ایک سوال و جواب نقل کیا جاتا ہے:

السوال ۱۔ کیا فرماتے ہیں علماء دین و شرع متین اس مسئلہ میں کہ قربانی کی کھال کا ڈول بنوا کر مسجد میں دینا یا کھال کی قیمت کو مسجد میں یا دیگر اوقاف میں لگا دینا، تعمیر میں ان کے

ملازموں کو تنخواہ میں دے دینا جائز ہے یا نہیں؟

- ۲۔ غریب سید کو یا کسی غنی کو کھال قربانی یا کھان کی قیمت دینا ایسا ہے اور کھان کی قیمت کے ان ہر دو طرح سے دینے میں کچھ فرق ہے یا، دونوں کا ایک ہی حکم ہے؟
- ۳۔ قربانی کا گوشت پختہ یا کچی غیر مسلم بندوں کو دینا ایسا ہے، جیسا تو جروا (البحر) قال فی الهدایۃ واللحم بمصرۃ لحد فی صحیح

(تتمہ جلد تالی فتاوی امدادیہ: ص ۱۳۷)

وفی الدر: فلا ینبع اللحم او الحلدۃ او ینذر حمہ صدق شمسہ

اھ۔ (تتمہ مذکورہ: ص ۱۳۶)

وفی عالمگیری: ویہب مہا (ای من الاصحیۃ بمعاشاء المعنی

والفقیر والمسلم والذمی اھ۔ (۲۰۱/۶)

وفیہا ابصاراً ولا أن یعطی (ای لا یحرم) احرم لحرار والدبح

منہا اھ۔ (۲۰۲/۶)

قربانی کی کھال کا بعینہ مسجد میں دینا (بشرطیکہ اس کو بعینہ مسجد کے کام میں لایا جاوے یعنی فروخت نہ کیل جائے) اسی طرح اس کا ڈول بنا کر مسجد میں دینا جائز ہے کیونکہ کھال کا بعینہ تصدق صدقہ نافلہ ہے اور صدقہ نافلہ کا مسجد میں دے دینا جائز ہے باقی کھال کو بیچ کر اس کی قیمت مسجد میں دینا جائز نہیں ہے کیوں کہ قیمت کا تصدق واجب ہے اور صدقہ واجبہ کے لیے تملیک شرط ہے اور مسجد محل تملیک نہیں۔ اسی طرح کھال کی قیمت کو ملازمین مسجد و دیگر اوقاف کی تنخواہ میں دینا بھی جائز نہیں ہے اسی طرح بعینہ کھال یا اس کی قیمت مسجد کے مؤذن یا امام کو اس کی خدمت کے معاوضہ میں بھی دینا جائز نہیں ہے البتہ اگر مؤذن و امام کو مقرر کرتے وقت صاف کہہ دیا گیا ہو کہ قربانی کی کھالوں میں تمہارا کچھ حق نہ ہوگا اس کے بعد اس کو بعینہ کھال یا اس کی قیمت دے دی جائے تو جائز ہے اور صورت ثانیہ میں اس کا فقیر ہونا شرط ہے، اسی طرح اس کی قیمت کو مسجد کی مرمت میں بھی صرف کرنا جائز نہیں ہے۔ ہاں بعینہ کھال اگر مسجد یا اوقاف کے کاموں میں لگا دی جائے تو جائز ہے مثلاً مسجد یا مدرسہ کے لیے ڈول بنادے جائیں۔

۲۔ بنو ہاشم کو بعینہ کھال دے دینا درست ہے پھر وہ خواہ اس کو بعینہ کام میں لائے یا

فروخت کرے قیمت نام میں ۔۔۔ کیونکہ کھال کا بعینہ تصدق صدقہ نافذ ہے اور صدقہ نافذ ہوا باشم کو دینا جائز ہے مگر کھال بیچ کر اس کی قیمت بنو باشم کو دینا جائز نہیں کیونکہ قیمت کا تصدق واجب ہے اور وہ صدقات واجبہ کے مصرف نہیں۔

۳۔ قربانی کا گوشت کھانا یا پختہ ہندو یا غیر مسلم کو دینا جائز ہے کیونکہ گوشت کا تصدق واجب نہیں پس وہ ہدیہ ہے یا صدقہ نافذ اور یہ دونوں کافرو ذمی کو دینا درست ہے۔

قلت والمستمن في حكم الدمى في دلت والحرمي المسالم في حكم الدمى فافهم والله اعلم (امداد لأحكام ۴: ۲۰۵)

عیب دار جانور کی قربانی جائز نہیں:

کان یادم کانصف یا اس سے زائد حصہ کٹا ہوا ہو تو قربانی جائز نہیں۔
جس پاؤں میں عیب ہے اُردہ زمین پر ٹیک کر کچھ سہارے کر چلتا ہے تو قربانی جائز ہے ورنہ نہیں۔

آنکھ کی روشنی نصف یا اس سے کم باقی رہ گئی ہو تو قربانی جائز نہیں۔
اس کے معلوم کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ جانور کو دو تین دن بھوکا رکھ کر پھر عیب دار آنکھ کو باندھ کر دور سے چارادکھاتے ہوئے قریب لائیں، جہاں سے جانور کو نظر آجائے وہاں نشان کر دیں، پھر صحیح آنکھ کو باندھ کر یہی عمل دہرائیں اور پھر دونوں مسافتوں کی نسبت معلوم کر لیں، اگر فرق نصف یا اس سے زائد ہے تو قربانی جائز نہیں ورنہ جائز ہے۔

قال العلامة الحصكفي رحمه الله تعالى : لا بالعمياء والعوراء والعرجاء والمهرولة لامح في عظامها والعرجاء التي لا تمشي الى المسك اي المذبح والمریضة البین مرضها ومقطوع أكثر الأذن أو الدب أو العین ای التي ذهب أكثر نور عینها فاطلق القطع على الذهاب محازا و انما يعرف بتقريب العلف .

وقال العلامة ابن عابدين رحمه الله تعالى : (قوله والعرجاء) اي التي لا يمكنها المشي برجلها العرجاء إما تمشي بثلاث قوائم حتى لو كانت تضع الرابعة على الارض وتستعين بها جارا عناية (قوله الى

المست) كسر سب و اعیاس الفتح (قوله و مقطوع أكثر الاذن
 ح) فی لدائع نو ذهب بعض الاذن او الایه او بدت و العین ذکر
 فی الجامع الصغیر ان کان کثیرا یجمع و ان یسیر لا یجمع و اختلف
 صحاب فی الفاصل بین اقل و اکثر فیسر فی حقیقة رحمه الله
 سعالی اربع روایات روى محمد رحمه الله تعالى فی الاصل و الجامع
 الصغیر ان اجماع دهاب کثر من الثلث و عنه انه الثلث و عنه انه اربع
 و عنه ان یکون الداهب اقل من الساقی او مثله اه بالمعنی و الاولى هی
 صاهر الروایة صححها فی الحایة حیث قال و الصحیح ان الثلث و ما
 دونه قلیل و ما راد علیه کثیر و علیه الفتوی اه و مشی عیها فی
 مختصر الوقایة و الاصلاح و الرابعة هی قولهما قال فی الهدایة و قالا
 ادا بقی الأكثر من اصف اجراه و هو اختیار الفقیه اسی البیث و قال
 ابو یوسف رحمه الله تعالى اخبرت بقولی انا حقیقة رحمه الله تعالى
 فقال قولی هو قولک و قبل هو رجوع منه الی قول ابی یوسف رحمه
 الله تعالى و قبل معاه قولی قریب من قول و فی کون اصف مانعا
 روایتان عنهما اه و فی الراریة و طاهر مذهبهما ان اصف کثیر اه
 و فی غایة البیان و وجه الروایة الرابعة و هی قولهما و لیها رجوع الامام
 ان الکثیر من کل شیء اکثر و فی اصف تعارض الحابیان اه ای
 فقال بعدم الحوار احتیاطا بدائع و نه طهران ما فی المتش کالهدایة
 و الکمز و الملتقی هو الرابعة و علیها الفتوی کما یدکره الشارح عن
 المحتجبی و کأنهم احتاروها لان المتبادر من قول الامام السابق هو
 الرجوع عما هو طاهر الروایة عه الی قولهما و الله تعالى اعلم .

(ردالمحتار : ۲۰۶/۵) (أحسن الفتاوی : ۵۱۷/۷)

دونوں کانوں کا مقطوع حصہ شمار ہوگا:

اگر بکری یا دنبے کے دونوں کا اتنا حصہ کٹا ہوا ہو کہ مجموعہ نصف یا اس سے زائد ہو جائے تو

قربانی کرنا خلاف احتیاط ہے، اگر کسی نے ردی تو ہو جائے گی۔

قال العلامة ابن عابدین رحمہ اللہ تعالیٰ: فی البرارۃ وھل تجمع
لحرق فی دی لأصحبۃ احتلقوا فیہ فنت وقدم السارح فی باب
المسح علی الحفین انه ینعی الجمع احتیاطا .

(ردالمحتار: ۲۰۶/۵)

قربانی کے ایام گزر گئے تو قیمت واجب ہے:

اگر قربانی کے تینوں دن گزر گئے اور قربانی واجب ہونے کے باوجود قربانی نہیں کی تو اب
جانور ذبح کرنے سے قربانی ادا نہ ہوگی بلکہ ایسے شخص پر لازم ہے کہ ایک متوسط بکرے کی قیمت
صدقہ کرے۔

قال العلامة الحصکمی رحمہ اللہ تعالیٰ: ونصدق بقیمتها عسی
شراھا اولا لاتعلقھا بدمتہ شراھا اولا فالمراد بالقیمۃ قیمۃ شاة تجزی
فیہا . (ردالمحتار: ۲۰۴/۵)

مال حرام پر قربانی واجب نہیں:

اگر کسی کی ملک میں صرف حرام مال ہے مثلاً سودی رقم یا رشوت کی کمائی وغیرہ تو ایسے شخص پر
قربانی واجب نہیں کیونکہ حرام مال تو سارا ہی صدقہ کرنا واجب ہے لہذا قربانی واجب نہیں۔

قال العلامة ابن عابدین رحمہ اللہ تعالیٰ: فی القیۃ لو کان
الخبیث بصالا لا یلزمہ الرکوة لان الکمل واجب التصدق علیہ فلا
یفید ایجاب التصدق ببعضہ اھ ومثلہ فی البراریۃ .

(ردالمحتار: ۲۵/۲)

زمین کی وجہ سے قربانی واجب ہونے کی تفصیل:

اگر مقدار معاش سے زائد زرعی وغیر زرعی زمین کی قیمت اور پیداوار کا مجموعہ کوئی ایک بقدر
نصاب ہو تو قربانی واجب ہوگی۔

قال العلامة ابن عابدین رحمہ اللہ تعالیٰ معزیا الی التارخانیۃ
سئل محمد رحمہ اللہ تعالیٰ عن لہ ارض یررعھا او حانوت

يُسْتَعْمَلُهَا أَوْ دَارَ عَتَمَتِهَا ثَلَاثَةَ أَلْفٍ وَلَا تَكْفِي لِعِفَّتِهِ وَنُفَقَةِ عَدْلِهِ سِتَّةٌ
يَحِلُّ لَهُ أَحَدُ الرُّكُوهِ وَإِنْ كَانَتْ قِبَعَتُهَا تَلْعُقُ أُنُوفًا وَعَبِيَهُ الْفَتَوَى
عِنْدَهُمَا لَا يَحِلُّ لَهُ. (ردالمحتار: ٦٥/٢)

وَقَالَ ابْنُ صَالٍ: وَلَوْ لَهُ عَقَارٌ يَسْتَعْلَهُ فَقِيلَ يَدْرِمُ لَوْ قِيمَتُهُ نَصَابًا وَقِيلَ
لَوْ يَدْخُلُ مَعَهُ قُوتُ سِتَّةِ تَرْمٍ وَقِيلَ قُوتُ شَهْرِ فَمَتَى فَصَلَ نَصَابُ تَرْمٍ
وَلَوْ الْعَقَارُ وَقَعَا فَبِإِنْ وَجِبَ لَهُ فِي أَيَّامِهَا نَصَابٌ تَلْزَمُ.

(ردالمحتار: ١٩٨٠/٥) (ماحول در احسن الفتاویٰ: ٢٠٥٧)

مقروض پر قربانی واجب ہونے کا حکم:

اگر کسی کے ذمہ قرض ہو اور قربانی کے ایام میں اس کی ملک میں کچھ مال بھی ہو تو نصاب سے
قرض وضع کرنے کے بعد اگر نصاب میں نقص نہیں آتا، نصاب کامل باقی رہتا ہے تو قربانی واجب
ہے ورنہ نہیں۔ نصاب کی تفصیل پہلے نذر چکی ہے۔

قَالَ الْإِمَامُ الْكَاسَانِيُّ رَحِمَهُ اللَّهُ تَعَالَى: وَلَوْ كَانَ عَلَيْهِ دِينَ
سَحِثٌ لَوْ صَرَفَ إِلَيْهِ بَعْضُ نَصَابِهِ لَا تَنْقُصُ نَصَابَهُ لَا تَحِبُّ لَانَ الدِّينِ
يَمْسَعُ وَجُوبَ الرِّكَاءِ فَلَا يُنْصَحُ وَجُوبُ الْإِضْحِيَّةِ أُولَى لَانَ الزَّكَاةِ
فَرَضُ الْإِضْحِيَّةِ وَاجِبَةٌ وَالْفَرَضُ فَوْقَ الْوَاجِبِ. (بدائع: ٦٤/٥)

قربانی کے گوشت سے پہلے کھانا، پینا:

قربانی کے دن جس کو گوشت ملنے کی امید ہو اس کے لیے مستحب یہ ہے کہ صبح کچھ نہ کھائے
پے بلکہ پہلا کھانا گوشت سے ہو خود اس کا قربانی کرنے کا ارادہ ہو یا نہ ہو بہر حال قربانی کے
گوشت سے پہلے کچھ نہ کھانا مستحب ہے، چائے بھی نہ پئے، کیونکہ چائے میں دودھ اور شکر کی وجہ
سے غذائیت ہے۔

یہ حکم صرف مستحب ہے، اس کے خلاف کرنے میں کوئی قباحت نہیں۔

قَالَ الْإِمَامُ الْحَصَكْفِيُّ رَحِمَهُ اللَّهُ تَعَالَى: وَبَدَبُ تَأْخِيرِ أَكْلِهِ عَنْهَا
وَإِنْ لَمْ يَضَحْ فِي الْأَصْحِ وَلَوْ أَكَلَ لَمْ يَكْرَهُ أَيُّ تَحْرِيمًا.

وَقَالَ الْعَلَامَةُ ابْنُ عَابِدِينَ رَحِمَهُ اللَّهُ تَعَالَى: (قَوْلُهُ فِي الْأَصْحِ)

، قيل لا يسحب ما حرر مستحب ثبوت الكراهة إدلالاً مدعي من

دليل خاص . (رد المحتار : ۱/ ۵۶۲)

وقر في الهدية وفي كبرى الأكل قبل الصلوة يوم الأضحى

هل هو مكروه فيه روايتان و محذور انه لا يكره لكن يسحب به ان

لا يفعل كذا في التتار حايه ، ويستحب ان يكون اول تناولهم من

لحوم الاضاحى اني هي صياغة الله كذا في العبي شرح الهداية

(عالمگیری ۱/ ۱۵۰) (ماحولدار احسن الفتاویٰ ۷/ ۵۲۰ بتعیر یسیر)

قربانی کے جانور کو کام میں لانے کا حکم:

کسی نے قربانی کے لیے بیل خریدا، ابھی قربانی میں چند ایام باقی ہیں، اب اس سے بیل جو تنا یا اجرت پر دینے کے جواز و عدم جواز دونوں قول ہیں اور دونوں ظاہر الروایہ ہیں، الاول اوسع وایسر والثانی احوط و اشہر۔

اس قول ثانی کے مطابق کسی نے بیل جو تنے میں بیل کو استعمال کیا تو اس سے قیمت میں جو کمی آئی اس کا اندازہ کر کے صدقہ کرنا واجب ہے اور اجرت پر دینے کی صورت میں اجرت کا تصدق واجب ہے۔

قال العلامة الحصكفي رحمه الله تعالى : ولا ير كها ولا يحمل

عليها شيئاً لا يؤجرها فإن فعل تصدق بالاجرة حاوي الفتاوى لانه

التزم اقامة القرية بجميع اجرائها .

وقال العلامة ابن عسادين رحمه الله تعالى : (قوله فإن جزه

تصدق به الى قوله حاوي الفتاوى) يوجد في بعض النسخ قوله فإن

فعل تصدق بالاجرة اي فيما لو أجرها واما إدار كها او حمل عليها

تصدق بما نقصته كما في الخلاصه .

جانور کے دانت گرنے کا حکم:

اگر قربانی کے جانور کے اکثر دانتوں کا موجود ہونا ضروری ہے یا نہیں اس بارے میں حضرت مفتی رشید احمد صاحب رحمہ اللہ تحریر فرماتے ہیں کہ اکثر کا اعتبار نہیں، بلکہ معیار یہ ہے کہ جانور گھاس

کھا سکتا ہو تو قربانی جائز ہے ورنہ نہیں، کیونکہ دانتوں سے مقصود یہی ہے۔

قال الإمام الحصكفي رحمه الله تعالى : ولا بالهتماء التي لا
اسنان لها ويكفي بقاء الاكثر وقيل ما تعتلف به .

وقال العلامة اسر عابدين رحمه الله تعالى : (قوله وقيل ما
تعتلف به) وهو وما قبله روايتان حكاهما في الهداية عن الثاني
وجزم في الخباية بالثانية وقال قبله والتي لا اسنان لها وهي تعتلف
اولا تعتلف لا تحوز . (ردالمحتار : ٢٠٦/٥)

وقال الإمام الكاساسي رحمه الله تعالى : واما الهتماء وهي التي
لا اسنان لها فإن كانت ترعى وتعتلف جازت والا فلا ودكر في
المتقى عن ابي حنيفة رحمه الله تعالى انه إن كان لا يمنعها عن
الاعتلاف تحريمه وإن كان يمنعها عن الاعتلاف إلا أن يصب في
جوفها صبا لم تحزبه . (بدائع الصنائع : ٧٥/٥)

وقال في الهندية : واما الهتماء وهي التي لا اسنان لها فإن كانت
ترعى وتعتلف جازت والا فلا كذا في البدائع .

(عالمگیری : ٢٩٨/٥) (أحسن العناوين : ٥١٤/٧)

مشرك کی شرکت سے کسی کی بھی قربانی نہیں ہوگی:

کسی مشرک نہ عقیدہ رکھنے والے شخص کی شرکت سے دوسرے شرکاء کی قربانی نہ ہونے کے
متعلق ایک سوال و جواب نقل کیا جاتا ہے۔

سوال: اضحیہ کے شرکاء میں سے ایک شریک بریلوی ہے، جس کا عقیدہ یہ ہے کہ حضور اکرم
ﷺ غیب جانتے ہیں اور ہر جگہ حاضر و ناظر ہیں، حضور اکرم ﷺ اور اولیاء رحمہم اللہ تعالیٰ مختار کل
ہیں، نفع و نقصان پہنچا سکتے ہیں، بیماری اور صحت، عزت اور اولاد ان کے اختیار میں ہے، اسی بناء پر
وہ قبور اولیاء پر اپنی حاجات پوری کرنے کے لیے منتیں مانتا ہے اور نذرین اور چڑھاوے پیش کرتا
ہے، کیا ایسا شخص اضحیہ میں شریک ہو جائے تو دوسرے شرکاء کی قربانی ہو جائے گی؟ بیجا تو جروا
الجواب: ایسا شخص مشرک ہے اس کے ساتھ اضحیہ میں شرکت جائز نہیں جو لوگ اس کے ساتھ

شریک ہوں گے ان میں سے کسی کی بھی قربانی نہیں ہوگی۔ (احسن الفتاویٰ، ۷/۵۱۰)

یہ حکم ہر بدعتی کا نہیں ہے بلکہ صرف اس بدعتی کا ہے جس کا مذکورہ بالا شرکانہ عقائد ہوں۔ جس بدعتی کے ایسے شرکانہ عقائد نہ ہوں، محض تہجد، چالیسواں وغیرہ بدعات انجام دیتا ہو احتیاط کا تقاضہ یہ ہے کہ اس کو بھی شریک نہ کیا جائے تاہم اگر کر لیا تو اس سے دوسرے شرکاء کی قربانی میں فرق نہیں پڑیگا۔

میت کی طرف سے قربانی کا حکم:

اگر میت نے قربانی کی وصیت کی تو اس کے حصہ کا گوشت فقراء کو دینا لازم ہے اس میں سے خود کھانا جائز نہیں اور اگر میت نے وصیت نہیں کی بلکہ عزیز و اقارب ایصالِ ثواب کے لیے میت کی طرف سے قربانی کریں تو اس کا حکم اپنی قربانی کی طرح ہے۔

كما في الشامية ۳۲۸/۵ لو ضحى عن الميت وارثه بامرہ الرمه بالتصدق بها وعدم الاكل وإن تبرع بها عنه له الأكل لانه يقع على ملك الدايح والثواب للميت . (امداد الأحكام : ۴/۲۳۶)

حاجی پر وجوب قربانی کی تفصیل:

جو حاجی آٹھ تاریخ کو منیٰ روانہ ہونے سے پہلے مکہ مکرمہ میں پندرہ روز یا اس سے زیادہ عرصہ مقیم رہا ہو تو اس کے ذمہ حج کی قربانی کے علاوہ مال کی قربانی بھی واجب ہوگی اور جو ایسا نہ ہو یعنی مقیم نہ ہو تو چونکہ مسافر کے ذمہ قربانی واجب نہیں اس لیے مسافر حاجی پر مال کی قربانی واجب نہیں صرف حج تمتع یا قرآن کی قربانی واجب ہوگی۔

قربانی کے بجائے صدقہ کرنا جائز نہیں:

بعض لوگوں کو یہ خیال ہوتا ہے کہ قربانی کے دنوں میں تو بہت جانور ذبح ہوتا ہے ہر ایک کو گوشت مل ہی جاتا ہے لہذا قربانی کے بجائے اگر نقد صدقہ کیا جائے تو بہتر ہوگا یہ خیال قطعاً غلط ہے۔ ایسا کرنا شرعاً جائز نہیں بلکہ قربانی کے دنوں میں قربانی کرنا ہی عبادت ہے۔

عن عائشة رضي الله تعالى عنها قالت قال رسول الله صلى الله عليه وسلم ما عمل ابن ادم من عمل يوم الحرا حب إلى الله من اهراق الدم وانه ليأتي يوم القيامة بقرونها واشعارها واطلافها وإن الدم ليقع من الله بمكان قبل أن يقع بالارض فطيبوا بها نفسا رواه

الترمذی وابن ماجہ . (مشکوٰۃ : ص ۱۲۸)

جناب رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ قربانی کے دنوں میں قربانی سے زیادہ کوئی چیز اللہ تعالیٰ کو پسند نہیں ان دنوں میں یہ نیک کام سب نیکیوں سے بڑھ کر ہے اور قربانی کرتے وقت اور ذبح کرتے وقت خون کا جو قطرہ زمین پر رہتا ہے تو زمین تک پہنچنے سے پہلے پہلے ہی اللہ تعالیٰ کے ہاں مقبول ہو جاتا ہے تو خوب خوشی اور خوب دل کھول کر قربانی کیا کرو۔ (ترمذی)

لہذا قربانی کے بجائے اس رقم کو صدقہ کرنا جائز نہیں اگر کسی نے صدقہ کر دیا تو اس سے قربانی ساقط نہیں ہوگی بلکہ دوبارہ قربانی کرنا لازم ہوگا اگر ایام قربانی ختم ہو گئے تو ایک متوسط بکرے کی قیمت صدقہ کرنا واجب ہوگا۔

منت کی قربانی:

جس نے قربانی کرنے کی منت مانی پھر وہ کام پورا ہو گیا جس کے واسطے منت مانی تھی تو اب قربانی کرنا واجب ہے اور یہ قربانی بھی قربانی کے دنوں میں کرے، ہاں اگر قربانی سے صرف ذبح کرنا مراد ہو تو بعد میں بھی نذر پوری کی جاسکتی ہے اور یہ بھی لازم ہے کہ نذر کی قربانی کا گوشت فقراء میں تقسیم کرے، خود استعمال کرنا جائز نہیں۔ اسی طرح مالداروں کو کھلانا بھی جائز نہیں۔

(بہشتی زیور)

غشی جانور کی قربانی کا حکم:

غشی جانور کی قربانی جائز نہیں۔ اس کا گوشت پکنا نہیں ہے یہ گوشت کے اندر عیب ہے اور عیب دار جانور کی قربانی جائز نہیں اس لیے غشی کی قربانی جائز نہیں۔

ولا بالغشی لان لحمها لا تصح شرح و ہبانیۃ .

قال الشامی : وبهذا التعلیل اندفع ما اوردہ ابن وہبان من انها لا

تخلوا اما ان تكون ذکرا أو انثی و علی کل نحو . (۳۱۷/۵)

اور اگر علامت ذکر یا مہی غالب ہو تو قربانی جائز ہے۔ کیونکہ وہ غشی نہیں۔

(امداد الاحکام : ۲۷۰/۴)

کمزور جانور کا حکم:

اگر جانور اتنا دبلا ہو جس کی ہڈیوں میں بالکل گودانہ رہا ہو اس کی قربانی درست نہیں ہے اور

اتحاد بلا نہ ہو تو دبلے ہونے سے کچھ حرج نہیں اس کی قربانی درست ہے لیکن موٹے تازے جانور کی قربانی کرنا زیادہ بہتر ہے۔

ولا تحور المعصاء التي لا تقى فإن كانت فيها مهرولة فيها

بعض الشحم حاز . (فتاویٰ ہندیہ : ۶/۳۰۰)

بے سینگ جانور کی قربانی:

جس جانور کی پیدائشی سینگ نہیں یا سینگ تو تھے لیکن ٹوٹ گئے اس کی قربانی درست ہے البتہ بالکل جڑ سے ٹوٹ گئے ہوں تو قربانی درست نہیں۔

ويضحى بالحما هي التي لا قرون لها خلقية وكدلت العظماء ،

التي ذهب بعض قرننها بالكسر أو غيره فإن بلغ الكسراى المع لم

يجز . (ردالمحتار : ۵/۳۱۵)

قربانی کا جانور کم ہو گیا:

اگر قربانی کا جانور کہیں کم ہو گیا اس لیے دوسرا خرید اپھروہ پہلا بھی مل گیا اگر امیر آدمی کو ایسا اتفاق ہو تو ایک ہی جانور کی قربانی اس پر واجب ہے۔ دونوں میں سے خواہ کسی کی قربانی کر دے لیکن اس میں اتنی تفصیل ہے کہ اگر پہلے جانور کی قربانی کرے تب تو خیر اور اگر دوسرے جانور کی قربانی کرے تو دیکھنا چاہیے کہ وہ قیمت میں پہلے جانور سے کم تو نہیں اگر کم ہو تو جتنے دام کم ہوں اتنے دام غریبوں کو صدقہ کر دینا مستحب ہے اور اگر غریب آدمی کو ایسا اتفاق ہوا تو دونوں جانور کی قربانی اس پر واجب ہوگی۔ (بہشتی زیور)

ولو ضلت او سرفت فاشترى اخرى ثم ظهرت الاولى فى ايام

النحر على الموسر دبح احدهما وعلى الفقير دبحهما

(شرح البدایة : ۴/۴۴۶)

اکیلا جانور خریدنے کے بعد کسی کو شریک کرنا:

قربانی کے لیے کسی نے جانور خرید اور خریدتے وقت یہ نیت کی کہ اگر کوئی اور مل گیا تو اس کو بھی شریک کر لیں گے اور مشترکہ قربانی کریں گے اس کے بعد کچھ اور لوگ بھی شریک ہو گئے یعنی سات آدمیوں کے سات حصے ہو گئے تو یہ قربانی درست ہے، اگر جانور خریدتے وقت کسی کو شریک

کرنے کی نیت نہیں تھی بندہ پوری گائے اپنی طرف سے قربانی کرنے کا ارادہ تھا تو اب اس میں کسی اور کو شریک کرنا بہتر تو نہیں ہے لیکن اگر کسی کو شریک کر لیا تو دیکھنا چاہیے جس نے شریک کیا ہے وہ آدمی امیر ہے کہ اس پر قربانی واجب ہے یا غریب ہے جس پر قربانی واجب نہیں اگر امیر ہے تو شریک کرنا درست ہے اگر غریب ہے تو درست نہیں، یعنی غریب آدمی کے لیے خریدے ہوئے جانور میں کسی کو شریک کرنا درست نہیں لیکن اگر کسی کو شریک کر لیا تو شریک ہونے والے کی قربانی ہو جائے گی البتہ غریب پر اس حصہ کا ضمان لازم ہے اس طرح کہ اگر قربانی کے ایام باقی ہوں تو دوسری قربانی کر دے ورنہ وہ رقم صدقہ کر دے۔

و كَذَلِكَ لَوْ اشْتَرِكَ فِيهَا سِتَّةٌ بَعْدَ مَا اَوْجَبَهَا لَمْ يُسْعَ لَهُ

اَوْجَبَهَا كُلُّهَا لِلَّهِ وَابْنُ اشْرَكَ حَارٌّ وَيَصُومُ سِتَّةَ اَسَاعِهَا وَقَبِلَ فِي الْعَمَى

اِنَّهُ يَتَصَدَّقُ بِالْثَمَنِ . (عالمگیری : ۳۲۷/۵)

قربانی کا گوشت وزن کر کے تقسیم کرنا:

اگر گائے کی قربانی میں سات آدمی شریک ہوئے تو گوشت تقسیم کرتے وقت اندازہ سے تقسیم نہ کرے بلکہ برابر وزن کر کے تقسیم کرے کیونکہ اگر کسی کے حصہ میں گوشت زیادہ چلا گیا تو یہ سود کے حکم میں ہو کر عظیم گناہ ہوگا اس زائد گوشت کا کھانا بھی جائز نہیں، ہاں البتہ اگر گوشت کے ساتھ سری پائے بھی شامل کر لیے تو اب اندازہ سے تقسیم کرنا بھی جائز ہے، بشرطیکہ سری پائے ہر حصہ میں ہوں۔

وَيَقْسِمُ اللَّحْمَ وَرَبَا لَا جُرَافًا اِلَّا اِذَا صُمَّ مَعَهُ مِنَ الْاَكَارِعِ اَوْ

الْجِلْد . (الدر المختار : ۳۱۰/۵)

تہائی گوشت صدقہ کرنا مستحب ہے:

قربانی کے گوشت میں اختیار ہے کہ خود کھائے رشتہ داروں کو کھلائے فقراء، مساکین پر صدقہ کرے البتہ تہائی گوشت تک صدقہ کر دینا یہ مستحب طریقہ ہے، لیکن اگر کوئی پورا گوشت ہی اپنے گھر میں رکھ لے اس میں بھی کوئی گناہ نہیں۔

وَبَاكُلُ مِنَ لَحْمِ الْاَصْحِيَةِ وَبُوْكُلُ غَنَاءٍ وَبَدَبُ . (مختار : ۳۲۰/۵)

مِنَ الثَّلَاثِ . (درمختار : ۳۲۰/۵)

فقیر پورا گوشت اپنے گھر رکھے:

اگر کسی غریب آدمی نے قربانی کی اور اس نے بچے زیادہ ہیں تو اس کے لیے مستحب یہی ہے کہ پورا گوشت اپنے گھر رکھ لے، کیونکہ قربانی کا اصل مقصد اللہ تعالیٰ کو راضی کرنے کے لیے جانور ذبح کرنا وہ مقصد تو حاصل ہو گیا۔

وقد نصّ علی ذلك الفقهاء فقہوا، ويستحب من كان فقيراً أن
بترکھا کلھا لعیالہ توسعة علیہم .

وقوله عليه السلام كنت بهيكم عن لحوم الاصحاح فوق
ثلاث لينسع دو الطول - اي تسعة - علی من لا طوہ نہ فکوا ما
بدالکم ، واطعموا وادحروا . (أخرجه الترمذي رقم : ۱۵۱۰)

تابالغ بچے پر قربانی واجب نہیں:

تابالغ بچہ اگر مالدار ہو اس پر قربانی واجب نہیں لہذا والد یا وصی تابالغ بچے کے مال سے قربانی نہ کرے۔

ولیس للاب أن یفعلہ من مال طعلہ ورجحہ ابن الشححة قلت
هو المعتمد لما فی المتش مواهب الرحمن من انه اصح ما یعنی نہ .

(در مختار مع الشامیہ : ۲۷۶/۵)

عشرہ ذی الحجۃ ناخن وغیرہ نہ کاٹنا:

جو شخص قربانی کا ارادہ کرے اس کے لیے مستحب یہ ہے کہ ذی الحجۃ کے چاند نظر آنے کے بعد سے قربانی ہو جانے تک جسم کے بال صاف نہ کرے اور ناخن وغیرہ نہ کاٹے۔

قال العلامة الصابونی : كما يستحب لمن يريد أن یضحی ، ألا
یأخذ من شعره وأظفاره شیئا ، إذا دخل العشر الأول ، من شهر دي
الحجة ، لما صح عن النبي صلى الله عليه وسلم أنه قال :

” إذا دخل العشر - أي من أول شهر الحجة - وأراد أحدكم أن
یضحی ، فلا یأخذن شعرا ، ولا یقلمن طفرا ” أي یقص أظفاره .

(أخرجه مسلم من حدیث ام سلمہ رقم ۱۹۷۷)

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ تم میں سے جس کا ارادہ قربانی کرنے کا ہو وہ ذی الحجہ کے پہلے عشرہ میں بال ناخن نہ کاٹے۔ باقی اس حکم کا مستحب ہونا پہلے مذکور ہو چکا ہے۔

وهذا ليس على سبيل الوجوب، وإنما هو للاستحباب،
والحكمة منه أن تنقي كامل الأجزاء في البدن، تعتق من سائر،
حيث ورد أن الله يعتق بهذه الأضحية، جسد المؤمن من نار جهنم،
وأن به سكن شعرة منها حسنة، فهذا كله على سبيل الندب
والاستحباب.

روي الإمام الترمذي في سننه عن نسي صبي الله عليه وسلم أنه
قال: "من رأي هلال ذي الحجة، وأراد أن يصحى، فلا يأخذ من
شعره، ولا من أظفاره."

(أخرجه الترمذي في كتاب لأصحى رقم ١٥٤٣٠)

قال الترمذي، وهذا قول بعض أهل العلم، وبه ذهب أحمد و
إسحاق، ورحص بعض أهل العلم في ذلك، فقالوا: لا بأس أن
يأخذ من شعره وأظفاره، وهو قول الشافعي، وفتح بحديث
عائشة، أن النبي صلى الله عليه وسلم كان يبعث بالهدي من المدينة
، فلا يحنث شيئاً مما يحنث منه المحرم، نعي أنه يفعل كل شيء
مباح، ومنها بظافة البدن وتقليم الأظفار (سنن ترمذي ١٠٢/٤٠)

ساتویں حصہ کی نفل قربانی میں چھ ساتھی شریک ہو سکتے ہیں؟

چھ آدمیوں نے مل کر قربانی کے بڑے جانور میں اپنا اپنا واجب حصہ رکھا ساتویں حصہ میں
سب نے شریک ہو کر آنحضرت ﷺ کے لیے نفل قربانی کی نیت کر لی تو یہ قربانی درست ہوگی یا
نہیں اس سلسلہ میں حضرت مفتی عبدالرحیم لاہوری رحمہ اللہ تحریر فرماتے ہیں

وفي الدر المختار قال: ان مات احد السبعة المشتركين في
البدنة وقال الورثة اذبحوا عنه وعكم صح عن الكل استحسانا نقصد
القرية من الكل ولو ذبحوها بلا ادن الورثة لم يجرهم.

(درمختار مع الشامی : ۵ : ۲۸۴)

روایت مذکورہ فقہیہ سے استحساناً جائز معلوم ہوتا ہے کیونکہ جب ساتواں حصہ دار فوت ہو گیا تو اس کا حصہ اس کے ورثاء کو منتقل ہو گیا اور اس حصہ کے ورثاء مالک بن گئے اور انہوں نے اس ساتویں حصہ کے مالک ہونے کی حیثیت سے قربانی کی اجازت دے دی تو سب کی قربانی درست ہو گئی اسی طرح صورت مسئلہ میں چھ ساتھیوں نے ساتواں حصہ خرید کر حضور اکرم ﷺ کے لیے کر دیا تو درست ہونا چاہیے، دوسرے علماء سے بھی دریافت کر لیا جائے۔

(فتاویٰ رحیمیہ قدیم : ۱/۹۰)

بچہ کے حقیقہ کا شرعی حکم:

مذہب حنفی میں عقیقہ مسنون و مستحب ہے (رواجی نہیں) اسلامی طریقہ ہے حضرت امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ پر بدعت اور مکروہ تحریمی کا الزام لگانا غلط اور افتراء ہے، مالا بد منہ میں ہے:

”بدانکہ عقیقہ نزد امام مالک رحمہ اللہ و شافعی رحمہ اللہ و احمد رحمہ اللہ سنت مؤکدہ است و برواینے از امام احمد رحمہ اللہ واجب و نزد امام اعظم رحمہ اللہ مستحب و قول بہ بدعت بود نش افتراء است بر امام ہمام۔“

ترجمہ: جان لو کہ عقیقہ امام مالک رحمہ اللہ و امام شافعی رحمہ اللہ نیز امام احمد رحمہ اللہ کے نزدیک سنت مؤکدہ ہے اور امام احمد کی ایک روایت وجوب کی بھی ہے اور امام اعظم رحمہ اللہ کے نزدیک مستحب ہے اور ان کی طرف بدعت کا قول منسوب کرنا حضرت امام ہمام پر افتراء ہے۔

(ضمیمہ مالا بد منہ : ص ۱۷۸)

بچہ پیدا ہونے کی خوشی میں شکریہ کے طور پر نیز آفات و امراض سے حفاظت کے لیے ساتویں دن (یعنی بچہ جمعہ کو پیدا ہو تو جمعرات کو اور جمعرات کو پیدا ہو تو بدھ کو) لڑکے کے لیے دو بکرے اور لڑکی کے لیے ایک بکرا ذبح کیا جائے اور بچہ کا سر منڈا کر بال کے ہم وزن چاندی غریبوں کو صدقہ کر دے اور لڑکے کے سر پر زعفران لگائے یہ تمام باتیں مستحب ہیں، حدیث سے ثابت ہیں۔

آنحضرت ﷺ کا ارشاد ہے:

عن سمرة قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم العلام مرتين

بعقيقته يذبح عنه يوم السابع ويسمى ويحلق راسه .

(ترمذی شریف: ۱۸۳/۱)

ترجمہ: بچہ اپنے حقیقہ کے بدلہ میں مہون ہوتا ہے مذا ساتویں، ان اس کی طرف سے جانور ذبح کیا جائے اور اس کا نام طے کر لیا جائے۔ نیز اس کا سر منڈوایا جائے، مہون کے بہت سے مطلب بیان کیے گئے ہیں، مثلاً، حدیث میں آتا ہے کہ بچہ ماں باپ سے یہ سفارش کرے گا اور وہ ان کا شفیع ہوگا لیکن اگر حیثیت سے باوجود حقیقہ نہیں آیا اور بچہ بنی میں بچہ کا انتقال ہو گیا تو ماں باپ کے لیے شفاعت نہیں کرے گا، گویا جس طرح رومی بھی ہوئی چیز کام میں نہیں آتی، یہ بچہ بھی ماں باپ کے کام نہیں آئے گا۔

حقیقہ کے بغیر بچہ سلا متی نیز خیر و برکات سے محروم رہتا ہے۔ یعنی جب تک حقیقہ نہ ہو مرض کے قریب اور محافظت سے دور رہتا ہے۔

حقیقہ کے بغیر بچہ اذی یعنی پلیدی میل پیل وغیرہ میں مبتلا اور غنائی سے دور رہتا ہے۔ جیسے کہ آنحضرت ﷺ کا فرمان ہے

مع العلام عقیقة فاهر بقوا عہ دما وامیضوا عہ لادی .

(بخاری شریف: ۸۲۲/۲)

نیز حدیث شریف میں ہے:

عن علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ: قال عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عن الحسن بشاة وفان یا فاطمة احلقی راسہ ونصدقی برة شعرہ قصۃ فورنتہ فکان ورہ درہما او بعض الدرہم .

(ترمذی: ۱۸۳/۱)

یعنی آنحضرت ﷺ نے ایک بکرا ذبح کر کے امام حسن رضی اللہ عنہ کا حقیقہ کیا اور حضرت فاطمہ کو حکم فرمایا کہ اس کا سر منڈواؤ اور بالوں کے ہم وزن چاندی خیرات کر دو۔ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے تعمیل کی بالوں کا وزن ایک درہم یا درہم سے کچھ کم تھا۔ (حوالہ مذکورہ)

عن ابی بردۃ یقول کما فی الجاہلیۃ إذا ولد لاحد ما علام دح شاة واطح راسہ بدمہا فلما جاء اللہ بالاسلام کما دح شاة وحقق راسہ وبلطخہ زعفران . (ابو داؤد شریف: ۳۷/۲)

یعنی حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ زمانہ جاہلیت میں (قبل از اسلام) بچہ پیدا ہوتا تو ہم بکرا ذبح کرتے اور اس کا خون بچہ کے سر پر لگاتے۔ جب اللہ تعالیٰ نے اسلام سے نوازا تو اب ہم ساتویں دن بکرا ذبح کرتے ہیں۔ نیز بچہ کا سر مونڈتے ہیں اور اس کے سر پر زعفران لگاتے ہیں۔ (حوالہ مذکور)

عس ام کرد رصی اللہ عنہا قالت سمعت - بقول صلی اللہ علیہ
وسلم عس العلام شاتان و عس الجاریۃ شاة لا یصرکم ذکرانا کس ام
اناثا . (ابو داؤد : ۳۶/۲)

یعنی آنحضرت ﷺ نے فرمایا عقیقہ میں لڑکے کے لیے دو بکرے اور لڑکی کی طرف سے ایک بکری ہو اس میں کوئی حرج نہیں ہے کہ بکرا ہو یا بکری۔

(ماخوذ از فتاویٰ رحمہ قديم : ۹۰/۱)

عقیقہ کی مدت:

عقیقہ کا مستحب طریقہ یہ ہے کہ ساتویں روز کیا جائے جیسا کہ گزشتہ فتویٰ میں حدیث نمبر 1 میں آیا ہے کہ اگر ساتویں روز نہ ہو تو چودھویں روز یا اکیسویں روز کرے آنحضرت ﷺ کا ارشاد ہے کہ عقیقہ کے جانور کو ساتویں روز ذبح کیا جائے یا چودھویں روز یا اکیسویں روز۔ (طبرانی)
بہت سے علماء نے ساتویں دن فمی تعداد کا لحاظ کر کے بالغ ہونے تک مدت لکھی ہے اور بہت سے علماء نے کسی مدت کی قید نہیں لگائی ان کی دلیل یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ نے اپنی پچاس برس کی عمر میں عقیقہ کیا ہے مگر یہ روایت صحیح نہیں ضعیف ہے، نیز یہ ایک مجبوری کی صورت ہوگی، یہاں پر تو بلا عذر مہینوں بلکہ برسوں تک ٹالتے رہتے ہیں اور گھر میں کسی کی شادی ختنہ وغیرہ رواج کی راہ دیکھتے ہیں اور ساتویں دن کا لحاظ بھی نہیں ہوتا، اس کے خلاف مستحب ہونے میں کس کو انکار ہو سکتا ہے؟ عقیقہ خود مستحب ہے اور اس کو مستحب طریقہ سے ادا کرنا چاہیے لہذا ساتویں دن عقیقہ کرنا بہتر ہے نہ ہو سکے تو چودھویں یا اکیسویں روز کرے بغیر کسی مجبوری کے اس سے زیادہ تاخیر نہ کرے۔

(ماخوذ از فتاویٰ رحمہ قديم : ۹۲/۱)

عقیقہ کی دعا:

عقیقہ کے جانور کو ذبح کرتے وقت یہ دعا پڑھے:

اللہم ہدہ عقیقہ اسی (اسم ولد) دمہا بدمہ و عصمہا
 و جلدہا بجلدہ و شعرہا بشعرہ اللہم اجعلہا فداء لسی (اسم ولد) .
 نوٹ لڑکی کا عقیقہ ہو تو ضمیر کو بجائے مذکر کے مونث بنا دے۔ جیسے سہم ہدہ عقیقہ
 بستی (لڑکی کا نام) دمہا بدمہا و عصمہا بعصمہا و جلدہا بجلدہا و شعرہا بشعرہا
 اللہم اجعلہا فداء لسنی (لڑکی کا نام) والد کے علاوہ دوسرا کوئی آدمی ذبح کرے تو اپنی یا اپنی
 کی جگہ بچہ اور اس کے باپ کا نام لے۔ دعا مذکورہ کے ساتھ اسی و جہت سے واسا من
 المسلمین تک پڑھے اور اللہم منک و لك پڑھ کر بسم اللہ اللہ اکبر کہہ کر ذبح کرے۔

عقیقہ کی نیت سے خریدا ہوا جانور:

جو جانور عقیقہ کی نیت سے خریدا گیا ہے اس کا عقیقہ ہی کرنا ضروری ہے یا اس کو کسی اور کام
 میں بھی استعمال کیا جاسکتا ہے؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ عقیقہ کی نیت سے جو جانور خریدا گیا ہے اس
 کا ذبح کرنا واجب نہیں، جس کام میں چاہیں لے آئیں۔

لأن الشراء بنية العقیقة وإن كان بمعنى النذر ولكن بشرط
 لانعقاد النذر أن يكون المنذور عبادة مقصودة .

قال فی الدر : و كان من جنسه واجب ای فرض کما مبصرح به
 تبعاً للبحر والدرر . وهو عبادة مقصودة اهـ .

قال الشامی : الصمیر راجع للنذر بمعنى المنذور إلى أن قال
 فهذا صریح فی أن الشرط كون المنذور نفسه عبادة مقصودة لاما
 كان من جنسه اهـ .

(۱۰۴/۳)

وفی تنقیح الفتاوی الحامدیة : ثم إذا أراد أن یعق عن الولد فإنه
 یذبح عن الغلام شاتین وعن الحارثیة شاة لانه إنما شرع للسرور
 بالمولود وهو بالغلام أكثر اهـ . (۲۱۲/۲) وهذا یدل علی کونها
 عبادة غیر مقصود فانهم .

(ماخوذ إمداد الأحکام)

باب النذر

منت ماننے کا بیان

کسی شخص نے ایسی عبادت کی نذر مانی جس کی جنس سے فرض یا واجب عبادت ہے اور جس کام کے لیے نذر مانی تھی وہ کام پورا ہو گیا تو اب منت کا پورا کرنا واجب ہے اگر پوری نہ کرے تو سخت گناہ ہوگا۔

عنہ تعالیٰ ﴿لَا يَنْقُصُ عَنْهُمْ وَبِهِ يَتُوبُونَ﴾

(حج: ۲۹)

اور چاہیے کہ اپنا میل خیل دور کریں اور اپنے واجبات کو پورا کریں۔ (خواہ نذر سے قربانی وغیرہ واجب کر لی ہو یا بلا نذر جو افعال حج واجب ہیں)

وروي البخاري أن ابن عمر رضي الله عنه قال يا رسول الله!

اسي نذرت في الجاهلية أن اعتكف ليلة في المسجد الحرام فقال له

صلى الله عليه وسلم: أوف بدرك. (أخرجه البخاري: ۱۵۹/۴)

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے عرض کیا یا رسول اللہ میں نے ایام جاہلیت میں نذر مانی تھی کہ مسجد حرام میں ایک رات اعتکاف کروں گا تو رسول اللہ ﷺ نے حکم فرمایا کہ اپنی نذر پوری کرو۔

وقوله عليه السلام من نذر أن يصبغ الله فليصبغه ومن نذر أن

يغصيه فلا يغصيه. (أخرجه البخاري: ۱۵۹۰۴)

رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جس نے کسی عبادت کی نذر مانی وہ نذر پوری کرے، اور

جس نے گناہ کی نذر مانی وہ پوری نہ کرے۔ (یعنی اس کا ارتکاب نہ کرے)

نذر کی شرائط:

نذر منعقد ہونے کے لیے چند شرائط ہیں ان کے بغیر نذر منعقد نہیں ہوگی

۱۔ جس چیز کی نذر مانی ہے وہ عبادت مقصودہ ہو، جیسے نماز، روزہ، صدقہ وغیرہ۔

۲۔ لہذا کسی گناہ کی نذر ماننے سے وہ نذر منعقد نہ ہوگی۔

بقوله عليه السلام من نذر أن يطيع الله فليطعه، ومن نذر أن

معصیہ فلا معصیہ . (رواہ البحاری)

۳ وہ نذر منسوک چیز میں ہو لہذا اگر کوئی نذر مانے کے ایک ماہ درہم صدقہ کرنے کی جبکہ وہ صرف ہزار درہم کا مالک ہے تو اس پر صرف ہزار درہم صدقہ کرنا لازم ہوگا۔

القولہ علیہ السلام ، ولا وفاء بذر فی معصیہ ، ولا فیما لا یمنع

العد . (اخرجہ مسلم رقم ۱۶۴۱ فی کتاب النذر)

۴ وہ عبادت نذر سے پہلے اس کے ذمہ شرعاً لازم نہ لہذا اگر کوئی یوں نذر مانے کہ میں میرا فلاں کام ہو جائے تو حج فرض ادا کروں گا تو یہ نذر منعقد نہ ہوگی اس کے ذمہ کچھ بھی لازم نہیں ہوگا۔

۵ یہ بھی ضرور ہے کہ جس عبادت کی نذر مانی ہے اس کی جنس سے واجب ہو۔

وفی شرح نسویر الألبار قال ومن بذر بذر امصفا او معصفا بشرط و دأ من حسه واجب - أي فرض کما سیصرح به تعالیٰ لیسحر و الدرر ، وهو عبادة مقصودة ، الی قولہ ان لا یکون معصیة لذاته فصیح بذر صوم یوم الحر لانه لعیبره وأن لا یکون واحدا علیہ قبل البذر فلو بذر حجة الإسلام لم یلزمه شیء غیرها وأن لا یکون ما التزمه اکثر مما یملکه ملکا لعیبره ، فلو بذر التصدق بألف ولا یملک الأمانة لزمه المائة فقط حلا انتهى .

(ردالمحتار : ۷۳۷/۳)

دائمی روزہ کی نذر میں بوقت عجز فدیہ ہے:

کسی شخص نے نذر کی کہ میں مرتے دم تک ہمیشہ روزہ رکھوں گا، اب یہ شخص بیماری یا بڑھاپے کی وجہ سے روزہ رکھنے پر قادر نہیں تو پھر یہ شخص فدیہ دیتا رہے، فدیہ کی بھی طاقت نہ ہو تو استغفار کرتا رہے۔

قال فی شرح التویر . فی احقر کتاب الصوم بذر صوم رجب

(الی قولہ) او صوم الابد فصعب لا شتعاله بالمعیشة افطر و کفر کما

مر ، وفي الشامية (قوله و کفر) أي فدی (قوله کما مر) ای فی

الشرح الفسی من أن يعصم كالقطرة (رد المحتار ۲) وفي يمان
شرح التوير، لو بدر صوم لاند فاكل لعذر فدى، وفي الشامية:
(قوله فاكل لعذر) وكذا بدوه ح (قوله فدى) أي لكل يوم نصف
صاع من بر أو صاعاً من شعير وإن لم يقدر استعصر الله تعالى كما مر.

(رد المحتار: ۳) (مأخوذ من احسن الفتاوى ص ۴۷۷)

نذر میں زمان و مکان وغیرہ کی تعیین صحیح نہیں:

اگر کسی شخص نے نذر کی کہ فلاں چیز فقراء مکہ کو دوں گا اب وہ چیز فقراء مدینہ یا کسی اور جگہ کے
فقیر کو بھی دے سکتا ہے یا نہیں؟ اس بارے میں قاعدہ یہ ہے کہ نذر میں کسی زمان یا مکان یا فقیر کی
تعیین کی تو یہ تعیین ناذر پر لازم نہیں ہوتی، کسی دوسرے وقت میں یا دوسرے مکان میں یا دوسرے
فقیر کو دینے سے بھی نذر اداء ہو جاتی ہے، اسی طرح اگر نذر میں کوئی چیز متعین کر دی کہ فلاں چیز
دوں گا تو بعینہ یہی چیز دینا لازم نہیں بلکہ اس کی قیمت کے برابر نقدی یا کوئی دوسری چیز بھی دے سکتا
ہے۔

قال في العلائق والدرا لا يختص برمان ومكان ودرهم وفقير ولو
نذر التصديق يوم الجمعة بمكة بهذا الدرهم على فلاں محالف جار.

(رد المحتار: ۱۳۷/۲)

قرآن خوانی کرانے کی نذر جائز نہیں:

اگر کسی نے یہ نذر مانی کہ میرا فلاں کام ہو جائے تو قرآن خوانی کراؤں گا اب کام ہونے پر
قرآن خوانی کرنا لازم نہیں کیونکہ قرآن خوانی کی مروج رسم بدعت اور ناجائز ہے اس لیے اس کی
نذر کرنا جائز نہیں۔

قال في شرح التوير وفي البحر وشرايطه خمس افراد لا يكون
معصية لذاته فصيح بدر يوم البحر لأنه لعيره، وفي الشامية قال في
الفتح وأما كون المذمور معصية يجمع انعقاد الدر فيجب ان يكون
معناه إذا كان حراماً لعينه أو ليس فيه جهة قرينة فإن المذهب ان نذر
صوم يوم العيد ينعقد ويحب الوفاء بصوم يوم غيره ولو صامه حرج

عن العہدہ اھ (ای قونہ) ن ماک۔ فیہ حنہ اعادہ بصرہ بدرہ
لما مر من اہ یلمہ الوء۔ بدر من حنہ ہو مرنہ لا بکل وصف
الترمہ نہ فصیح اترام نصوم من حنہ ہو صوم مع عاء کوہ فی یوم
العید الخ۔ (ردالمحتار: ۶۹/۳)

تحقیق مذکور سے ثابت ہوا کہ حرام لغیرہ کی نذر منعقد ہو جاتی ہے مگر اس کا ایفاء بطریق مباح واجب ہے۔

معہذا قرآن خوانی خواہ بطریق مباح ہی کیوں نہ ہو اس کی نذر منعقد ہی نہیں ہوتی، اس لیے کہ اس کی جنس سے کوئی فرض یا واجب نہیں، البتہ خود قراۃ قرآن کی جنس سے نماز میں تلاوت فرض ہے مگر قراۃ قرآن عبادۃ مقصودہ نہیں۔

قال فی العلانیۃ ولو بدر التسیحات در الصوہ نہ بدرمہ و فی
الشامیۃ و کذا لو بدر قراۃ القرآن و علمہ القہستانی فی باب
الأعتکاف بابہا للصلوۃ و فی الحانیۃ و لو فال علی الطواف بالیت
و السعی بیس الصف و المروۃ او علی ان اقرأ القرآن ان فعلت کذا لا
بدرمہ شیء اھ فلت و ہو مشکل فإن القراءۃ عبادۃ مقصودۃ و من
جسہا واجب و کذا الطواف فإنہ عبادۃ مقصودۃ ایضاً ثم رأیت فی
لسان المسائل قال فی باب انواع الاطوفۃ الخامس طواف البدر
و هو واجب و لا یختص بوقت فہذا صریح فی صحۃ البدر نہ

(ردالمحتار: ۷۰/۳)

نماز کے بعد تسبیحات کی نذر کا حکم:

اگر کوئی شخص نماز کے بعد تسبیحات کی نذر مانے تو اس نذر کو پورا کرنا لازم ہے یا نہیں اس میں تفصیل ہے۔ احسن الفتاویٰ سے ایک سوال و جواب نقل کیا جاتا ہے جس سے تفصیل واضح ہو جائے گی۔

سوال ایک مولوی صاحب نے بتایا کہ نماز کے بعد جو تسبیحات پڑھی جاتی ہیں اگر کسی نے یہ تسبیحات پڑھنے کی نذر کی تو اس کا پورا کرنا واجب نہیں اور اگر درود شریف کی نذر کی تو واجب ہو

جاتی ہے، حوالہ شامیہ کا دیتے ہیں، بیان کا یہ قول صحیح ہے؟ اگر صحیح ہے تو تسبیحات درود شریف میں فرق کی کیا وجہ ہے؟ بینہ اتوجزا

جواب تسبیحات اور درود شریف میں یہ فرق شامیہ میں نہیں درمختار میں ہے، علامہ شامی رحمہ اللہ تعالیٰ نے نذر تسبیحات کو بھی واجب الایمان قرار دیا ہے، صحت نذر کے لیے مندرجہ عبادۃ مقصودہ ہونا اور اس کی جنس سے کسی فرض یا واجب ہونا شرط ہے، نماز کے بعد ان تسبیحات عبادۃ مقصودہ میں اور یہاں غلط تسبیحات تغلیباً تحمید و تکبیر کو بھی شامل ہے اور تمیید نماز میں سورہ فاتحہ کی ابتدا، میں فرض ہے اور تکبیر ابتداء نماز میں فرض ہے اور تکبیرات عیدین و تکبیرات تشریق واجب ہیں، اس لیے ان تسبیحات کی نذر صحیح ہے، اسی طرح درود شریف عبادۃ مقصودہ ہے اور عمر بھر میں ایک بار فرض ہے، اس لیے اس کی نذر بھی صحیح ہے، البتہ نذر تسبیحات میں اگر ”نماز کے بعد“ کی قید نہیں لگائی تو یہ نذر واجب نہیں، اس لیے کہ اس موقع پر غلط تسبیحات تحمید و تکبیر کو شامل نہیں بلکہ صرف تسبیح ہی مراد ہے اور جنس تسبیح میں کوئی فرد فرض و واجب نہیں۔

نقل فی شرح الشوہر عن القیة لو بدر التسیحات در الصلوة لم یسرمہ ولو مدران یصلی علی السی صلی اللہ علیہ وسلم کل یوم کذا سرمہ وقیل لا، وقال العلامة ابن عابدین رحمہ اللہ تعالیٰ (قوله ولو بدر التسیحات) لعل مراده التسیح والتحمید وانکسر ثلاثا والثلاثین فی کل واصبق علی الجمیع تسبیحاً تغلیباً لکونہ سابقاً وفیہ اشارة الی انہ لیس من جسہا واجب ولا فرض وفیہ ان تکبیر التشریق واجب علی الممتمی بہ و کذا تکبیر الاحرام و تکبیرات العیدین فیسعی صحة البدر بہ بناء علی ان المراد من الواجب هو المصطلح قلت لکن ما ذکرہ الشارح لیس عبارة القیة و عبارہا کما فی المحر ولو مدران یقول دعاء کذا فی در کل صلوة عشر مرات لم یصح (قوله لرمہ) لان من جسہ فرضاً وهو الصلوة علیہ صلی اللہ علیہ وسلم مرة واحدة فی العمر وتجب کلما ذکر و بما ہی فرض عملی قال ح ومہ یعلم انہ لا یشرط کون الفرض قطعياً (قوله وقیل

(۱) لعل و حہہ اسرارہ نہ ان عرص قطعاً ح (ردالمحتار : ۷۰۳)

(احسن اعدای : ۵ : ۱۲)

نذر ذبح میں قیمت کا تصدق جائز ہے:

ایک شخص نے نذر مانی کہ میرا فلاں کام ہو جائے تو ایک بکرا ذبح کرے گوشت فقیر میں تقسیم کروں گا اب کام ہونے پر بکرا ہی ذبح کرنا ضروری نہیں بلکہ اس بکرے کی قیمت کا تصدق بھی جائز ہے کیونکہ اضحیہ کے سوا نذر ذبح سے نذر تصدق قلم مقصود ہے، ورنہ نفس ذبح کی نذر صحیح نہیں، اس لیے کہ اضحیہ کے سوا ذبح حیوان عبادت مقصود نہیں، جب ذبح مقصود نہیں بلکہ تصدق قلم مقصود ہے تو اس سے ثابت ہوا کہ ذبح حیوان واجب نہیں، بلکہ اختیار ہے چاہے یہ بکرا ذبح کرے گوشت صدقہ کرے یا بکرا زندہ صدقہ کر دے یا اس کی قیمت صدقہ کر دے یا قیمت لے: ابروی دوسری چیز۔

قال فی شرح التوسیر بذلک بتصدق عشرة درہم من النذر

فتصدق بعیرہ حارال ساوی العشرہ کنصدقہ شمشہ

(ردالمحتار : ۷۱۳)

یعنی اس شخص نے نذر مانی کہ دس درہم کی روٹی صدقہ کرے گا، پھر روٹی لے کر دس درہم کے چاول صدقہ کر دیے یہ بھی جائز ہے، جیسے روٹی کی قیمت صدقہ کرنا جائز ہے۔

فائدہ: بعض فقہاء رحمہم اللہ تعالیٰ نذر میں زمان، مکان اور درہم و فقیر وغیرہ لی نہیں سے نذر ان قیود سے مختص نہیں ہوتی، اس پر اشکال ہوتا ہے کہ فقیر نے قربانی کی نیت سے جانور خریدا تو حکم نذر ہونے کی وجہ سے بعینہ اسی جانور کی قربانی اس پر واجب ہے، تبدیل کرنا جائز نہیں، اس صورت میں اختصاص نذر کیوں ہوا؟

وجہ الفرق یہ معلوم ہوتی ہے کہ نذر تضحیہ میں فعل منذر یعنی ذبح کا اثر حسی حیوان میں پایا جاتا ہے اور نذر تصدق میں مسکی میں فعل منذر یعنی تصدق کا کوئی اثر حسی نہیں پایا جاتا۔

(ماخوذ از احسن العناہ : ۱۱)

شیرینی تقسیم کرنے کی نذر:

کسی نے نذر مانی کہ میرا فلاں کام ہو گیا تو بچوں کو شیرینی تقسیم کروں گا تو کام پورا ہوا۔

یہ شیرینی تقسیم کرنا واجب ہے کیونکہ الفاظ نذر میں بچوں میں سے اغنیاء کی تخصیص نہیں، اس لیے یہ اغنیاء و فقراء سب کو شامل ہے اور تصدق علی الفقیر عبارت مقصودہ ہے، لہذا یہ نذر صحیح ہے اور واجب الاداء ہے اور الفاظ نذر میں نہ تو شیرینی کی کوئی مقدار یا قیمت متعین کی گئی ہے اور نہ ہی بچوں کی تعداد بیان کی گئی ہے، اس صورت میں اطعام عشرۃ مساکین واجب ہے، یعنی مقدار صدقۃ الفطر سے دس گناہ زیادہ گیہوں یا اس کی قیمت کے برابر نقدی یا کوئی دوسری چیز صدقہ کرنا واجب ہے خواہ ایک مسکین کو دے یا متعدد کو بہر صورت نذر ادا ہو جائے گی۔

قال العلامة انحصکفی رحمہ اللہ تعالیٰ، قال عی بندر ولم یرد علیہ ولا ینہ فعیہ کفارہ یمیں ولو یوی صیاما بلا عدد لرمہ ثلاثۃ اام ولو صدقۃ فصاعۃ عشرہ مساکین کالفطرۃ، وقال العلامة اس عابدیں رحمہ اللہ تعالیٰ (قوله لرمہ ثلاثۃ اام) لان ایجاب بعد معسر یا یجاب اللہ تعالیٰ وادی دلت فی الصیام ثلاثۃ اام فی کفارۃ الیمیں بحر عن الوی الحیۃ (قوله ولو صدقۃ) ای بلا عدد (قوله کالفطرۃ) ای کل مسکین نصف صاع برو کذا لو قال للہ علی اطعام مسکین لرمہ نصف صاع بر استحسانا وان قال للہ علی ان اطعم المساکین علی عشرۃ عدد ای حیفة رحمہ اللہ تعالیٰ فتح .

(ردالمحتار: ۷۳/۳)

وہی شرح التوہید نذر لفقراء مکہ جاز الصرف لفقراء غیرہا لما تقرّر فی کتاب الصوم ان النذر غیر المعلق لا یختص بشیء بذراں یتصدق بعشرۃ درہم من الحر فتصدق بعیرہ جار ان ساوی العشرۃ کتصدقہ ثمنہ، و فی الشامیۃ تحت (قوله لما تقرّر فی کتاب الصوم) قلت و کما لا یتعب الفقیر لا یتعب عدده ففی الحانیۃ ای زوجت سنی فالع درہم من مالی صدقۃ لکل مسکین درہم مروج و دفع الالف الی مسکین حمۃ جار . (ردالمحتار: ۷۲/۳)

(ماخوذ از أحسن الفتاوی: ۴۸۳/۵)

نذر معلق میں صیغہ التزام ضروری نہیں:

نذر معلق میں صیغہ التزام ضروری ہے یا نہیں؟ اس سلسلہ میں احسن الفتاویٰ ۴۸۴/۵ سے ایک سوال وجواب نقل کیا جاتا ہے:

سوال. زید کی بھینس کا پاؤں ٹرک میں پھنس گیا، نہ نکل سکا، زید نے کہا کہ اگر اللہ تعالیٰ کے حکم سے میری بھینس کا پاؤں صحیح سلامت نکل جائے تو دس روپے اللہ واسطے دوں گے، صرف اللہ واسطے کا غلط کہا، منت یا نذر وغیرہ کچھ نہیں کہا تو یہ نذر کے حکم میں ہے یا نفلی صدقات کے حکم میں ہوگا؟

بینوا تو جروا

جواب ایسے الفاظ عرفاً نذر کیلئے مستعمل ہیں، اس لیے یہ نذر لازم اور واجب التصدق ہے۔

فإن الأيمان مسببة على العرف، قال في العلائية فإن الأيمان مسببة

على العرف فما تعورف بالحلف به فيمين وما لا فلا.

(ردالمحتار: ۵۲/۳)

والنذر في حكم اليمين كما في الشامية تحت (قوله ومن نذر

ندراً مطلقاً) وإنما ذكروا النذر في الأيمان لما يأتي من أنه لو قال

على نذر ولاية له لزمه كفارة ومرفى آخر كتاب الصيام أنه لو نذر

صوماً فإن لم يمس شيئاً أو نوى النذر فقط أو نوى النذر وإن لا يكون

يميناً كان ندراً فقط وإن نوى اليمين وإن لا يكون ندراً كان يميناً

وعليه كفارة أو افطر وإن نوى اليمين كان ندراً ويميناً حتى

لو افطر قصي وكفر ومرتد الكلام فيه. (ردالمحتار: ۶۸/۳)

وايضاً فيهما (قوله لأن البوبح ليس من جنسه فرض الخ) هذا

التعليل لصاحب البحر وبما فيه مافى الخانية قال ان برئت من مرضي

هذا ذبحت شاة فرئ لا يلزمه شيء إلا ان يقول قلله على ان ادبح شاة

اهـ . وهي عبارة متن الدرر وعللها في شرحه بقوله لأن اللزوم لا

يكون الا بالنذر والبدال عليه الثاني لا الاول اهـ فافاد ان عدم الصحة

لكون الصيغة المذكورة لا تدل على النذر اي لان قوله ذبحت شاة

وعد لا بدر و يؤيده ما في المزانية نو قال ان سلم ولدي اصوم ١٠
عشت فهذا وعد لكر في الرارية ايضا ان عوفيت صمت كد
يجب ما سم يفل لله تعالى على وفي الاستحسان يجب ولو قد ان
فعلت كذا فاما أحج ففعل يجب عليه الحج اه فعلم ان تعليل الدرر
مسي على القياس والاستحسان خلافه ويافيه ايضاً قول المصنف
على شاة ادسحها وعارة الفتح فعلى بالفاء في جواب الشرط ادلا
شث ن هد بس وعد او لا يقال اما لم يلزمه لعدم قوله لله عني لا
المصرح به صحة الدر بقوله لله على حجة او عني حجة .

(ردالمحتار: ٧٢/٣)

تبليغ میں جانے کی نذر صحیح نہیں:

کسی شخص نے نذر مانی کہ میرا فلاں کام ہو گیا تو چالیس دن تبلیغ میں جاؤں گا تو کام ہونے پر
اس نذر کا پورا کرنا واجب نہیں کیونکہ صحت نذر کے لیے یہ شرط ہے کہ منذر عبادت مقصودہ ہو، تبلیغ
عبادت مقصودہ نہیں اس لیے یہ نذر منعقد نہیں ہوئی، اس کا ایفاء واجب نہیں، جائز ہے۔

قال في التسيير ومن بدر بدر مطلقاً او معلقاً بشرط و كان من

جسسه واجب وهو عبادة مقصودة و وحدا الشرط لزوم النادر .

(ردالمحتار: ٦٨/٣) (هكذا في أحسن الفتاوى)

باقی جانا واجب نہ ہونے کا یہ مطلب نہیں ہے کہ جتنا کوئی گناہ کا کام ہے، بلکہ مناسب یہی
ہے کہ کام پورا ہوا تو اپنا ارادہ بھی پورا کرے۔

مدرسہ میں رقم دینے کی نذر:

اگر کوئی شخص اس طرح نذر مانے کہ فلاں کام ہو گیا تو فلاں مدرسہ کو اتنی رقم دوں گا تو کام
ہونے کے بعد مدرسہ کو اتنی رقم دینا لازم ہوگا کیونکہ مدرسہ کو دینے کے عرفاً و معنی ہو سکتے ہیں ایک
یہ کہ مدرسہ میں وقف کر دوں گا، دوسرے یہ کہ مساکین طلبہ مدرسہ کے لیے دوں گا بہر صورت نذر
منعقد اور واجب الاداء ہے کیونکہ وقف بھی جنس واجبات میں سے ہے کہ کم از کم مسجد کا وقف کرنا
مسلمانوں کے ذمہ واجب ہے اور صدقہ مساکین بھی جنس واجبات میں سے ہے لہذا یہ نذر منعقد ہو

گئی اگرچہ مسکین کی نیت اور تصریح نہ کرے اسی طرح اگر یہ نذر کی کہ اگر فلاں کام ہو جائے تو یہ گائے ذبح کرے اللہ واسطے دوں گا تو یہ نذر بھی صحیح ہے اور منعقد ہے کیونکہ یہ نذر صراحۃً گوشت کے صدقہ کی ہوئی اور تصریح میں نیت شرط نہیں البتہ محض ان لفظوں سے کہ یہ کام ہو گیا تو گائے ذبح کروں گا نذر کا انعقاد اس وقت تک احقر کے خیال میں نہیں ہوگا، جب تک ان الفاظ سے اس کی نیت گوشت صدقہ کرنے کی نہ ہو۔ (ماخوذ از امداد المفتین صفحہ ۷۲۹)

نذر ماننا ناپسندیدہ عمل ہے:

انسان جب کسی تکلیف میں مبتلا ہوتا ہے یا کسی مشکل میں پھنس جاتا ہے تو نذر ماننا ہے کہ یہ تکلیف یا بیماری دور ہو جائے یا یہ مشکل حل ہو جائے تو فلاں چیز صدقہ کروں گا اب اگر اس کو صحت حاصل ہو جائے تو اس پر نذر پوری کرنا لازم ہو جاتا ہے۔

نقوٰہ تعالیٰ: ﴿یوفون بالسدر ویحافون یوما کاں شرط

مستطیرا﴾ (سورۃ الدھر: ۷)

یعنی پورا کرتے ہیں منت کو اور ڈرتے ہیں اس دن سے کہ اس کی برائی پھیل پڑے گی، البتہ یہ یاد رکھنا چاہیے کہ شرعاً ناپسندیدہ عمل یہ ہے کہ ایسے موقع پر صدقہ کو نذر کے ذریعہ معلق کرنے کی بجائے نقد صدقہ خیرات کیا جائے تو بہ استغفار کا اہتمام کیا جائے اللہ تعالیٰ سے دعا کی جائے نذر ماننا شرعاً ناپسندیدہ عمل ہے رفع بلا میں اس نذر کا کوئی خاص دخل نہیں۔

لما ورد فی الصحیحین عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم انه قال:

لا تسدروا فباں السدر لا یقدم شینا ولا یوحره ویاں السدر لا یأتی بحیر

وایما یستخرج بہ من البخیل۔ (اخرجه البخاری: ۱۵۷/۴ مسلم

رقم ۱۶۴۰ باب الہمی عن السدر وانه لا یرد شینا)

جناب رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ نذر نہ مانا کرو کیونکہ نذر کی وجہ سے جو چیز تقدیر میں موخر ہے مقدم نہ ہوگی اور جو مقدم ہے وہ موخر نہ ہوگی اور نذر سے کوئی خیر حاصل نہیں ہوگی اس کے ذریعہ تو فقط بخیل سے مال نکالا جاتا ہے۔ (بخاری)

ولی کے نام بکرا ذبح کرنے کی نذر ماننا:

غیر اللہ کے نام پر نذر ماننا حرام ہے، اس منذور کا استعمال کرنا اس سے کسی قسم کا استفادہ بھی

حرام ہے اس کے بارے میں ایک اہم سوال وجواب نقل کیا جاتا ہے:

سوال ایک شخص نے اس طرح نذر مانی کہ "اے بزرگ میرا فلاں کام ہو جائے گا تو میں آپ کے نام پر بکرا ذبح کروں گا، آپ کے مزار پر الٹا لٹکوں گا، پھر اس کا کام ہو گیا تو اس نے مزار پر بکرا ذبح کیا اور خود کو کئی گھنٹے الٹا لٹکایا اس کی بیوی اس کے ساتھ مزار پر نہیں جا رہی تھی لیکن اس کو بھی زبردستی لے گیا، اب سوال یہ ہے کہ ایسا آدمی مسلمان رہا یا نہیں؟ اس کی بیوی سے اس کا نکاح نوٹ کیا یا باقی ہے؟ اگر نکاح نہیں رہا تو کیا دوبارہ نکاح کرنا ہوگا؟ اگر نکاح نہیں ٹوٹا تو ایسے آدمی کا شریعت میں کیا حکم ہے؟ کیا اس طرح کی نذر اور منت ماننا مزار پر بکرا ذبح کرنا، خود کو الٹا لٹکانا جائز ہے؟ جینواتو جروا

جواب: صورت مسئلہ میں نذر صحیح نہیں کہ یہ امور معصیت ہیں اور معصیت کی نذر منعقد نہیں ہوتی، اس نذر کا پورا کرنا جائز نہیں، ذبح مختار میں ہے:

وإن لا يكون معصية لداته . (در مختار: ۹۲/۳)

یعنی نذر منعقد ہونے کی شرط یہ ہے کہ گناہ کی نذر نہ ہو۔

شاہ محمد اسحاق محدث دہلوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

سوال چہل و نہم: نذر کردن بایں طور کہ اگر حاجت من بردر گاہ فلاں ولی این قدر از نقد و جنس طعام پختہ برسانم یا بنام او شاں سبیل کنانم چه حکم دارد، جائز یا گناہ کدام گناہ؟

جواب: نذر کردن بایں طور کہ اگر حاجت من خدا بردر گاہ فلاں ولی این قدر از نقد و جنس طعام پختہ برسانم درست نیست زیرا کہ در نذر کردن خدائے تعالیٰ چند شروط است اگر ہمہ متحقق شوند نذر لازم می شود والا لازم نیست الی قولہ۔ چہارم آنکہ منذور فی نذر گناہ نباشد اگر گناہ خواهد شد اصلا در نذر کردن برو لازم نخواہد شد چنانچہ در فتاویٰ عالمگیری مرقوم است الأصل ان الذر لا یصح الا بشروط الی قولہ۔ والرابع ان لا یكون المذکور معصية باعتبار نفسه انتهى چون ازیں عبارت معلوم شد کہ در نذر کردن چند شروط ضرور است، پس در سوال کہ مرقوم است کہ بدر گاہ فلاں این قدر طعام پختہ برسانم رسانیدن طعام جای عبادت نیست پس نذر صحیح نخواہد شد الخ۔ (مائة مسائل ص: ۸۱ تا ۸۴ فارسی)

ترجمہ: سوال چہل و نہم اس طرح منت ماننا کہ اگر خدا میری حاجت بر لائیں تو فلاں ولی کے

مزار پر اس قدر نقدی اور کھانا پہنچاؤں گا یا ان کے نام کی سبیل لگاؤں کیسا ہے؟ جائز ہے یا کناہ ہے؟ اگر گناہ ہے تو کس قسم کا گناہ؟

جواب: اس طرح منت ماننا کہ اگر خداوند تعالیٰ میری حاجت بر لا میں توفلاں ولی کے مزار پر اس قدر نقد و جنس اور پکا ہوا کھانا پہنچاؤں جائز نہیں اس لیے کہ خدا تعالیٰ کی منت ماننے میں چند شرطیں ہیں اگر تمام شرطیں پائی جائیں گی تو نذر لازم ہوتی ہے ورنہ نہیں الی قولہ چوتھی شرط یہ ہے کہ جو چیز منت میں مانی جائے وہ فی نفسہ گناہ نہ ہو اگر وہ فعل گناہ ہو تو منت کا پورا کرنا اس پر کبھی بھی لازم نہ ہوگا چنانچہ فتاویٰ عالمگیریہ میں ہے۔ قاعدہ یہ ہے کہ نذر صحیح نہیں ہوتی ہے مگر چند شرطوں کے پائے جانے پر الی قولہ چوتھی شرط یہ ہے کہ منذور فی نفسہ گناہ نہ ہو۔ اٹھی۔ جب اس عبارت سے معلوم ہو گیا کہ نذر ماننے میں چند شرطیں ضروری ہیں تو سوال میں جو صورت مرقوم ہے کہ فلاں ولی کے مزار پر اس قدر کھانا پہنچاؤں گا، مزار پر کھانا پہنچانا عبادت نہیں ہے اس لیے اس صورت میں نذر صحیح نہ ہوگی اگر اس طرح کہا جائے کہ اگر خداوند تعالیٰ میری حاجت بر لائیں توفلاں مزار کے فقیروں اور مجاوروں کو کھانا کھلاؤں گا تو نذر صحیح ہو جائے گی اور اس کی وفا لازم ہوگی لیکن فقراء مزار، مجاوروں کی تخصیص نذر کے پورا کرنے میں ضروری نہیں جس فقیر کو بھی دے دے گا نذر پوری ہو جائے گی اور اگر اس طرح کہے کہ اگر میری حاجت بر آئے توفلاں ولی کے لیے یا فلاں ولی کے نام پر اس قدر نقدی وغیرہ دوں گا تو ایسی منت ماننا بالاجماع باطل ہے اور وہ کھانا حرام ہے چنانچہ معتبر کتابوں کے حوالہ سے لکھا جائے گا اور اسی قسم سے ہے اگر یہ کہے کہ یہ چیز اس ولی اور سید کے نام کی ہے (تو یہ بھی حرام ہے) عالمگیری میں ہے وہ نذریں جو اکثر عوام مانتے ہیں کہ صلحاء کی قبر پر جاتے ہیں اور غلاف اٹھا کر مثلاً یہ کہتے ہیں کہ میں اس قدر مال اب قبر پر چڑھاؤں گا اے میرے سید اگر پوری فرمائیں میری حاجت کو تو یہ بالاجماع باطل ہے الی قولہ اور جب تم نے یہ سمجھ لیا تو یہ بھی سمجھ لو کہ وہ مال اور اس کے مثل اور چیزیں جو اولیاء کے مزار پر ثواب کے لیے لے جایا کرتے ہیں وہ بالاجماع حرام ہیں جب تک کہ زندہ محتاجوں پر خرچ کرنے کا ارادہ نہ کیا جائے اور اس پر سب متفق ہیں اور اس میں بہت سے لوگ مبتلا ہیں۔ (عالمگیری) بحر الرائق میں ہے وہ نذریں جو اکثر عوام مانتے ہیں جیسا کہ مشاہدہ ہے کہ کسی غائب آدمی کے لیے یا کسی بیمار کے لیے یا خود اس کو کوئی حاجت درپیش ہو تو وہ صلحاء کے مزار پر جاتا ہے اور مزار کے

ناف کو سر پر رکھ کر کہتا ہے کہ اے میرے فلاں سید! اگر آج اے میرا غائب آدمی یا اچھا ہو جائے میرا مرغش یا پوری ہو جائے میری حاجت، تو آپ پر اس قدر مال اس قدر کھانا یا اس قدر پانی یا اس قدر تیل یا اس قدر موم بتیاں یا اس قدر چراغ چڑھاؤں گا تو ایسی منت چند وجوہ سے باطل و جماع باطل ہے۔ اول تو اس لیے کہ یہ منت مخلوق کے لیے ہے اور مخلوق کے لیے منت، ناسی صورت میں جائز نہیں۔ اور اس وجہ سے بھی کہ مذکورہ میت ہے اور میت کی شے کا مالک نہیں ہوتا۔ اور اس وجہ سے کہ اگر کمان ہو کہ اللہ کے سوا اور دنیا میں میت بھی متصرف ہے تو یہ اعتقاد کفر ہے۔ الی آخر۔

(امداد المسائل ترجمہ مائتہ مسائل: صفحہ ۹۰، ۹۱، ۹۲)

مالا بدمنہ میں ہے ”سجدہ کرنا، سو۔ قبور انبیاء و اولیاء و طواف برد قبور کردن و دعا از آنہا خواستن نذر برائے آنہا قبول کرنا حرام است بلکہ چیز بازاں بہ کفری رسانند و غیر بغیر بر آنہا لعنت گفت، و ازاں منع فرمودہ و گفتہ کہ قبر مرابت نہ کنند۔“

یعنی انبیاء اور اولیاء کی قبروں کی طرف سجدہ کرنا اور ان سے دعا مانگنا اور ان کی نذر ماننا حرام ہے بلکہ بعض چیزیں کفر تک پہنچانے والی ہیں پیغمبر علیہ السلام نے ایسی چیزوں پر لعنت فرمائی ہے اور فرمایا کہ میری قبر کو بت نہ بنانا۔ (مالا بدمنہ: صفحہ ۸۰)

لہذا اس طرح منت ماننا کہ ”اے بزرگ میرا فلاں کام ہو جائے گا تو آپ کے نام پر بکرا ذبح کروں گا، آپ کے مزار پر ان لٹکوں گا۔“ سخت گناہ اور حرام ہے اور مشرکانہ فعل ہے یہ نذر منعقد ہی نہیں ہوئی یہ چیز جہالت سے سرزد ہوئی ہے اس لیے توبہ و استغفار لازم ہے اور ایسی صورت میں احتیاطاً جراتاً تجدید نکاح کا حکم کیا جائے۔ شامی میں ہے

نعم سید کرہ لشارح ان ما یکون کفراً اتفاقاً یبطل العمل
والنکاح، ما فی خلاف یؤمر بالاستغفار والتوبة و تجدید النکاح
وصحروہ امر حنیفاً طاحاً۔ (شامی: ۳۹۹/۲ باب المرتد)

(ماخوذ از الفتاویٰ رحیمیہ: ۶۵/۶)

جس جانور کے ذبح کرنے کی نذر مانی کیا اس کو بدلا جاسکتا ہے؟

نذر۔ جانور تبدیل کرنے کی ایک خاص صورت کا حکم یہاں سوال و جواب کی صورت میں پیش کیا جاتا ہے۔

سوال بعد سلام مسنون ایک مسئلہ دریافت طلب ہے، وہ یہ ہے کہ ایک شخص نے نذرمانی کہ اگر میرا فلاں کام ہو جائے تو میں اپنے دو بکروں میں سے ایک صدقہ کروں گا اور ابھی کام ہوا نہیں ہے لیکن امید ہے کہ آئندہ وہ کام ہو جائے تو کیا ابھی اس بکرے کی قربانی کر سکتا ہے؟ اس کا خیال یہ ہے کہ بکرے کی قیمت لگا کر قیمت محفوظ رکھ لے اور جب کام پورا ہو جائے تو اس قیمت کا بکرہ خرید کر صدقہ کر دے اور جو بکرہ موجود ہے اس کی قربانی کر ڈالے، شرعاً اس کی اجازت ہوگی؟

میں تو جروا

جواب: صورتِ مسئلہ میں بہتر یہ ہے کہ دو بکروں میں سے جو اچھا ہوا سے رکھ لیا جائے، دوسرے کو فروخت کر دیا جائے یا قربانی کر دی جائے اور یہ بھی درست ہے کہ دونوں کو فروخت کر دیا جائے یا قربانی کر دی جائے اور جب کام پورا ہو جائے تو ایک بکرے کی قیمت صدقہ کر دی جائے، یا اس کا بکرہ خرید کر صدقہ کر دیا جائے دونوں صورتیں جائز ہیں۔ اس قسم کے سوال کے جواب میں حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی قدس سرہ نے ارقام فرمایا ہے: یہ بھی اختیار ہے خواہ ذبح کر کے تصدق کر دے یا بکری کی قیمت کا تصدق کر دے اور فروخت کر دینے کے بعد بھی دونوں اختیار ہیں کہ خواہ دوسری بکری خرید کر ذبح و صدقہ کر دے یا وہ قیمت صدقہ کر دے۔

(امداد الفتاویٰ: ۲/۴۹۶)

روزہ کی نذر کی صورت میں فدیہ ادا کر سکتا ہے یا نہیں؟

سوال: زید نے نذرمانی کہ اگر میرے بھائی کی طبیعت ٹھیک ہوگئی تو میں تیس روزے رکھوں گا، زید کے بھائی کی طبیعت کچھ ٹھیک ہوگئی ہے اور اب وہ اپنی نذر پوری کرنا چاہتا ہے لیکن زید تاجر ہے اس کو روزہ رکھنا مشکل ہوگا اور پابندی نہ ہو سکے گی تو وہ ان روزوں کا فدیہ دے سکتا ہے یا نہیں؟ یا روزہ ہی رکھنا ضروری ہے؟ میں تو جروا

جواب: صورتِ مسئلہ میں زید کے بھائی کی طبیعت ٹھیک ہو جانے پر زید پر ایک ماہ کے روزے رکھنا ضروری ہیں، مسلسل رکھنا ضروری نہیں مگر فرق بھی رکھ سکتا ہے، فتاویٰ عالمگیری میں ہے:

وقد روی عن محمد قال لا علق النذر بشرط يرید كونه كقوله

ان شفى الله مريضی اورد غائبی لا یخرج عنه بالكفاره كذا فی

المبسوط ویلزمه عن ما سمي كذا فی فتاویٰ قاصی حان

دوسری جگہ ہے

یعنی اگر اس طرح نذر مانی میں ماہ رمضان کی طرح ایک مہینہ کے روزے اللہ کے واسطے رکھوں گا اگر اس سے مراد یہ ہو کہ رمضان کے مانند مسلسل ایک ماہ کے روزہ رکھوں گا تو اس کو لگا تار ایک ماہ کے روزے لازم ہوں گے اور اگر یہ نیت ہو کہ رمضان کے روزوں کے عدد (گنتی) کے مطابق روزے رکھوں گا یا چھ نیت نہ ہو تو اس کو تمیز روزے لازم ہوں گے چاہے متفرق رکھے یا مسلسل۔

نیاز کا حکم:

ہمارے ہاں بعض لوگ نیاز کرتے ہیں کبھی اس کو مختلف ناموں سے یاد کرتے ہیں، نیاز رسول، نیاز حسین، نیاز امیر یا نیاز اللہ وغیرہ نیاز کا حکم بیان کرتے ہوئے حضرت مفتی محمد شفیع صاحب رحمہ اللہ تحریر فرماتے ہیں کہ اس نیاز کی دو صورتیں ہیں ایک صورت میں اس کا کرنا حرام اور سخت گناہ ہے اس کے کھانے کا بھی یہی حکم ہے اور دوسری صورت میں چند شرائط کے ساتھ جائز ہے اور اس کا کھانا بھی جائز ہے۔ تفصیل اس کی یہ ہے کہ اگر نیاز انہیں بزرگوں کے نام کی ہو یعنی اس سے ان بزرگوں کا تقرب مقصود ہو تو یہ حرام ہے اور اس کا کھانا بھی حرام کیونکہ یہ نذر غیر اللہ ہے جس کی صریح ممانعت احادیث صحیحہ میں وارد ہے۔ سنن ابی داؤد میں حدیث ہے

لا نذر الا فيما يستغني به وجه الله
نذر منعقد نہ ہوگی مگر ایسی چیز کی جس سے اللہ کی رضا مقصود ہو۔
اور بحر الرائق میں ہے:

اسدر الادي يقع للأموال من أكثر أعموم وم يوجد من الشمع
والريت وسحوها الى ضرائع الأولياء الكرام تقرنا اليهم فهو بالاجماع
حرام الى قوله لانه حرام بل سحت ولا يجوز لحادم الشيخ احده الا
ان يكون فقيرا الخ .

اور اگر نذر اللہ تعالیٰ کے نام کی اور اس کی رضا تقرب کے لیے ہو صرف اتنا کیا جائے کہ
ایصالِ ثواب کسی بزرگ کو کر دیا جائے تو یہ بشرائط ذیل جائز ہے۔
۱۔ کوئی تاریخ ہمیشہ کے لیے مقرر نہ کرے۔

۲۔ جو کچھ کھانا ہو اس میں فقراء کو کھلائے اغنیاء اور صاحبِ نصاب لوگوں کو اس میں
سے کچھ نہ کھلائے۔

۳۔ اس کو لازم و واجب کی طرح جان کر نہ کرے اور ان لوگوں پر کوئی طعن نہ کرے
جو ایسا نہیں کرتے۔

۴۔ قرض لے کر اپنی وسعت سے زیادہ خرچ نہ کرے۔

۵۔ اور بھی کوئی خلافِ شرع کام اس کے ساتھ نہ ملائے۔ اس صورت میں یہ نذر
جائز بلکہ ثواب ہوگی اور اس کا کھانا بھی فقراء کے لیے جائز ہوگا۔ (ماخوذ از امداد المفتین: ۷۲۸)
استطاعت سے زائد نذر ماننے کی ایک صورت کا حکم:

کسی شخص نے نذر مانی کہ اس چیز کی قیمت حج پر صرف کروں گا اور اس کی استطاعت میں حج
کی رقم نہیں اور قیمت بھی حج کے مصارف سے بہت کم ہے، کیا اس پر اس نذر سے حج فرض ہو
جائے گا یا اگر فرض نہ ہو تو وہ منذور قیمت فی سبیل اللہ دینی پڑے گی یا نہیں؟ اس بارے میں
حضرت مفتی شفیع صاحب رحمہ اللہ تحریر فرماتے ہیں:

قال في البحر الرائق عن الخلاصة لو التزم بالدر أكثر مما يمكنه
هو المحتار كما إذا قال ان فعلت كذا فالف درهم من مالي صدقة

فمعل وهو لا سمحاً إلا المائة لا يلزمه إلا المائة . الح

(بحر ۳۲۱، ۴) (ومثله في الدر المختار والسمعي : ۷۳/۳)

عبارت مذکورہ سے معلوم ہوا کہ صورت مسئولہ میں اس شخص پر حج تو واجب نہیں لیکن اس چیز کی جو قیمت حاصل ہو اس کو حج کے مصارف میں خرچ کرنا واجب ہو گیا جس کی صورت یہ ہے کہ یا تو مکہ معظمہ میں کسی شخص کو دے دی جائے وہاں کے کوئی شخص اس رقم سے حج کر لیں اور یا کسی ایسے شخص کو دے دی جائے جو حج کا ارادہ رکھتا ہے اور اس کی رقم میں کمی ہے۔

عمرہ کی نذر حج ہے:

اگر کوئی شخص عمرہ ادا کرنے کی نذر مانے تو یہ نذر منعقد ہوگی اور اس کا ایفاء واجب ہوگا۔

سئل في الهدية عن المسوط ، ولو جعل عليه حصة او عمرة او

صوما او صلوة او صدقة او ما اشبه ذلك مما هو طاعة وإن فعل كذا

ففعل لزمه ذلك الذي جعله على نفسه اهـ . (عالمگیریہ : ۶۵/۲)

زبان سے کہے بغیر نذر نہیں ہوتی:

انعتاد نذر کے لیے زبان سے نذر کے الفاظ کہنا شرط ہے، صرف دل میں نیت کرنے سے نذر

منعقد نہیں ہوتی۔

في اعتكاف العلاية واجب بالذکر بلسانه ، وفي الشامية فلا

يكفي لا يحناه الية مع عن شمس الائمة . ردالمحتار : ۱۴۱/۲

وفي صوم الشامية تحت (قوله ولو نذر الح) قال في الملتقى والنذر

عمل اللسان . (ردالمحتار : ۱۳۴/۲)

باب اليمين

قسم کا بیان

قسم کسی بات کو پختہ کر کے بیان کرنے کے لیے کھائی جاتی ہے، اللہ تعالیٰ کی تعظیم کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کے ناموں میں کسی نام کو لے کر قسم کھانے سے بات پختہ ہوتی ہے، یہ مقابل کو بات پر یقین آ جاتا ہے لیکن بلا ضرورت بات بات پر قسم کھانا بری بات ہے، اس میں اللہ تعالیٰ کے نام کی

انتہائی بے حرمتی ہے اس لیے جہاں تک ہو سکے سچی بات پر بھی قسم نہ کھانا چاہیے۔

قال في المحيط الاصل في اليمين بالله تعالى تقيدها لان في

تكثير اليمين امصافاة الى المستقبل تعريض اسم الله تعالى لهتك .

(طحطاوي على الدر : ۲ / ۳۲۴)

غیر اللہ کی قسم کھانا جائز نہیں:

اللہ کے سوا کسی اور کے نام کی قسم مثلاً باپ کی قسم، بچے کی قسم، اپنے پیاروں کی قسم وغیرہ اس سے قسم منعقد نہیں ہوتی لہذا اس طرح قسم کھا کر اس کے خلاف کرنے سے کفارہ لازم نہیں ہوگا۔

سمع رسول الله صلى الله عليه وسلم عمر رضى الله عنه وهو

يحلف بسابيه و كان في سفر . فقال له صلى الله عليه وسلم : إن الله

عرو جل يسهاكم أن تحلفوا بآبائكم ، فمن كان حالها فليحلف بالله

أو ليصمت . اي ليسكت ، قال عمر : فوالله ما حلفت بها منذ

سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم نهى عنها داكرا ولا اثرا .

(أخرجه مسلم رقم ۱۶۴۶ والترمذي رقم ۱۵۳۳)

یعنی رسول اللہ ﷺ نے سنا کہ دوران سفر حضرت عمر رضی اللہ عنہ اپنے باپ کی قسم کھا رہے تھے تو رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے تمہیں اپنے آباء کی قسم کھانے سے منع فرمایا ہے، لہذا جس کو قسم کھانی ہو وہ اللہ کی قسم کھائے، یا خاموش رہے حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں، اللہ کی قسم جب سے غیر اللہ کی قسم کا ممنوع ہونا میں نے زبان نبوت سے سنا اس کے بعد کبھی غیر اللہ کی قسم نہیں کھائی، نہ قصد نہ کسی سے حکایت۔

کار خیر پر قسم کا حکم:

اگر کسی کار خیر کو آئندہ مستقبل میں انجام دہی کے متعلق قسم کھائے تو اب اس کو پورا کرنا ہی مناسب ہے، اسی طرح کسی مباح کام کے متعلق قسم کھائے تب بھی اس کام کو پورا کرنے کی کوشش کی جائے تاکہ قسم کا لحاظ رہے۔

گناہ پر قسم کھانے کا حکم:

اگر کسی نے گناہ کرنے کی قسم کھائی مثلاً سینما دیکھے گا یا ماں باپ سے بات نہیں کرے گا یا نعوذ

بائتہ نماز نہیں پڑھے گا تو اس پر واجب ہے کہ قسم توڑ کر کفارہ ادا کرے۔

فقولہ صلی اللہ علیہ وسلم من حلف علی یمنین ، قرأی غیرھا
حرأمنھا ، فلیات الہی ہو خیر ولیکفر عن یمینہ .

(الاحتیار للموصلی : ۴۸/۴ والحديث أخرجه مسلم رقم ۱۶۵۰)

جناب رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جو کسی بات پر قسم کھائے پھر اس کے خلاف میں
بہتری نظر آئے تو قسم توڑ دے پھر کفارہ ادا کرے۔

وفی التیسور ومن حلف علی معصیۃ کعدم الکلام مع یوہ او
قتل فلان الیوم وحب النحت والتکفیر . (ردالمحتار : ۶۴۰۳)

حرام چیز کو حرام کرنا بھی قسم ہے:

کسی حلال چیز کو اپنے اوپر حرام کرنا قسم ہے اسی طرح پہلے سے حرام چیز کو حرام کرنا بھی قسم
ہے، جیسے شراب اور خنزیر وغیرہ اب اگر کوئی شخص یوں قسم کھائے کہ مجھ پر سینما دیکھنا حرام ہے، سینما
دیکھنا تو پہلے سے حرام تھا اگر وہ اس قسم کے بعد دوبارہ سینما دیکھے تو سخت گناہ کے علاوہ قسم کا کفارہ
بھی لازم ہوگا۔

قال فی التیسور : ومن حرم شیئاً ثم فعله کفر . وفي الشرح ولو
حراماً ، او مسدث غیرہ ، کقولہ الخمر او مال فلان ، علی حرام فبمن
مالہ یرد الاخبار ما فیہ . (ردالمحتار : ۹۱۴/۳)
وفیہ ایضاً : لما تقرر أن تحریم الحلال یمین .

(ردالمحتار : ۶۵/۳)

جھوٹی قسم کا حکم:

جو بات ہو چکی ہے اس پر جھوٹی قسم کھانا بڑا گناہ ہے جیسے کسی نے نماز نہیں پڑھی اور جب کسی
نے پوچھا تو کہہ دیا کہ خدا قسم میں نماز پڑھ چکا ہوں، یا کھانا کھا چکا تھا جب کسی نے پوچھا تو کہہ دیا
خدا کی قسم میں نے ایک لقمہ بھی نہیں چکھا۔ تو یہ بہت بڑا گناہ ہے اس کا کوئی کفارہ تو نہیں لیکن اس پر
لازم ہے کہ خوب توبہ واستغفار کر کے اپنا گناہ اللہ تعالیٰ سے معاف کروائے۔

فالغموس هو الحلف علی امر ماض یتعمد الکذب فیہ فہدہ

میں۔ نہ قہر۔ نہ حب۔ نہ کثرت۔ نہ لا۔ نہ ہ۔ نہ استعد

(حدیث: ۴۵۷۲)

قسم کا کفارہ:

اگر کسی شخص نے قسم رانی تو اس کا کفارہ یہ ہے کہ اس مسکینوں کو دو وقت پیٹ بھر کر کھانا کھلانے یا دس فطرانہ کی مقدار کندم، چاول وغیرہ دے دے یا نقد رقم دے دے۔ یا اس مسکینوں کو جوڑا دیدے۔ نقد دینا چاہے تو دس فطرہ کی مقدار دینا ہوگا۔

کفارے کا روزہ:

اگر کسی کو اوپر کی تین باتوں میں سے کسی ایک پر بھی قدرت حاصل نہ ہو تو اس پر لازم ہے کہ تین دن مسلسل بلا ناغہ روزہ رکھے۔

فان لم يقدر على حدة الاشياء اشبه صام ثلاثة ايام متتابعات

(ہدایہ: ۴۶۰/۲)

علاج و معالجہ کا بیان

بیماری کا علاج کرنا سنت ہے:

اگر کوئی شخص بیمار ہو جائے تو اس بیماری سے صحت یابی کے لیے مدد کرانے کا شرعاً کیا حکم ہے؟ اگر علاج نہ کروائے اور بیماری کی وجہ سے انتقال ہو جائے تو گناہ ہوگا یا نہیں؟ تو سمجھ لیا جائے کہ مدد ایک ظاہری سبب سے اور سنت عمل ہے تاہم اگر کوئی بیمار اپنا علاج نہ کرنے کی وجہ سے مر جائے تو گناہ نہیں ہوگا۔

عن قال الإمام العقیہ بن سیرق قدی: وہ مریض ولم

يعالج حتى مات لم يأنه بخلاف الحائض بدنه يأكل حتى مات

بالجوع يأنه به. (فتاویٰ ہمارے، ص ۲۰۰ کتاب الکراہیہ)

علامہ سمرقندی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اگر کوئی شخص بیمار ہو اور علاج نہیں کروایا یہاں تک مر گیا تو علاج نہ کروانے کی وجہ سے گناہ نہیں ہوگا۔ بخلاف بھوکا شخص اگر اس کو کھانا میسر ہونے کے باوجود نہ کھائے یہاں تک بھوک کی وجہ سے مر جائے تو گناہ نہیں ہوگا۔

قال العلامة ابن سرار الكردي رحمه الله امتنع عن الأكل حتى مات جوعاً ثم واد عن التدوي حتى تنف مرضاً لا لال عدم الهلاك بالأكل مقطوع والشفاء بالمعالجة مطنون .

(الفتاوى سرارية عبي هامن الهدية ٦ ٣٦٧ نوع في التدوي ، كتاب الكراهية ومثله في الاحصار على تعليل المختار ١٧٤/٤ كتاب الكراهية)

وفي الهدية قال : إما الأكل فعلى مراتب فرص وهو ما يدفع به . هلاك فان نثر الأكل والشرب حتى هلك فقد عصي . ولا يجوز ارياسة تنفيل الأكل حتى ضعف عن أداء الفرائض ولو جاع ولم يأكل مع قدرته حتى مات يائماً .

(عالمگیریہ : ١٠٢/٤ كتاب الكراهية)

حمل گرانے کا حکم:

ضبط تولید اور اسقاط حمل کی شرعی حیثیت کیا ہے؟

جواب ضبط تولید اور اسقاط حمل دونوں کی مجموعی طور پر چار صورتیں ہیں:

(١) قطع نسل یعنی کوئی ایسی صورت اختیار کرنا جس کی وجہ سے دائمی طور پر قوت تولید

ختم ہو جائے۔

(٢) منع حمل یعنی ایسی صورت اختیار کرنا کہ قوت تولید باقی رہتے ہوئے حمل قرار

نہ پائے۔

(٣) حمل ٹھہر جانے کے بعد چار ماہ پورے ہونے سے پہلے کسی ذریعہ سے اس کو

ساقط کرنا۔

(٤) چار ماہ گزرنے کے بعد حمل گروانا۔

احکام پہلی صورت بالاتفاق حرام ہے، خواہ اس میں کتنے ہی فوائد نظر آئیں اور خواہ اس کے

دوائی بظاہر کتنے ہی قوی ہوں۔

دوسری صورت کے حکم میں تفصیل یہ ہے کہ بلا عذر یہ صورت اختیار کرنا مکروہ تنزیہی ہے اور

درج ذیل اعذار کی صورت میں بلا کراہت جائز ہے۔

- (۱) عورت اتنی کمزور ہے کہ بار حمل کا تحمل نہیں کر سکتی۔
- (۲) عورت اپنے وطن سے دور کسی ایسے مقام میں ہے جہاں اس کا مستقل قیام و قرار کا ارادہ نہیں اور سفر کسی ایسے ذریعہ سے ہے کہ اس میں مہینوں لگ جاتے ہوں۔
- (۳) زوجین کے باہمی تعلقات ہموار نہ ہونے کی وجہ سے علیحدگی کا قصد ہے۔
- (۴) پہلے سے موجود بچے کی صحت خراب ہونے کا شدید خطرہ ہے۔
- (۵) یہ خطرہ ہو کہ فسادِ زمان کی وجہ سے بچہ بد اخلاق اور والدین کی رسوائی کا سبب ہوگا۔

- اگر کوئی ایسی غرض کے تحت حمل روکے جو اسلامی اصول کے خلاف ہے تو اس کا عمل بالکل ناجائز ہوگا، مثلاً کثرتِ اولاد سے تنگیِ رزق کا خیال ہو یا یہ وہم ہو کہ بچی پیدا ہوگئی تو عار ہوگی۔
- تیسری صورت بلا عذر ناجائز اور حرام ہے البتہ بعض اعذار کی وجہ سے اس کی گنجائش ہے، مثلاً:
- (۱) حمل کی وجہ سے عورت کا دودھ خشک ہو گیا اور دوسرے ذرائع سے پہلے بچے کی پرورش کا انتظام ناممکن یا محذور ہو۔
 - (۲) کوئی دیندار، حاذق طبیب عورت کا معاینہ کر کے یہ کہہ دے کہ اگر حمل باقی رہا تو عورت کی جان یا کوئی عضو ضائع ہونے کا شدید خطرہ ہے۔
- چوتھی صورت مطلقاً حرام ہے، کسی بھی عذر سے اس کی کوئی گنجائش نہیں۔

(احسن الفتاویٰ: ۸/۳۴۷)

قال الشامي رحمه الله . يحوز بها سد فم الرحم كما تفعله النساء مخالفا لما بحنه في المحرم من انه يسعي ان يكو حراما بعير اذن الزوج قياسا على عرله بعير ادبها لكس هي الراربه ان له مع امراته عن العزل الح نعم النظر إلى فساد الرمان يقيد الحواز من الحاسين فما في المحرم مني على ما هو اصل المذهب وما في المهر على ما قاله المشايخ . (شاميه مصرى ، باب مكاح الرقيق ۲۰ ، ۳۹)

اولاد کی کثرت نعمتِ الہیہ ہے:

بعض لوگ شادی کے بعد اس فکر میں لگے رہتے ہیں کہ اولاد کم سے کم ہو بعض لوگ تو اس لیے

اولاد سے بیزار رہتے ہیں کہ اولاد ان کی عیاشی میں مخل نہ ہو اور بعض کا یہ خیال ہوتا ہے کہ نعوذ باللہ اولاد پیدا ہونے کے بعد خرچہ کا بندوبست کیسے ہوگا؟ بعض لوگ غیر مسلموں کے اس پر فریب نعرے میں آجاتے ہیں کہ ”بچے دو ہی اچھے“ حالانکہ یہ سب باتیں شریعت مطہرہ کے خلاف ہیں، اس کے برخلاف جناب نبی کریم ﷺ نے اولاد کی کثرت کو اللہ تعالیٰ کی نعمت بتایا ہے۔

كَقَوْلِهِ عَلَيْهِ السَّلَامُ نَزَّوْجُوا الْوَدُودَ الْوَدُودَ ، فَبِأْسَى مَكَانٍ مَكَمُ

الامم . (مشکوٰۃ : ۲ / ۲۷۶)

رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ ایسی عورتوں سے شادی کرو جو زیادہ محبت کرنے والی ہو اور زیادہ بچے جنمنے والی ہو، کیونکہ میں (قیامت کے روز) اپنی امت کی کثرت کے ذریعہ اور امتوں پر فخر کروں گا۔

لہذا اولاد کو عذاب الہی سمجھنے یا تنگی رزق کا ذریعہ سمجھنے یا کسی عار وغیرہ کا ذریعہ سمجھنے کی بجائے نعمت الہیہ سمجھتے ہوئے اس کی پیدائش کے اسباب بند نہ کیا جائے بلکہ فطری طریقہ پر جنسی اولاد ہو جائے اللہ کا شکر بجالائیں۔

ٹیسٹ ٹوب بے بی کا حکم:

شریعت اسلامیہ نے انسان کی طبعی اور فطری ضرورت کو پورا کرنے کے لیے نکاح کا پاکیزہ اصول رکھا ہے، اسی طرح حصول اولاد کی فطری خواہش کی تکمیل کے لیے ازدواجی قانون کا نظام رکھ دیا ہے۔ انہیں اصولوں کو بروئے کار لانے کے لیے غیر منکوحہ اور غیر مملوکہ عورتوں سے زنا اور جنسی ملاپ خواہ ظاہر یا خفیہ رضا اور رغبت سے ہو یا جبر واکراہ سے، اجرت کے ساتھ ہو یا بغیر اجرت حرام قرار دیا ہے اور اس کے لیے سخت سے سخت ترین سزا سو کوڑے یا رجم کی سزا رکھی ہیں اور آخرت میں عذاب جہنم کی وعید بھی ہے۔ اسی طرح لواطت اور انعام بازی کو حرام اور ممنوع قرار دیا ہے، دنیا میں اس کے لیے زنا کی طرح کوڑے، قتل، سنساری، پہاڑ کے اوپر سے گرا کر ہلاک کر دینے کی سزائیں رکھی ہیں، جہنم کے عذاب کی وعید الگ ہے۔

نیز یہ کہ ہر قسم کی بے حیائی اور عریانی و بے پردگی کو ممنوع اور حرام قرار دیا ہے، مقصد ان سارے احکام سے یہ ہے کہ انسان کی طبعی اور فطری ضرورت پوری کرنے کے لیے پاکیزہ معاشرہ میسر ہو اور اس کی ازلی شرافت اور پیدائشی کرامت بحال رہے۔ اصول شریعت کے مطابق توالد و

تناسل کا سلسلہ بھی یوں ہی چلتا رہے، لیکن انسان اگر مذکورہ اصول شریعت اور حدود الہیہ کی پابندی نہیں کرتا اور جانوروں کی طرح آزادانہ طور پر ہر عورت سے جب چاہے جس طرح چاہے جنسی ملاپ قائم کرتا ہے اور طبعی اور فطری خواہش کو پورا کرنا چاہتا ہے یا حصول اولاد کے مقررہ اصول سے ہٹ کر اپنی مرضی سے کوئی طریقہ اختیار کرتا ہے تو یہ اپنے خالق کائنات کے قانون سے کھلی بغاوت کرتا ہے اور محسن انسانیت آقا صلی اللہ علیہ وسلم کی ہدایات کی صریح خلاف ورزی کرتا ہے۔ یہ شخص صراطِ مستقیم سے نکل کر گمراہی اور شیطان کا راستہ اختیار کرتا ہے۔ جنت کے راستہ کو چھوڑ کر جہنم کا راستہ اختیار کرتا ہے جو کہ انسان کے لیے ہلاکت اور تباہی کے سوا کچھ نہیں ہے، اللہ تعالیٰ ہمیں اور سب مسلمانوں کو دین و شریعت کا فہم عطا فرمائے اور اس پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔

ٹیسٹ ٹیوب بے بی کی اصولی طور پر دو صورتیں بنتی ہیں یا تو مرد کے مادہ منویہ بے لے کر اسی مرد کی بیوی کے رحم میں غیر فطری طور پر پہنچایا جائے گا یا غیر مرد کا مادہ منویہ کسی عورت کے رحم میں پہنچایا جائے گا دونوں کا حکم الگ الگ لکھا جاتا ہے

۱۔ ٹیسٹ ٹیوب بے بی کی پیدائش غیر فطری طریقہ ہے جس میں مرد کے مادہ منویہ اور اس کے جرثومے حاصل کر کے دوسری غیر منکوحہ عورت کے رحم میں غیر فطری طریقے سے ڈالے جاتے ہیں اور یہ جرثومے مدتِ حمل تک اس اجنبی عورت کے رحم میں پرورش پاتے ہیں اور مدتِ حمل پوری ہو جانے کے بعد جب بچہ پیدا ہو جاتا ہے تو عورت کو مدتِ حمل کی بار برداری اور تکلیف اٹھانے کی معقول اجرت دے کر مرد بچہ لے لیتا ہے، اس طرح کی خواہش پوری کی جاتی ہے اور یہ از روئے شرع ناجائز و حرام ہے کیونکہ قرآن و حدیث میں حصول اولاد کے لیے دو ہی اصول مقرر کر دیے ہیں کہ انسان اپنی منکوحہ بیوی سے فطری طریقہ سے جماع کرے اور ارادہ اولاد کی پیدائش کا کرے۔

﴿فَالْأَنبَاءُ بِأَشْرُوهُمْ وَأَبْنُوهُمَا كَتَبَ اللَّهُ لَكُمْ﴾ (النقرة: ۱۸۷)

”اور تم اپنی منکوحہ بیویوں سے جماع کرو اور ارادہ اولاد کا کرو جن کے متعلق اللہ تعالیٰ نے تمہارے واسطے لکھ رکھا ہے۔“

فطری طریقے سے تحصیل اولاد، اس سے کئی فائدہ ہیں ایک تو مرد اور بیوی دونوں کی فطری

شہوت پوری ہو جائے گی، دونوں کی شرمگاہیں کسی غلط راستے میں مستعمل ہونے سے محفوظ ہو جائیں گی اور دونوں کی نگاہیں بھی اجنبی مرد اور عورت سے پاک رہیں گی۔ اس لیے کہ فطرت کا تقاضہ ہے کہ مرد اور عورت فطرت کے طریقے سے خواہش پوری کریں، جب مرد غیر فطری طریقہ سے مادہ منویہ نکالے گا تو عورت کی فطری خواہش باقی رہے گی تو وہ ضرور کسی غیر مرد سے اور غیر شرعی طریقے سے خواہش پوری کرنے کی کوشش کرے گی، یہ بہت بڑا دینی اور شرعی نقصان ہے اور اخلاقی ضرر ہے، دیگر یہ کہ مذکورہ بالا طریقہ پیدائش میں یہ خرابیاں بھی ہیں:

(۱) اولاد کے خواہش مند مرد نے جس اجنبی عورت کے رحم میں اپنا مادہ منویہ کو ڈالا ہے وہ عورت اس کا منکوحہ یا مملوکہ نہیں ہے جب کہ قرآن و حدیث کی رو سے منکوحہ یا مملوکہ عورت کے سوا کسی بھی عورت کے رحم میں انسان اپنا مادہ منویہ داخل نہیں کر سکتا خواہ فطری طریقہ پر ہو یا غیر فطری طریقہ پر یہ ایسا ہے کہ انسان اپنی بیوی (کھیت کی زمین) چھوڑ کر دوسری عورت (غیر مملوکہ زمین) میں کھیتی کرنے کی خواہش سے مل چلاتا ہو یا بغیر مل چلائے بیج ڈالتا ہو جس طرح غیر مملوکہ زمین میں کھیت و زراعت کے واسطے بیج ڈالنا جائز نہیں ہے بلکہ بے حیائی اور بے غیرتی کی بات ہے، اس طرح غیر منکوحہ یا دوسرے کی منکوحہ عورت کے رحم میں مادہ منویہ (جو کہ نسل انسانی کا بیج ہے) کا ڈالنا جائز نہیں ہے بلکہ انتہائی درجہ بے غیرتی اور ذلت کی بات ہے۔

پھر یہ کہ نسل انسانی کی پیدائش کے واسطے شریعت نے عورت کے رحم کو کرائے یا اجرت پر دینے یا لینے کا کوئی طریقہ نہیں رکھا۔ نہ ہی کسی عورت کو عاریت پر لینے یا دینے کی اجازت دی ہے بلکہ یہ حکم دیا ہے کہ اولاد کی خواہش پوری کرنے کے لیے شرعی اصول کے مطابق کسی بے شوہر عورت سے نکاح کر لو، بلکہ حدیث میں ہے کہ زیادہ اولاد جننے والی عورت سے نکاح کرو، پھر اس سے فطری طریقہ سے مباشرت کرو اور فطری راستے سے نسل انسانی کا مادہ منویہ عورت کے رحم میں پہنچاؤ اور مباشرت کرتے وقت دل میں اولاد کا ارادہ بھی کرو، اس ہدایت پر عمل کرنے کے بعد اللہ تعالیٰ نے اگر چاہا تو اولاد کی خواہش پوری فرمادے گا اور اولاد صالح پیدا ہوگی۔

غرض یہ کہ ٹیسٹ ٹیوب بے بی کے مذکورہ طریقہ سے اجنبی عورت کے رحم میں کسی اجنبی مرد کا مادہ منویہ اور جراثیم داخل کرنا اولاد حاصل کرنے کی سعی کرنا قرآن و حدیث کی رو سے جائز نہیں۔ اس سے قرآن و حدیث کی بے شمار نصوص کی خلاف ورزی اور شریعت کے بے شمار اصولوں

سے انحراف اور اللہ و رسول اللہ ﷺ کے قانون سے بغاوت لازم آتی ہے، اس کے علاوہ بے شمار معاشرتی خرابیاں پیدا ہوتی ہیں۔

مثلاً (۱) جس اجنبی عورت کے رحم میں مرد کا مادہ منویہ بذریعہ انجکشن یا پچکاری داخل کیا جائے گا خود مرد داخل کرے گا یا ڈاکٹر، تو ان کے سامنے بے حیائی کا مظاہرہ ہوگا، حفاظت و شرمگاہ اور حفاظت نگاہ کی پابندی ختم ہو جائے گی، غیرت اور حمیت باقی نہیں رہے گی۔

(۲) پھر پاکیزہ عورت اور اس کی شرمگاہ بکاؤ اور کرائے کا مال بن جائے گی جب اس کو ضرورت ہوگی اپنے عضو مخصوص کو ذریعہ معاش بنائے گی یہ سلسلہ انسانی معاشرے میں بہت بڑے فساد کا ذریعہ ہوگا۔

(۳) پھر جب اولاد پیدا ہوگی اس کی نسل اور نسب قرآن و حدیث کے لحاظ سے اس مرد سے ثابت نہ ہوگا جس کا مادہ منویہ عورت کے رحم میں ڈالا گیا ہے کیونکہ شریعت کے اصول میں ثبوت نسب کے لیے عورت کا منکوحہ یا مملوکہ ہونا ضروری ہے اور یہ اجنبی عورت اولاد کے خواہشمند مرد کی منکوحہ یا مملوکہ نہیں ہے بلکہ یہ اجنبی عورت اگر کسی مرد کی منکوحہ ہے تو بچہ کا نسب اس عورت کے شوہر سے ثابت ہو جائے گا کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

الولد للفراش واللعاهر المحمر . (مشکوٰۃ شریف : ص ۲۸۸)

یعنی اولاد کی نسبت عورت کے شوہر کی طرف ہوگی اور نہ ماکرنے والوں کے لیے سنگسار کرنے کی سزا ہوگی۔

جس کا مطلب یہ ہوا جس کا فراش (بیوی) ہے بچہ اس کا ہوگا اور جس اجنبی مرد نے اجنبی عورت کے رحم میں اپنے مادہ منویہ کو داخل کیا ہے اگر فطری طریقہ سے دلی کر کے داخل کیا ہے تو یہ عین زنا ہے اور غیر فطری طریقہ سے داخل کیا ہے تو یہ اگرچہ عین زنا تو نہیں ہے لیکن حکم زنا میں ہے۔ اس لیے کہ کسی مرد کو اپنی منکوحہ یا مملوکہ عورت کے سوا دوسری عورت کے رحم میں مادہ منویہ داخل کرنے کی اجازت نہیں ہے جیسا کہ گزشتہ صفحات میں حدیث کے حوالہ سے معلوم ہوا کہ آپ ﷺ نے فرمایا کسی مرد کے لیے حلال نہیں ہے کہ اپنی منکوحہ یا مملوکہ عورت کے سوا کسی عورت کے رحم میں پانی ڈالے (یعنی مادہ منویہ داخل کرے) اس لیے کہ اس سے جو بچہ ہوگا وہ منی کے جڑوئے داخل کرنے والے کا نہ ہوگا بلکہ جس کی عورت ہے اسی مرد سے نسب ثابت ہوگا۔

لیکن وہ دوسری عورت اگر بے شوہر عورت ہے پھر بھی اجنبی مرد جس کے جرثومے سے بچہ پیدا ہوا ہے اس سے نسب ثابت نہ ہوگا بلکہ عورت ہی سے بچہ کا نسب ثابت ہوگا یعنی بچہ کی نسبت عورت کی طرف کی جائے گی اور اجنبی مرد کی منی کا داخل کرنا چونکہ زنا کے حکم میں ہے، اس لیے زنا سے نسب کا ثبوت نہیں ہوگا، اس کی قانونی حیثیت ولد الزنا کی ہوگی۔

نیز چونکہ شرعاً کسی عورت کے رحم یا شرمگاہ کو عاریت یا اجارہ پر لینے کا کوئی جواز یا اس کا تصور اسلام میں نہیں ہے جیسا کہ ابن عباس رضی اللہ عنہ کی حدیث کے حوالہ سے گزر چکا ہے، اس لیے کسی بھی صورت میں اولاد کے خواہش مند مرد کے جرثومے سے ہونے والے بچہ کا نسب اس مرد سے ثابت نہ ہوگا جب کہ مرد کے جرثومے اجنبی عورت کے رحم میں داخل کیے گئے ہوں۔

کتاب فقہ میں تصریح ہے:

وبسب ولد الزنا واللعان بجهة الأم مما قلنا انه لا اب له .

(رد المحتار: ۵/۷۰۰)

کہ ولد الزنا اور ولد اللعان کو ماں کی طرف منسوب کیا جائے گا۔ اس وجہ سے کہ ہم نے اس سے قبل لکھا ہے کہ ان کا باپ نہیں ہے۔

جس کا مطلب یہ ہے کہ زانی زنا کر کے جو جرثومے مزنیہ کے رحم میں داخل کرتا ہے گویا غیر اصولی اور غیر قانونی طور پر داخل کرنے کی وجہ سے شریعت نے زانی کے جرثومے کی کوئی حیثیت نہیں دی، اسے بے قیمت اور کالعدم قرار دیا ہے۔ اسی لیے نسب زانی سے ثابت نہیں ہوتا بلکہ بچہ کی نسبت شرعاً ماں کی طرف ہوگی۔

اسی طرح لعان کے بعد کہ شوہر نے بیوی پر زنا کا دعویٰ کیا کوئی گواہ نہیں ہے اور دعویٰ پر اس نے شرعی طریقہ سے عدالت میں قسم کھا کر کہا کہ اس کی بیوی نے زنا کیا ہے، ہونے والا بچہ یا حمل اس کا نہیں ہے تو اس صورت میں لعان کے بعد ہونے والا بچہ کو ولد اللعان کہا جائے گا، اس کی نسبت ماں کی طرف ہوگی نہ کہ باپ کی طرف، اس کو وراثت ماں سے ملے گی۔ اجنبی مرد جس کے جرثومے سے اس سے کوئی وراثت نہیں ملے گی، اس طرح صورت مسئلہ میں بچہ کی نسبت بے شوہر عورت کی طرف ہوگی، اس اجنبی مرد کی طرف نہ ہوگی جس کے جرثومے عورت کے رحم میں داخل کیے گئے ہیں، اس طرح یہ بچہ معاشرہ میں معیوب اور مطعون بن کر رہے گا۔ اس کو دیکھتے ہی

لوگوں کے ذہنوں میں غلط حرکتوں فی ثقی پر مبنی جملہ افعال فتنل ہو جائیں گے جو کہ فساد معاشرہ کا ایک حصہ ہے۔

(۹) اور اس طریقہ ولادت سے یہ بھی نقصان ہوگا کہ مرد نے ایک صحیح النسب بچہ کی جد ایک ولد الزنا کو جنم دیا ہے گویا اس نے اپنی منی کے جرثوموں کو ضائع کیا ہے جن سے ولد الزنا پیدا ہوا ہے جب کہ ان جرثوموں کو اگر وہ منکوحہ عورت کے رحم میں داخل کرتا تو صحیح النسب بچہ پیدا ہوتا، اس سے صالح معاشرہ پیدا ہوتا، دنیا میں بھی عزت و شرافت والا نسب نصیب ہوتا، آخرت میں سرخروی حاصل ہوتی جب کہ ولد الزنا کی خود دنیا میں رسوائی ہوتی ہے اور آخرت میں بھی جب کہ اسے باپ کی ولدیت کی جگہ ماں کے نام سے پکارا جائے گا رسوائی ہوگی، زانی کی رسوائی تو ہے ہی۔

(۱۰) اس جرثومے سے ہونے والے بچہ کی نسبت چونکہ ماں کی طرف ہوگی اس لیے جملہ اخراجات نان و نفقہ وغیرہ بھی ماں کے ذمہ واجب ہوں گے، نہ کہ اس مرد پر جس کے جرثومے تھے، یہ دوسری بات ہے کہ مرد اسے قبول کرے اور اس کی ذمہ داری اٹھائے، لیکن جب شرعاً اس پر لازم نہیں ہے تو یہ بہت ممکن ہے کہ جب مرد یہ دیکھے گا کہ بچہ اس کی خواہش کے مطابق نہیں یا ناقص ہے تو اس کو لینے سے انکار کر دے گا جب کہ قانون شرع اسے مجبور نہیں کرتا، تو اس سے بلا وجہ عورت پر ایک بوجھ ڈالنے کے سوا اور کچھ نہ ہوگا کیونکہ بچہ کا رشتہ ماں سے ہوگا اور اس کے سارے اخراجات کا بوجھ بھی اس پر ہوگا۔

(۱۱) نیز ٹیسٹ نیوب کے ذریعہ اولاد پیدا کرنے کا گناہ اجنبی مرد اور عورت دونوں پر ہوگا۔ دونوں شرع اور قانون فطرت سے بغاوت کے مرتکب ٹھہریں گے لیکن چونکہ اس میں حقیقی زنا کی صورت (مرد کا آلہ تناسل غیر منکوحہ کی شرمگاہ میں داخل کرنے کی صورت) نہیں پائی جاتی، اس لیے زنا کی حد، تو ان پر جاری نہ ہوگی، البتہ اسلامی حکومت ان پر تعزیری سزا عائد کر سکتی ہے اور آخرت کی سزا الگ ہوگی۔

۲۔ ٹیسٹ نیوب کے ذریعہ اولاد پیدا کرنے کا دوسرا طریقہ جس میں مرد اور عورت دونوں میاں بیوی ہوں مگر فطری طریقہ سے ہٹ کر غیر فطری طریقہ سے مرد کے جرثومے اور عورت کے جرثومے کو نکالنے کے بعد خاص ترکیب سے بیوی کے رحم میں داخل کرتے ہیں۔ اس کا حکم پہلے

سے مختلف ہوگا، پہلی بات تو یہ ہے کہ شوہر کا مادہ منویہ عورت کے رحم میں داخل کیا گیا جو کہ ناجائز نہیں ہے، اس طرح اس سے حمل ٹھہرا تو ثابت النسب ہوگا اور اس میں کوئی تعزیری حکم نہیں ہوگا، اس وجہ سے کہ زنا کے حکم میں نہیں ہے اور اس میں گناہ بھی نہیں ہوگا، جب کہ دونوں کے جراثیم نکالنے اور داخل کرنے میں کسی اجنبی مرد اور عورت کا عمل دخل نہ ہو، بلکہ سارا کام بیوی اور شوہر خود ہی انجام دیں لیکن شوہر اور بیوی کے جراثیم کو غیر فطری طریقہ سے نکالنے اور عورت کے رحم میں داخل کرنے میں اگر تیسرے مرد یا عورت کا عمل دخل ہوتا ہے اور اجنبی مرد یا عورت کے سامنے شرمگاہ دیکھنے یا دکھانے اور مس کرنے یا کرانے کی ضرورت پڑتی ہے تو اس طرح بے حیائی اور بے پردگی کے ساتھ بچہ پیدا کرنے کی خواہش پوری کرنے کی اجازت شرعاً نہ ہوگی، کیونکہ بچہ پیدا کرنا کوئی فرض یا واجب امر نہیں ہے، نہ ہی بچہ پیدا نہ ہونے سے انسان کو جان یا کسی عضو کی ہلاکت کا خطرہ ہوتا ہے تو گویا کہ کوئی شرعی ضرورت و اضطراری کیفیت نہیں پائی جاتی جس سے بدن کے مستور حصے خصوصاً شرمگاہ کو اجنبی مرد یا عورت ڈاکٹر کے سامنے کھولنے کی اجازت دے۔

لہذا ٹیسٹ نیوب بے بی کے دوسرے طریقہ کو اگر کسی اجنبی مرد یا اجنبی عورت ڈاکٹر کے ذریعہ انجام دیا جاتا ہے تو جائز نہیں ہے یعنی گناہ کبیرہ کا ارتکاب ہوگا، تاہم بچہ کا نسب شوہر سے ثابت ہوگا، اس کو باپ سے وراثت ملے گی۔ صحیح اولاد کے احکام اس پر جاری ہوں گے۔

یہاں اور چند مزید ممکنہ صورتیں پیدا ہو سکتی ہیں جن کی طرف توجہ نہیں دی گئی، لہذا فائدے کے طور پر ان صورتوں کا حکم بھی اجمالاً بیان کر دینا ضروری معلوم ہوتا ہے، چوہ یہ کہ ٹیسٹ نیوب بے بی کے ذریعہ اولاد حاصل کرنے کا تیسرا طریقہ یہ بھی ہو سکتا ہے۔

(الف) کہ کوئی شخص نکاح کیے بغیر اولاد حاصل کرنا چاہتا ہو تو وہ کسی عورت کو اولاد حاصل کرنے کے لیے کرائے پر لے اور اس سے فطری طریقہ سے زنا کرے یا غیر فطری طریقہ سے ٹیسٹ نیوب بے بی کے نظام سے اپنے جراثیم کو اس کے رحم میں داخل کر کے اولاد حاصل کرنے کی کوشش کرے، اس کا حکم بھی زنا کا ہے اور اس سے ہونے والا بچہ بھی ولد الزنا ہے۔

(ب) چوتھا طریقہ یہ ہے کہ اولاد حاصل کرنے کی سعی کرنے والا مرد نہ ہو بلکہ وہ عورت ہو کہ وہ بلا نکاح کسی مرد کو کرائے پر لے کر اس سے فطری طریقہ سے زنا کر کے بچہ پیدا کرے یا کسی اجنبی مرد کے مادہ منویہ کو غیر فطری طریقے سے اپنے رحم میں داخل کر کے بچہ پیدا کرے۔ یہ بھی زنا

کے حکم میں ہے، اس میں بچہ تو عورت کو مل جائے گا لیکن اس کو ولد اثر نہ کہا جائے گا۔ اس طرح بچہ حاصل کرنا شرعاً جائز نہ ہوگا۔

(ج) پانچواں طریقہ یہ ہے کہ اولاد حاصل کرنے سے خواہش مند میاں بیوی ہوں لیکن ان کے جرثومے ناقص یا اولاد پیدا کرنے والے نہ ہونے کی بنا پر کسی ایسے اجنبی مرد کے جرثومے کو ملا کر بیوی کے رحم میں داخل کر دیں جس کے جرثومے میں اولاد پیدا کرنے کی صلاحیت ہو یا میاں بیوی دونوں کے جرثومے کسی اجنبی عورت کے رحم میں داخل کریں۔ ان صورتوں میں غلط نسب کے شبہات پیدا ہوتے ہیں، تاہم جس عورت کے بطن اور حمل سے بچہ پیدا ہوگا۔ بچہ کی نسبت اس کی طرف ہوگی اور وہ اگر شوہر والی عورت ہے تو اس کے شوہر سے بچہ کا نسب ہوگا، خواہش مند عورت سے نہ ہوگا اور اگر عورت بے شوہر ہے تو صرف اسی عورت سے نسب ثابت ہوگا، جس کے بطن میں حمل ٹھہرا اور جس عورت کو اولاد کی خواہش تھی اور اس کے جرثومے بھی ملائے گئے ہوں اس سے نسب کا ثبوت نہ ہوگا۔

بہر حال اس میں مزید صورتیں پیدا ہو سکتی ہیں لیکن ہم نے جو اصول بیان کر دیے ہیں اور جس تفصیل سے اصول اور مسائل کو دلائل سے ذکر کیا ہے اس سے مزید پیدا ہونے والے مسائل کا حل بھی انشاء اللہ ملے گا، ایک ادنیٰ درجہ کی عقل رکھنے والے بصیرت و علم کے لیے اتنا کافی ہے۔

مشورہ:

واضح رہے کہ جس مرد کو اللہ تعالیٰ نے قوت مردانیت کی صفت سے نوازا ہے، اگر اس کی بیوی کے اندر کسی کمی کی وجہ سے اولاد نہیں ہوتی تو وہ دوسری، تیسری، چوتھی شادی کر کے اولاد کی خواہش پوری کر سکتا ہے، اس طرح مرد اور عورت دونوں اولاد سے مالا مال ہو سکتے ہیں۔ کسی غیر شرعی فعل کا ارتکاب کرنے کی ضرورت پیش نہیں آئے گی اور اگر مرد کے اندر مردانیت نہیں ہے یا کوئی خامی ہے اور عورت کا حال درست ہے تو ایسے موقع پر مرد کو چاہیے کہ ممکنہ علاج کر کے اپنے قوت مردانیت کو بحال کرنے کی کوشش کرے اور اگر علاج بالکل مفید نہیں ہے، تو ایسے حالات میں عورت کے فطری جذبات کا لحاظ کرتے ہوئے اسے طلاق دیدے اور اس کے فطری جذبات کو قربان نہ کرے، ایسے موقع پر طلاق نہ دینا گناہ ہے۔ یہ چند کلمات لکھ دیے ہیں اللہ تعالیٰ انہیں قبول فرمائے اور لوگوں کے لیے نافع اور سبب موعظت بنائے۔

وآخر دعوانہ - بحمد رب العالمین و صلوٰۃ والسلام علی

سید المرسلین و آلہ واصحابہ اجمعین

(ماخوذ و ملخص از جواهر الفتاویٰ: ۱/۲۱۸)

بدن پر داغ دے کر مرض کا علاج کرنا:

ایک طریقہ علاج کا بالکل بھی ہے، آنحضرت ﷺ سے اونٹوں کو داغ دینا ثابت ہے، انسانوں کے متعلق کیا حکم ہوگا اس بارے میں احادیث تو یہ مختلف ہیں۔ بعض میں داغ دینے کی ممانعت وارد ہے اور بعض میں جواز اور فعلی حدیث میں صحیح یہی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے خود کبھی ایسا علاج نہیں کیا۔ (کما صرح بہ الحافظ فی الفتح الباری)

اور توفیق بین الروایات یہ ہے کہ نبی تنزیہ پر محمول ہے اور جواز اپنی اصل پر۔

كما ذكره إمام القسطلاني في المواهب ولفظه حاصل الجمع
ان الفعل يدل على الحوار وعدم الفعل لا يدل على الجمع بل يدل
على ان تركه ارجح من فعله ولذا وقع الشاء على تاركه واما النهي عنه
فاما عني سبيل الاحتياط والتريه واما فيما لا يتعين طريقاً إلى الشفاء
مواهب لدينه . (۱۶۶/۲)

اس لیے فقہاء حنفیہ نے اس بارے میں یہ اختیار فرمایا ہے کہ یہ علاج فی نفسہ جائز ہے مگر بلا ضرورت شدیدہ خلاف اذن ہے اور چہرہ پر اس کا عمل کرنا مکروہ ہے۔

قال في العالمة كبرية (٢٣٦ ٤) كشوري - في الباب الثامن
عشر من الكراهية ما نصه ولا بأس بكي الصبيان إذا كان لداء
أصابعهم وكذا لا بأس بكي الهائم للعلامة كذا في المحيط
للسرحسي ويكره الكي في الوجه كذا في الفتاوى العتابة - انتهى .

(ماخوذ از إمداد المفتين)

حکیم کی اجرت کا حکم:

جو حکیم اپنے مریضوں سے فیس لے کر علاج کرتے ہیں شرعاً اس طرح فیس لے کر علاج کرنا جائز ہے کیونکہ یہ حکیم کی اجرت جانے اور تشخیص مرض اور تجویز نسخے کی ہے اس میں کسی قسم کی

کراہت نہیں ہے بلاشبہ جائز ہے بشرطیکہ خلیفہ خلیفہ ہو۔ یعنی کسی حاذق خبیث نے اس کو علاج کرنے کی اجازت دی ہو ورنہ ملحق کا پیشہ اختیار کرنا جائز نہیں۔

اسی طرح بہت سے لوگ باقاعدہ ڈائری پڑھنے کی بجائے معمولی انگریزی پڑھ کر علاج کا پیشہ اختیار کر لیتے ہیں اس سے بہت سے مریضوں کو سخت نقصان پہنچتا ہے بلکہ بعض لوگ جان سے ہاتھ دھو بیٹھتے ہیں۔ شرعاً یہ جائز نہیں۔ نیز اس میں حکومت کے قانون کی خلاف ورزی کا بھی گناہ ہے۔ اس لیے قانون کے مطابق امتحان دے راسد حاصل کی جائے اس کے بعد یہ پیشہ اختیار کرنا چاہیے۔

قال العلامة الحصکفی رحمہ اللہ تعالیٰ . بل یجمع ممت ما حصر
یعلم الحیل الساطلة کتعلیم الردۃ لتیس من روحها او لتسقط عنها
الزکاة وطیب جاہل .

علامہ حصکفی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ایسے جاہل مفتی کو فتویٰ دینے سے روکا جائے گا جو لوگوں کو باطل حیلہ سکھاتا ہے جیسے عورت کو شوہر سے جدائی کے لیے مرتد ہونے کا مشورہ دینا یا زکاة ساقط کرنے کا حیلہ سکھانا، اسی طرح جاہل طبیب پر علاج کے سلسلہ میں پابندی عائد کی جائے گی۔

وقال العلامة اس عابدین رحمہ اللہ تعالیٰ : (قوله طیب جاہل)
بان یسقیہم دواء مہلکا و اذا قوی علیہم لا یقدر علی ازالة ضرره
زیلعی . (رد المحتار : ۹۳/۵)

تعویذ کا حکم:

بعض لوگ قرآن مجید کی آیات کریمہ کو کاغذ میں لکھ کر مریضوں کو یا ضرورت مندوں کو دیتے ہیں جیسے وہ گلے باز و پر باندھتے ہیں، اس سے انہیں کافی رقم ملتی ہے۔ الغرض یہ عمل ایک کاروباری صورت اختیار کر گیا ہے۔ اب شریعت مطہرہ کی رو سے تعویذ کا کیا حکم ہے؟ اس پر اجرت لینے کا کیا حکم ہے اس کو تفصیل سے لکھتے ہیں:

احادیث صحیحہ صریحہ کثیرہ سے رقیہ (ذم) کا ثبوت بے غبار ہے، یعنی بکثرت روایات سے ثابت ہے باقی تسمیہ (تعویذ) کی مندرجہ ذیل صورتیں ناجائز ہیں

۱۔ ٹونکا جو پیتل، تانبے یا لوہے وغیرہ کے ٹکڑے کو باندھ کر کیا جاتا ہے۔

۲. تعویذ و موثرات نامہات بھی جائز ہیں، جیسا کہ زمانہ جاہلیت میں تھا، راب بھی بعض

جہال یوں ہی سمجھتے ہیں۔

یہ صورتیں بلاشبہ ناجائز اور حرام و شرک ہیں۔

تسمیہ میں اسماء اللہ تعالیٰ، آیات قرآنیہ اور ادعیہ ماثورہ ہوں تو یہ جائز اور ثابت ہے، اس کو ناجائز کہنا بہت ہے کیونکہ اس قسم کے تعویذ میں موثر بالذات صرف اللہ تعالیٰ کو سمجھا جاتا ہے۔

حاصل یہ کہ جواز تسمیہ کے یہ تین شرائط ہیں

(۱) نعت مفہومہ ہو۔

(۲) الفاظ ماثور و منقول ہوں۔

(۳) اس کے نافع بالذات ہونے کا اعتقاد نہ ہو۔

وَكَلَّ عَمْرُو بْنُ عَمْرٍو رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمَا يَعْصِمُ مِنْ عَقْلِ مَنْ

سِوَهُ وَمَنْ لَمْ يَعْقِلْ كُنْهَ فاعقله عليه (ابو داؤد: ۲: ۹۷)

حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما اپنے سمجھدار بچوں کو معوذات سکھاتے تھے اور جو غیر سمجھدار تھے لکھ کر ان کے گلے میں لٹکاتے تھے۔

(۴) کسی غیر شرعی مقصد کے لیے نہ ہو جیسا کہ دو مسلمانوں کے درمیان نفرت اور

عداوت پیدا کرنے کے لیے یا کسی اجنبی مرد یا عورت کے ساتھ ناجائز تعلق کے لیے تعویذ کیا جائے۔

باقی تعویذ لٹکانے کا عمل اگرچہ خود رسول اللہ ﷺ نے نہیں کیا لیکن اس سے یہ ثابت کرنا کہ یہ عمل ناجائز ہے صحیح نہیں، روایت مذکورہ بالا میں ایک صحابی رضی اللہ عنہ کا عمل نقل کیا گیا ہے جو اس عمل کے جواز کے لیے کافی ہے، ہر عمل شرعی کا روایت متواترہ سے ثابت ہونا ضروری نہیں۔

اس عمل پر اجرت لینا فی نفسہ جائز تو ہے جیسا کہ روایت میں اس کی تصریح ہے۔ تفصیل کتاب الاجارہ میں گزر چکی ہے، لیکن اسے مستقل طور پر پیشہ بنا کر اختیار کرنا دین داروں کے لیے منسب نہیں۔

کیونکہ آج کل اکثر عوام بے شمار گناہوں میں مبتلا ہیں، پھر وہ ایسی چیزوں کو سہارا بنا کر اور زیادہ دین سے دور ہو جاتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی مافرمانی چھوڑنے کی ضرورت نہیں، اس کے بغیر

بھی اللہ تعالیٰ ہمارے کام کر دیتے ہیں تو اس سے ان کے دین کا نقصان ہوگا۔
اس عمل سے فائدہ ہونا یقینی نہیں، کبھی فائدہ ہو جاتا ہے اور کبھی نہیں ہوتا۔ اس کی مثال بالکل
ڈاکٹر کی دوائی طرح ہے کہ اس سے کبھی کسی مریض کو فائدہ ہو جاتا ہے اور کبھی فائدہ ہی بجائے الٹ
نقصان بھی ہوتا ہے۔

اس وقت مسلمانوں پر اجتماعی طور پر اللہ تعالیٰ کا عذاب ہے، یہ دین پر عمل نہ کرنے کی وجہ سے
آیا ہے۔

فقوہ تعالیٰ و ما اصابکم من مصیبة فمما کسبت بکم،
یعنی انسان جن آفات و مصائب کا شکار ہوتے ہیں وہ ان کے بد اعمالیوں کا نتیجہ ہیں،
اگر آج بھی سارے مسلمان اللہ تعالیٰ کے دین کو مضبوطی سے تھام لیں گنہ گروں سے اجتناب
کرنے کی کھلم کوشش کریں تو ان پر بھی اللہ تعالیٰ کی وہی مدد آسکتی ہے جو کہ قرونِ اولیٰ میں
مسلمانوں کے ساتھ کی گئی تھی۔

﴿وَأَنْتُمْ الْأَعْلَوْنَ إِنْ كُنْتُمْ مُؤْمِنِينَ﴾

یعنی تم ہی غالب رہو گے اگر تم ایمان پر قائم رہے۔

تداویٰ بالمحرّمات:

یعنی کسی حرام چیز کو بطور دوا استعمال کرنا جائز ہے یا نہیں؟ اس میں تفصیل یہ ہے کہ اگر حالت
اضطرار کی ہو، یعنی وہ محرم استعمال کیے بغیر جان کا بچنا مشکل ہو تو بقدر ضرورت تداویٰ بالمحرّم
بالاتفاق جائز ہے، لیکن اگر جان کا خطرہ نہ ہو بلکہ مرض کو دور کرنے کے لیے تداویٰ بالمحرّم کی
ضرورت ہو تو اس میں ائمہ کا اختلاف ہے، امام مالک رحمہ اللہ کے نزدیک اس صورت میں بھی
تداویٰ بالمحرّم مطلقاً جائز ہے، جبکہ امام شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک اس صورت میں تداویٰ بالمحرّم
مطلقاً ناجائز ہے، امام بیہقی رحمہ اللہ کے نزدیک تمام مسکرات سے تداویٰ ناجائز ہے، جبکہ باقی
محرّمات سے جائز ہے، حنفیہ میں سے امام اعظم ابو حنیفہ رحمہ اللہ اور امام محمد رحمہ اللہ بھی امام شافعی
رحمہ اللہ کی طرح مطلقاً عدم جواز کے قائل ہیں، جبکہ امام طحاوی رحمہ اللہ کا مسلک یہ ہے کہ خمر کے
عدوہ باقی تمام محرّمات سے تداویٰ جائز ہے، حنفیہ میں سے امام ابو یوسف رحمہ اللہ کا مسلک یہ ہے
کہ اگر کوئی طبیب حاذق یہ فیصلہ کرے کہ تداویٰ بالمحرّم کے بغیر بیماری سے چھٹکارا ممکن نہیں ہے تو

اس صورت میں تداویٰ بالمحرم جائز ہوگا۔

حضرت مولانا ظفر عثمانی صاحب رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ تداویٰ بالمحرم اس وقت جائز ہے، جبکہ کوئی طبیب مسلم حاذق یا مسلمان ذائعتر حاذق یہ بہہ دے کہ اس مرض کے لیے صرف ایک دوا ہے اس کے قائم مقام کوئی دوا نہیں، اور اس کے قائم مقام کوئی دوا ہو مگر اس سے شفاء دیر میں ہوگی اور حرام میں جلدی ہوگی تو اس میں دو قول ہیں:

قال فی الہمدیۃ : وإن مربصاً شاربہ الطیب شرب حمر
روى عن جماعة من أئمة نوح أنه يبصر أن كان يعلم يقيناً أنه يصح حل
له تناول اه يحور لعليل شرب الهل والدم واكل الحينة سداوي إدا
اخره طيب مسلم ان شفاء فيه ونم يحد من سماح ما يقوم مقامه
وإن قال نطيب يتعجل شفاء ك فيه وجهان هل يحور شرب القليل
من الحمر لبتداوي إدا لم يحد شيئاً يقوم مقامه فيه وجهان . اهـ .

(۲۳۶/۶)

پس جن دواؤں میں برانڈی یا تخم خنزیر کا ہونا معلوم ہو ان کا استعمال بدون شرط مذکور کے جائز نہیں اور لا ما اصبر نہ الیہ کے میں اس کو داخل کرنا عجیب فہم ہے۔

اضطرار اسباب یقینہ میں ہوا کرتا ہے اور تداویٰ و علاج اسباب مظنونہ میں سے ہے۔

فلا اضطرار فيه أصلاً حتى لو ترك الدواء ومات لم يأنم ، ولو
شرب الحمر وهو عطشان ومات أنم لتيقن زوال العطش بشربها
وعدم تيقن زوال المرض به فافترقا .

قال فی الہمدیۃ : وأكل الترياق يكره إذا كان فيه شيء من

الحیات وإن باع ذلك حاز اهـ . (۲۳۶/۶)

اس سے ان ادویہ کا جواز بیع منہوم ہوتا ہے جن میں شی محرم ملی ہوتی ہے بیع خالص محرم کی

ناجائز ہے جیسے خالص شراب یا خالص تخم خنزیر اور مخلوط بالمحرام کی بیع جائز ہے۔

كالسرفين المخلوط بالشراب يجوز بيعه .

باقی یہ علت لغو ہے کہ مسلمان تداویٰ بالمحرم میں کفار کے محتاج ہوں گے۔ آخر کون سی تجارت

ہے جس میں کفار سے مسلمانوں کو استغناء ہے پس احتیاج انی المفار میں حرج کیا ہے جبکہ ہم مباحات میں بھی ان سے مستغنی نہیں ہیں۔ (ماخوذ از امداد الاحکام بتغییر یسر)

الحدود والتعزیرات

حدود و تعزیرات کے احکام

قرآن کریم اور احادیث متواترہ نے چار جرائم کی سزا اور اس کا طریقہ خود متعین کر دیا ہے کسی قاضی یا امیر کی رائے پر نہیں چھوڑا نہیں متعینہ سزاؤں کو اصطلاح شرع میں ”حدود“ کہا جاتا ہے ان کے علاوہ باقی جرائم کی سزا کو اس طرح متعین نہیں کیا گیا بلکہ امیر یا قاضی مجرم کی حالت اور جرم کی حیثیت ماحول وغیرہ کے مجموعہ پر نظر کر کے جس قدر سزا دینے کو انسداد جرم کے لیے کافی سمجھے وہ سزا دے سکتا ہے۔ ایسی سزاؤں کو شریعت کی اصطلاح میں ”تعزیرات“ کہا جاتا ہے، حدود شرعیہ چار ہیں:

- | | | |
|-----|---------------|--|
| (۱) | حد سرقہ: | چوری کرنے پر حد۔ |
| (۲) | حد زنا: | زنا کرنے پر |
| (۳) | حد قذف: | یعنی کسی پاکہدامن عورت پر تہمت رکھنے کی سزا۔ |
| (۴) | حد شرب الخمر: | یعنی شراب پینے پر سزا |

حدود کی مشروعیت کی حکمت:

ان جرائم میں سے ہر جرم اپنی جگہ بڑا سخت اور دنیا کے امن کو تباہ کرنے والا اور بہت سی خرابیوں کا مجموعہ ہے۔ ان برائیوں پر قہر لگانے کے لیے اور امت مسلمہ کو ان تباہ کن برائیوں سے بچانے کے لیے اور امت کی جان و مال، عزت و آبرو، ماں بہنوں کی عزت و عصمت کو بچانے کے لیے شریعت مطہرہ نے اسلامی سزائیں مقرر کیں تاکہ ان سزاؤں کو دیکھ کر لوگ ایسے جرائم کے ارتکاب سے باز آجائیں۔ معاشرہ میں امن و سکون قائم ہو، تاکہ کوئی بد بخت کسی کی ماں بہنوں کی عزت نہ لوٹے، کوئی ظالم سخت دل کسی کی جان سے نہ کھیلے، کوئی لالچی حریص کسی کے مال پر ناحق ہاتھ نہ ڈالے۔

پھر ان جرائم میں زنا خاص طور پر ایسا جرم ہے کہ اس کے انجام اور نتائج بہت ہی برے ہیں۔

کسی شخص کی بیٹی، بہن، بیوی پر ہاتھ اٹانے کی ہلاکت کے مترادف ہے، شریف انسان جس میں شرم و حیا اور غیرت موجود ہے اس کو سارا مال و جائیداد اور اپنا سب کچھ قربان کر دینا اتنا مشکل نہیں جتنا اپنے حرم کی عفت پر ہاتھ اٹانا۔ یہی وجہ ہے کہ دنیا میں روزمرہ یہ واقعات پیش آتے رہتے ہیں کہ جن لوگوں کے حرم پر ہاتھ اٹایا ہے وہ اپنی جان کی پرواہ کیے بغیر زانی کے قتل و فحاشی کے رپے ہوتے ہیں یہ جوش انتقام نسلوں میں چلتا ہے اور خاندانوں کو تباہ کر دیتا ہے اور جس قوم میں زنا عام ہو جائے وہاں کسی کا نسب محفوظ نہیں رہتا، ماں بہن، بیٹی وغیرہ جن سے نکاح حرام ہے جب یہ رشتہ بھی غائب ہو گئے تو اپنی بیٹی اور بہن بھی نکاح میں آ سکتی ہے، جو زنا سے بھی بدتر گناہ ہے۔

خور کیا جائے تو دنیا میں جہاں کہیں بد امنی اور فتنہ و فساد ہوتا ہے اس کا بیشتر سبب عورت اس سے کم مال ہوتا ہے۔

یہ اسلامی سزائیں امن عام کا ضامن ہیں، اگر چہ اہل مغرب و یہود و نصاریٰ اور مغرب زدہ لوگ جو مغرب کی ذہنی غلامی میں مبتلا ہیں اور مادہ پرستی، نفس پرستی میں مبتلا ہیں ان کو یہ سزائیں ایک آنکھ نہیں بھاتی اس لیے وہ ان سزاؤں کو ظالمانہ قرار دیتے ہیں، آئے دن ان کے خلاف زبان درازی کرتے ہیں اپنی نجی محفلوں میں حکومتی ایوانوں میں جہاں کہیں ان کو دوریدہ ذہنی کا موقع ملے وہ خدائی قوانین کے خلاف بیان بازی کر کے اپنے مغربی آقاؤں کو خوش کرتے ہیں اور فحاشی و عریانی اور زنا جیسے شرمناک حیا سوز عذاب الہی کو دعوت دینے والے گناہ کرنے والوں کی پشت پناہی کرتے ہیں اور ان کے لیے راہ ہموار کرتے ہیں حالانکہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَلَا تَقْرَبُوا الرِّبَا اِنَّهٗ كَانَ فَاحِشَةً وَّسَاءَ سَبِيلًا﴾

(سورة الاسراء : ۳۲)

یعنی زنا کے قریب بھی مت جاؤ کیونکہ وہ بے حیائی ہے اور بہت ہی برا راستہ ہے۔

اس لیے ایک مسلمان کی شان یہ ہونی چاہیے کہ زنا کاری اور اس کے اسباب اور دیگر ذرائع سے اپنے آپ کو دور رکھے اور جہاں کہیں یہ بے حیائی کا کام ہو ان کو روکنے کے لیے انفرادی اور اجتماعی کوشش کرے اب ہم زنا کی سزا کا تفصیلی ثبوت احادیث مبارکہ سے پیش کرتے ہیں۔

حد زنا احادیث کی روشنی میں:

عن عبد اللہ بن عمر اے قال ان الیہود جازوا الی رسول اللہ صلی

اللہ علیہ وسلم قد کروا له ان رجلا منهم وامرأه ربيما فقال لهم رسول
 اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ما تجدون فی التورات فی سائر الرحم
 فقروا مصححهم ويحدثون قال عبد اللہ بن سلام کدستم ان فیها
 الرحم فانوا بالتورات فمشروها فوضع احدہم یدہ علی ایت الرحم
 فقرأ ما قبلها وما بعدها فقال له عبد اللہ اس سلام ارفع یدک فرفع یدہ
 فبادا فیها ایت الرحم قالوا صدق با محمدا فیها ایت الرحم فامر بہما
 رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرجما فرأیت الرجل یحيا علی
 الامراة یقبھا الحجرارة .

(بخاری: ۱۰۱۱/۲، ترمذی: ۲۷۳/۱، مؤطا إمام مالک:

ص ۶۸۳، مسلم: ۶۹/۱)

عبداللہ ابن عمر سے روایت ہے کہ انہوں نے کہا کہ یہودیوں کی ایک جماعت حضور ﷺ کے پاس حاضر ہوئی اور کہا کہ ان میں سے ایک شادی شدہ مرد نے ایک عورت شادی شدہ کے ساتھ زنا کیا ہے اس کی سزا کیا ہونی چاہیے؟ رسول اللہ ﷺ نے ان سے دریافت فرمایا کیا تمہاری کتاب تورات میں رجم کے بارے میں کچھ نہیں؟ انہوں نے جواب دیا اس میں جو کچھ ہے وہ یہ ہے کہ ہم ان کو رسوا کرتے ہیں اور ان کو کوڑے مارے جاتے ہیں۔ عبداللہ بن سلام نے کہا کہ تم نے جھوٹ کہا ہے تورات میں رجم کی آیت موجود ہے اس پر ان میں سے کوئی تورات لے کر آیا اس کو کھولا اور ایک شخص نے آیت رجم پر ہاتھ رکھ دیا اور آیت رجم سے آگے اور پیچھے پڑھ کر سنایا۔ حضرت عبداللہ بن سلام نے اس یہودی سے کہا جس نے آیت رجم پر ہاتھ رکھ دیا تھا تم اپنا ہاتھ اس جگہ سے اٹھاؤ اس نے ہاتھ اٹھایا۔ دیکھا کہ آیت رجم موجود ہے تو انہوں نے اقرار کر لیا کہ ہاں اے محمد! یہاں پر آیت رجم موجود ہے۔ عبداللہ بن سلام نے سچ کہا ہے پھر رسول اللہ ﷺ نے دونوں کے رجم (سنگسار) کا حکم فرمایا اور دونوں کو رجم کیا گیا۔

حدیث مذکور سے امام شافعی اور امام مالک رحمہما اللہ نے استدلال کیا ہے کہ غیر مسلم ذمی اگر زنا کرے اور دونوں شادی شدہ ہوں تو رجم کیا جائے گا جیسا کہ رسول اللہ ﷺ کے رجم کے بارے میں ان سے سوال کرنے اور آپ کے رجم کے حکم دینے سے معلوم ہوتا ہے۔

عن عبادة بن الصامت قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم

حدوا عسى حدوا عسى ﴿قد جعل الله له سبيلاً﴾ الثيب بالثيب جلد مائة ورمي بالحجارة والسكر بالسكر جلد مائة وبقي سة .

(مسلم : ٦٧/٢ ، ابو داؤد : ٦٠٦/٢ ، اللطيف المسلم)

عبادۃ ابن الصامت سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا مجھ سے سن لو کہ اللہ تعالیٰ نے ﴿او يجعل الله له سبيلاً﴾ کا وعدہ پورا فرمایا اور زانی مرد اور زانیہ عورت کا حکم متعین فرمایا۔ ان کے لیے شرعی راستہ بیان فرمایا وہ یہ کہ شادی شدہ مرد اور شادی شدہ عورت کے زنا پر سو کوڑے اور سنگسار اور غیر شادی شدہ مرد اور عورت کے لیے صرف سو کوڑے اور ایک سال شہر بدر کرنا ہے۔

امام نووی رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ حدیث مذکور میں غیر شادی شدہ زانی اور زانیہ کے لیے سو کوڑے اور شہر بدر کرنے کا شادی شدہ زانی اور زانیہ کے لیے رجم کے علاوہ سو کوڑے کا ذکر بھی ہے لیکن نبی کریم ﷺ نے شادی شدہ مرد اور عورت کے بارے میں صرف رجم پر اکتفا فرمایا۔

عن ابی ہریرۃ انہ اتی رجل من المسلمین الی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وهو فی المسجد فناداه فقال یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم انی زیت فاعرض عہ فتحنی تلقاء وجهہ فقال لہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم انی زیت فاعرض عہ حتی نسی ذلک علیہ اربع مرات فلما شهد علی نفسه اربع شهادات دعاه رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فقال انت جنون قال لا قال فهل احصت قال نعم فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اذهبوا به فارجموه وفيه يقول جابر فکنت فیمن رجمه فرجمناه .

(بالمصلى ، مسلم : ٦٦/٢)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک دفعہ مسلمانوں میں سے ایک شخص مسجد نبوی میں آیا جبکہ رسول اللہ ﷺ مسجد میں تشریف فرما تھے اس شخص نے آواز دے کر کہا یا رسول اللہ ﷺ میں نے زنا کیا آپ نے اس کی طرف توجہ نہ کی پھر یہ شخص آپ کے سامنے کی طرف سے آیا

اور کہا یا رسول اللہ میں نے زنا کیا آپ نے کوئی توجہ نہ دی اس طرح وہ بار بار کہتا رہا جب اس نے اپنے اوپر چار مرتبہ شہادت دی تو آپ نے اس کی طرف متوجہ ہو کر فرمایا کہ تجھے جنون تو نہیں اس نے کہا نہیں پھر آپ نے پوچھا تو شادی شدہ ہے اس نے کہا ہاں پس آنحضرت ﷺ نے صحابہ سے فرمایا اس کو لے جاؤ اور رجم یعنی سنگسار کرو۔ ایک روایت میں ہے کہ حضرت جابر فرماتے ہیں کہ رجم کرنے والوں میں میں بھی تھا ہم نے اسے عید گاہ میں جا کر رجم کیا۔ حدیث مذکور کے راوی حضرت ابو ہریرہؓ ہیں جو کہ ۷۷ھ میں مسلمان ہوئے تھے اور وہ رجم کا یہ چشم دید واقعہ بیان فرما رہے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے رجم کا حکم دیا اور رجم کیا گیا جس سے معلوم ہوا کہ رجم کا واقعہ سورہ نور کے بعد ہوا ہے کیونکہ سورہ نور کی آیت الزانیہ والزانیہ ۵۷ ہجری میں واقعہ الک کے موقع پر اتری، لہذا یہ اعتراض غلط ہوگا کہ رجم کے واقعات سورہ نور سے قبل ہوئے ہیں۔

اور عبد اللہ ابن ابی اوفی کا یہ کہنا کہ رجم کے واقعات سورہ نور سے قبل ہیں یا بعد مجھے معلوم نہیں ہمارے استدلال کو مشتبہ نہیں بنا سکتا کیونکہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ جزم و یقین کے ساتھ فرماتے ہیں کہ ان کی موجودگی میں رجم ہوا ہے۔

عن عبد اللہ ابن بریدۃ قال فلما رجم ما عز بن مالک فجالت الغامدۃ فقالت یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ابی قد رنیت فطهرنی وانہ ردھا فلما کان العد قالت یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لما تردی لعلث ان تردی کما ردت ما عزا فواللہ ابی لحبلی قال الآن فاذهبی حتی نلدی ، قال فلما هذا قد ولدته قال اذهبی فارصعہ حتی نعطمیہ فلما فطمته أنتہ بالصبی فی بدہ کسرة خبز فقالت هذا یا بی اللہ قد فطمته وقد اکل الطعام فدفع الصبی الی رجل من المسلمین ثم امر بها فحقرتلها الی صدرہ وامر الناس فرجموها فبقل خالد ابن ولید بحجر فرمی رأسہ فتضح الدم علی وجه خالد فسها فسمع البی صلی اللہ علیہ وسلم سہ ایاہا فقال مهلا یا خالد فواللہ الذی نعسی بیدہ لقد تابت توبہ لو تابها صاحب مکس لغفرلہ ثم امر بها فصلی علیہا ودفنت .

(مسلم: ۶۸/۲، ابو داؤد: ۶۰۹/۲)

عبداللہ ابن بریدہ رضی اللہ عنہ روایت فرماتے ہیں کہ معاذ بن مالک اہلہ کی کورجم کیا گیا تو غامد یہ کی عورت رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں آئی اور کہا کہ میں نے زنا کیا مجھے پاک کیجئے، آپ ﷺ نے کوئی جواب نہیں دیا بلکہ اس عورت کو واپس کر دیا دوسرے روز پھر آئی اور گزشتہ روز کی طرح بات کی آپ ﷺ نے کوئی توجہ نہیں دی تو عورت نے عرض کیا آپ مجھے کیوں واپس کر رہے ہیں۔ مجھے شبہ ہے کہ آپ معاذ بن مالک کی طرح مجھے بھی واپس کرنا چاہتے ہیں۔ میں نے یقیناً زنا کیا ہے چنانچہ اب میں حاملہ ہوں۔ آپ نے فرمایا ابھی حد قائم نہیں کی جائے گی چلی جاؤ وضع حمل تک انتظار کرو جب وضع حمل ہو گیا پھر عورت بچہ کو لے کر رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئی۔ آپ ﷺ نے فرمایا ابھی نہیں بچے کو دودھ پلاؤ۔ دودھ پھرانے کا انتظار کرو۔ جب بچے کی مدت رضاعت ختم ہو گئی اور روٹی کھانے کے قابل ہو گیا وہ عورت بچے کو لے کر پھر رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئی اور عرض کیا اے اللہ کے نبی! میرے بچے کی مدت رضاعت ختم ہو گئی اب وہ کھانا کھانے لگا ہے پس رسول اللہ ﷺ نے بچہ کو کسی مسلمان کے ہاتھ پرورش کے لیے دے دیا اور عورت کورجم کرنے کا حکم صادر فرمایا۔ صحابہ کرام نے سینہ تک ٹکڑا کھود کر عورت کو اس میں ڈال کر رجم کیا۔ خالد بن ولید نے ایک پتھر لے کر اس کے منہ پر مارا جس سے خون نکل کر حضرت خالد سے پڑے۔ پڑا حضرت خالد نے اس کو گالی دی رسول کریم ﷺ نے سن لیا اور حضرت خالد سے فرمایا چپ رہ (اے خالد) قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے اس عورت نے ایسی توبہ کی اگر اس طرح کی توبہ ظلمات کیس وصول کرنے والا کرتا تو اس کا گناہ بھی معاف ہو جاتا اور پھر آپ نے اس پر نماز جنازہ پڑھائی اور اس کو دفن دیا گیا۔

عن عمران بن حصیب ان امرأة من جھینة اتت النبی صلی اللہ علیہ وسلم وهي حبلى من الزنا فقالت یا نبی اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اصبت حداً فاقمه علی فدعا نبي اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ولیها فقال احسن اليها فاذا وضعت فاتنی بها ففعل فامر بها نبي اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فشدت علیها ثيابها فرجمت ثم صلی علیها فقال له عمر تصلى علیها یا نبی اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وقد زنت

قال لقد نأت نوبة لو فسمب بس سبعس من اهل الحدية لو سعتهم.

(اللفظ المسلم: ۶۹/۲، ابو داؤد: ۶۰۹/۲)

عمر ابن حصین سے روایت ہے کہ ایک عورت جنی رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں آئی جبکہ وہ زنا سے حامد تھی اور اس نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ ﷺ میں نے زنا کیا اور مجھ پر حد لازم ہوگئی لہذا آپ مجھ پر حد قائم کر دیجئے۔ آپ ﷺ نے اس کے دلی کو بلایا اور کہا کہ اس کے ساتھ بھلائی کا معاملہ کرو جب وضع حمل ہو جائے تو اسے میرے پاس لے آؤ۔ اس عورت کے دلی نے ایسا ہی کیا۔ جب عورت کو لایا گیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے رجم (سنگسار کرنے) کا حکم دیا اور مضبوط کر کے اس پر کپڑے باندھ دیے گئے تاکہ رجم کی حالت میں بے پردگی نہ ہو اور رجم کر کے اسے ہلاک کر دیا گیا اور آنحضرت ﷺ نے اس پر نماز جنازہ پڑھائی۔ حضرت عمر نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ اس نے تو زنا کیا ہے آپ اس کی نماز جنازہ ادا کر رہے ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا اس عورت نے تو ایسی توبہ کی ہے کہ اگر مدینہ کے ستر آدمیوں پر تقسیم کی جائے تو کافی ہے۔

یہاں پر ایک وضاحت ضروری ہے وہ یہ کہ غامیہ والی عورت کے متعلق نبی کریم نے فرمایا کہ بچہ کو دودھ پلا کر جب وہ کھانا کھانے کے قابل ہو جائے پھر آنا تاکہ تمہارے اوپر حد قائم کی جائے اور جہینہ والی عورت کے متعلق فرمایا کہ وضع حمل کے بعد اس کو لاؤ تاکہ حد قائم کی جائے دونوں کے حکم میں فرق کیوں ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ اگر زانیہ عورت کے وضع حمل کے بعد بچہ کی پرورش کرنے کا انتظام ہے پرورش کرنے والا کوئی موجود ہے پھر تو وضع حمل کے بعد ہی حد قائم کی جائے گی اور اگر بچہ کی پرورش کے لیے کوئی انتظام نہیں ہے تو دودھ چھڑانے تک انتظار کیا جائے گا۔

عن جابر أن رجلاً ربا بأمرة فلم يعلم باحصانه فحلد رسول الله

صلی اللہ علیہ وسلم ثم علم باحصانه فرجم . (ابو داؤد: ۶۰۹/۲)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک آدمی نے کسی عورت سے زنا کیا حضور اکرم ﷺ کے سامنے اس کا احصان ثابت نہ ہوا اس لیے آپ نے کوڑے کی سزا دی بعد میں معلوم ہوا کہ شادی شدہ تھا تو آپ نے رجم کیا۔

عن علی حین رجم المرأة يوم الجمعة قال رحمتها بسنة رسول

اللہ صلی اللہ علیہ وسلم . (بحاری: ۱۰۰۶/۲)

حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جب انہوں نے اپنے عہد خلافت میں ایک عورت کو رجم کیا تو فرمایا کہ میں نے حضور ﷺ کے طریقہ کے مطابق رجم کیا ہے۔

عن عبد اللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لا یحل دم امرء مسلم بشہداں لا إله إلا اللہ وانی رسول اللہ الا باحدی ثلاث الشیب الرانی والنفس بالنفس والتارک لدینہ المفارق للجماعة روثہ عائشة فیہ رجل زبی بعد احصان فانه یرجم .

(البحر اللفظ لابی داؤد : ص ۵۹۸ ، بخاری : ۱۰۱۶/۲ ، مسلم : ۱۹/۲)
عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہر اس مسلمان کا خون جو اللہ کے ایک ہونے اور محمد ﷺ کے رسول ہونے کی گواہی دے کسی دوسرے مسلمان کے لیے حلال نہیں مگر تین میں سے کوئی ایک ہو تو حلال ہے:

- (۱) جبکہ شادی شدہ زنا کرے۔
 - (۲) کسی نے دوسرے کو ناحق قتل کیا ہو۔
 - (۳) جس نے دین کو بدلا یعنی مرتد ہو گیا۔
- حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی روایت ہے کہ جس نے احسان کے بعد زنا کیا اسے رجم کیا جائے گا۔

عن عمر بن خطاب قال رجم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ورجم ابو بکر ورجعت ولو لا انی اکره ان ازید فی کتاب اللہ لکتبہ فی المصحف فانی قد خشیت ان یحیی اقوام فلا یحدونہ فی کتاب اللہ فلیکفروہ وفي الباب عن علی حدیث عمر حدیث حسن صحیح وروی من غیر وجہ عن عمر . (ترمذی : ۱۷۲/۱)

حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے رجم کیا اور ابو بکر نے رجم کیا اور میں نے رجم کیا۔ اگر میں اس بات کو برائہ جانتا کہ کتاب اللہ میں اضافہ کیا جائے تو رجم کی آیت (الشیخ والشیخۃ الح) کو مصحف قرآن میں لکھ دیتا کیونکہ مجھے تو قوی اندیشہ ہے کہ کچھ دنوں

کے بعد ایسے لوگ پیدا ہوں گے جو کہ تاب اللہ میں رجم کو واضح طور پر نہ دیکھنے کی وجہ سے منکر ہو کر کافر ہو جائیں گے۔ یہ حدیث حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے بھی روایت ہے اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے تو بے شمار طرق سے ثابت ہے۔

عمل بالرحم الحلفاء الراشدون قال عمر رحمہ رسول اللہ صلی

اللہ علیہ وسلم ورحمہ ابو بکر ورحمتہ وکذا عن علی

رحمہ پر خلفاء راشدین نے عمل کیا، حضرت عمر نے فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ نے رجم کیا، ابو بکر

رضی اللہ عنہ نے رجم کیا اور میں نے رجم کیا۔ اسی طرح حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے رجم کیا۔ (موطا امام مالک ص ۶۸۶)

تاریخی اعتبار سے عہد رسالت میں کئی افراد پر رجم کیا گیا اور خلفائے راشدین نے اپنے

زمانہ میں رجم کیا۔

امام ترمذی نے حدیث رجم کے بارے میں جن روایوں کے نام ذکر کیے ہیں وہ درج ذیل

ہیں:

وفی الباب عن ابی بکر، عبادۃ بن الصامت، وابی ہریرۃ، وابی

سعید خدری، وابی عباس، جابر بن سمرہ، وھرال بریدۃ، سلمۃ ابن

المحبق، ابی ہریرۃ، عمران بن حصیب، (ترمذی: ص ۱۷۲)

اور دیگر مختلف جگہ میں جن کا نام مذکور ہے ان میں عبداللہ ابن مسعود، عبداللہ ابن عمر، حضرت

عمر، حضرت ابو بکر، حضرت عثمان اور حضرت علی بھی ہیں۔ حضرت عائشہ، براء بن عازب، عمرو بن

العاص وغیرہ شامل ہیں۔

ان احادیث مبارکہ سے ثابت ہوا کہ اگر کوئی غیر شادی شدہ عورت یا مرد کے بارے میں

شرعی شہادت سے یا ان کے اقرار سے ثابت ہو جائے کہ انہوں نے زنا کا ارتکاب کیا ہے تو ان کو

بطور سزا سو کوڑے مارے جائیں گے اور اگر حاکم ضرورت محسوس کرے تو ان کو جلا وطن بھی کر سکتا

ہے اور اگر کوئی شادی شدہ جوڑا یا ایک سے یہ جرم ثابت ہو جائے تو اس کو بطور سزا سنگسار کیا جائے

گا۔

زنا کی سزا چونکہ بہت سخت ہے اور اس کا احتمال ہے کہ سزا جاری کرنے والوں کو ان پر رحم

آجائے نہ اوجھہ رہیں یا مکر دیں اس لیے اس کے ساتھ حکم دیا گیا کہ دین کے اس اہم فریضہ کی انتہائی میں مجرموں پر زہ اور ترس کھانا جائز نہیں۔ رافت رحمت اور غفور و کرم ہر جگہ محمود ہے مگر مجرموں پر رحم ہانے کا نتیجہ تمام مخلوق سے ساتھ بے رحمی ہے اس لیے ممنوع اور ناجائز ہے۔

سورة الاحزاب ۱۰۱: الراسية والراسي فاحذوا كل واحد منهما مائة

حمدہ ولا واحد کم بہما رافۃ فی دین اللہ ان کتمت تؤمسون باللہ والیوم

الاحزاب ۱۰۱: سہد سہ بہما طائفۃ من المؤمنین ﴿سورة المور ۲﴾

یعنی ارشاد باری تعالیٰ ہے ”زنا کرنے والی عورت اور زنا کرنے والا مرد ان میں سے ہر ایک نے سو سو روپے مارا اور تم لوگوں کو ان دونوں پر اللہ تعالیٰ کے معاملہ میں ذرا رحم نہیں آنا چاہیے اور تم اللہ پر اور قیامت کے دن پر ایمان رکھتے ہو اور دونوں کی سزا کے وقت مسلمانوں کی ایک جماعت کو حاضر ہنا چاہیے۔“ (تاکہ ان کی رسوائی ہو اور دیکھنے، سننے والوں کو عبرت ہو)

ثبوت زنا کا طریقہ:

کسی پر زنا کے جرم ثابت کرنے کے دو طریقے تھے ہیں

(۱) چار ایسے مرد گواہی دیں جن کی دیانت و ایمان داری پر اعتماد کیا جاسکتا ہو کہ ہم نے ان کو زنا کرتے ہوئے دیکھا ہے۔

(۲) دوسرا طریقہ یہ ہے کہ مجرم خود عدالت کے سامنے ارتکاب زنا کا اعتراف

کرے۔

کاروکاری کا حکم:

کاروکاری کا نام پر قتل کا ایک رواج ہے اس کے متعلق تفصیلی حکم کے لیے بارہ اراکین، ارشاد میں ایک سوال آیا، اس سوال و جواب کو یہاں نقل کیا جاتا ہے:

یہ فرماتے ہیں صاحب کرام و مفتیان عظام ان مسائل کے بارے میں کہ سندھ، بلوچستان اور دکنی پنجاب کے بیشتر علاقوں میں ایک رسم ”کاروکاری“ کے نام سے مروج ہے۔ جس میں عورت کا شوہر کسی غیر مرد سے بیوی کے جنسی تعلقات (زنا) ہونے یا جنسی تعلقات کے شبہ کے بنا پر لفظ ”کاری“ کہہ کر گھر سے نکال دیتا ہے۔

لفظ ”کاری“ کے معنی اردو زبان میں سیاہ کے ہیں۔ یہ لفظ عورت کے کسی غیر مرد کے ساتھ

میں زنا یا شبہ زنا کی بنا پر جوا جاتا ہے۔ (جبکہ یہ لفظ "کاری" بعض ملاقوں سے صرف میں گائی کے طور پر بھی استعمال کیا جاتا ہے)

جس مرد و عورت پر کار و کاری کا الزام لگایا جاتا ہے اس مرد و عورت کو قتل کے بعد قتل کر دیا جاتا ہے، جن کو بغیر نماز جنازہ اور کفن و دفن کے کسی ٹرے یا دریا میں یا لیا جاتا ہے۔ اگر وہ قتل سے بچ جائیں تو پھر یہ معاملہ قاتی جرم کے پاس چلا جاتا ہے، جس میں ایب یا ایب سے زائد سردار و رئیس شریک ہوتے ہیں۔

بسا اوقات یہ جرم کہ اسی لفظ "کاری" کو طلاق کے قائم مقام بنا کر عورت کو شوہر سے طلاق کر دیتا ہے اور عورت کو دوسری جگہ نکاح کرنے کا اختیار ہوتا ہے اور بعض ملاقوں میں اس لفظ "کاری" کو طلاق کے قائم مقام نہیں سمجھا جاتا بلکہ طلاق کی صورت میں شوہر سے مستقل طور پر صراحۃً الفاظ میں طلاق کہلو کر عورت کو شوہر سے طلاق کر دیا جاتا ہے۔

نیز جرم کہ کبھی طلاق کو بری کر دیتا ہے اور اس صورت میں شوہر طلاق کو دوبارہ بغیر نئے نکاح کے بیوی کی حیثیت سے اپنے پاس رکھ لیتا ہے اور کبھی جرم کہ مرد و عورت کو مجرم ٹھہراتا ہے۔ (اگرچہ ثبوت جرم زنا میں شرعی طریقہ کو مد نظر نہیں رکھا جاتا) جس کا حل دو طرح سے کیا جاتا ہے

- ۱۔ طلاق عورت کے سرال والے مرد کے خاندان سے بعض جرم لڑکی نکاح میں لیتے ہیں، جس کا نکاح وہ اپنی مرضی سے اپنے خاندان کے کسی بھی فرد سے کر دیتے ہیں۔
- ۲۔ طلاق کے قبیلہ سے بھاری مالی جرمانہ وصول کیا جاتا ہے۔ جو طلاق کے سرال کو بعض جرم دیا جاتا ہے اور ایک مقرر حصہ سردار کو بھی دیا جاتا ہے۔

اس مذکورہ تفصیل کے بعد مندرجہ بالا رسم کے متعلق چند پیچیدہ مسائل کا شرعی حل مطلوب ہے:

- ۱۔ حالت غضب میں شوہر کا بیوی کو لفظ "کاری" کہہ کر گھر سے نکال دینا طلاق ہے یا تذف؟
- ۲۔ اگر یہ لفظ طلاق ہے تو صریح ہوگی یا کنایہ عن الطلاق؟ اور اس سے طلاق رجعی واقع ہوگی یا طلاق بائنہ؟
- ۳۔ مذکورہ الزام کے عدم ثبوت پر شوہر کا اس عورت کو نئے نکاح کیے بغیر بیوی کی

حیثیت سے اپنے پاس رکھنا کیسا ہے؟

۴. اگر شوہر بیوی کو کسی غیر مرد کے ساتھ عین زنا کی حالت میں دیکھے تو ایسے شوہر کے لیے شرعاً کیا حکم ہے؟ آیا وہ اس زانی مرد اور بیوی کو قتل کر سکتا ہے یا نہیں؟ قتل کرنے کی صورت میں شوہر پر شرعاً کوئی سزا ہوگی یا نہیں؟

۵. موجودہ دور میں جبکہ سرکاری عدالتیں اور قانون موجود ہے تو مذکورہ جرمہ و پنچائیت کی شرعی حیثیت کیا ہوگی؟ آیا ان کو اس طرح کے معاملات کے فیصلے کرنے کا اختیار حاصل ہے یا نہیں؟ اور ان کے کیے ہوئے فیصلہ پر عمل کرنا لازم ہوگا یا نہیں؟

۶. جرمہ کا جرم ثابت کرنے کی صورت میں مجرم مرد کے خاندان سے کسی لڑکی کو جرم کا عوض بنا کر نکاح کرنا شرعاً کیسا ہے؟

۷. ملزم کے خاندان سے مالی جرمانہ وصول کرنا شرعاً جائز ہے یا نہیں؟ اگر جائز ہے تو اس جرمانہ کا مصرف کیا ہوگا؟

۸. جہاں ملزم مرد و عورت کو بغیر نماز جنازہ اور کفن دفن کے گڑھے وغیرہ میں ڈال دیا جائے تو علاقہ والوں اور رشتہ داروں پر شرعاً کیا لازم ہوگا؟
ازراہ کرم ان مسائل کا مدلل مفصل جواب عنایت فرما کر عند اللہ ماجور ہوں۔

جواب:

واضح ہو کہ کسی شخص کو ناحق قتل کرنا گناہ کبیرہ ہے، قرآن و حدیث میں اس پر سخت وعیدیں آئی ہیں:

لقوله عليه السلام: أول ما يقضي بين الناس يوم القيامة في

ج. اللدماء. (متفق عليه)

یعنی رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ قیامت کے دن سب سے پہلے جس چیز کے بارے میں فیصلہ کیا جائے گا وہ خون ہے۔ (بخاری و مسلم)

وقوله عليه السلام: لس يرال المؤمن في فسحة من دية مالم

بصب دما حراما. (رواه البخاري)

یعنی جناب نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ جب تک کوئی مسلمان قتل ناحق کا مرتکب نہ ہو وہ ہمیشہ

اپنے دین کی وسعت اور کشادگی میں رہتا ہے۔ چونکہ قتل عظیم گناہ ہے اس لیے شریعت مطہرہ نے حدود و قصاص کے نفاذ کو شخصی ذمہ داری میں دینے کی بجائے عام وقت کو ذمہ دار بنایا تا کہ مزید فتنہ فساد نہ ہو، نیز زنا کاری بہت قبیح فعل ہے، زنا اور اسباب زنا سے بچنا ہر مسلمان پر لازم ہے۔

لقلولہ تعالیٰ : ﴿وَلَا تَقْرُبُوا سرسٰی اِنهٗ کب فاحشۃ و ساء مسیلاً﴾

(سورۃ الاسراء)

اسی طرح محض شبہ کی بناء پر بلا تحقیق کسی پر الزام لگانا بھی بڑا گناہ ہے، خصوصاً کسی پاکدامن خاتون پر زنا کا الزام لگانا۔

لقلولہ تعالیٰ : ﴿اِنَّ الذین یرمون المحصنات الغفلت المؤمنات

لعنوا فی الدنیا و الآخرۃ و لهم عذاب عظیم﴾ (سورۃ النور)

(۳-۱) اس وضاحت کے بعد صورت مسئلہ میں اگر کوئی شوہر لفظ ”کاری“ استعمال کر کے بیوی کو گھر سے باہر نکالے تو شرعاً اس سے طلاق واقع نہیں ہوگی، کیونکہ اس کا معنی ”زانیہ“ کا ہے، یہ طلاق کے لیے مستعمل نہیں ہے، اس کے بعد اگر دونوں میں صلح صفائی ہو جائے تو اس عورت کو گھر میں بسانے کے لیے نئے نکاح کی ضرورت نہیں، البتہ یہ زنا کی تہمت ہے، اس کا بڑا گناہ ہونا آیت بالا سے ثابت ہوا۔

(۴) اگر شوہر اپنی بیوی کو عین زنا یا بوس و کنار کی حالت میں دیکھے اور اس کو یقین ہو کہ بیوی بھی راضی ہے تو اس کے لیے جائز ہے کہ بیوی کو اسی زنا کی حالت میں قتل کر دے۔ اسی طرح زانی مرد کو بھی اسی حالت میں قتل کرنا جائز ہے۔ یہ قتل تعزیر ہے، حد نہیں، کیونکہ حد لگانا صرف حاکم کا حق ہے، نیز تعزیر قتل کا جواز عین اسی حالت کے ساتھ خاص اور اس تک محدود ہے۔

قال فی التّنویر فی باب التعزیر : ویکون بالقتل کمن و جد رجلا

مع امرأۃ لا تحل لہ اِن کان یعلم اَنہ لا ینفر بصباح و صرب بما دون

السلاح و إلا لا و اِن کانت المرأة مطاوعة قتلہما ، ولو کان مع امرأۃ

و هو یزنی بها أو مع محرّمہ و هما مطاوعان قتلہما جمیعاً مطبقاً .

(الدر المختار مع رد المحتار باب التعزیر : ۶۲/۴)

باقی اس قتل کی وجہ سے کوئی ضمان لازم ہوگا یا نہیں؟ یہ اس پر موقوف ہے کہ اگر وہ شخص زنا کو

گوہوں کے ذریعہ ثابت کرے کہ یہ اس وقت زمانہ میں مبتلا تھا، تو اس قاتل پر کوئی ضمان نہیں آئے گا، ورنہ اس سے قصاص لیا جائے گا۔

وَأَبْصَاهُ فِيهَا مَعْرِيبٌ إِلَى الْحَافِي الرَّاهِدِي رَجُلٌ رَأَى رَجُلًا مَعَ
مَرْأَةٍ يَرِي بِهَا أَوْ بَعْضُهَا أَوْ بَعْضُهَا إِلَى بَعْضِهِ وَهِيَ مَطْرُوعَةٌ فَمَتْلَهُ أَوْ
فَتْنَهُمَا لَا صَدَاقَ عَلَيْهِ وَلَا يَحْرَمُ مِنْ مِيرَاثِهَا إِنْ أَتَتْهُ سَبِيَّةٌ أَوْ بَاقِرَةٌ
وَلَوْ رَأَى رَجُلًا مَعَ امْرَأَةٍ فِي مَقَارَةِ حَالِيَةٍ أَوْ رَأَاهُ مَعَ مُحَارَمَةٍ هَكَذَا وَلَمْ
يَرْمِهِ الرِّبَا وَدَوَّاعِيَهُ قَالَ بَعْضُ الْمَشَائِخِ حَلَّ فِتْنَتَهُمَا وَقَالَ بَعْضُهُمْ لَا
يَحُلُّ حَتَّى يَرِي مِمَّ هُمَا الْعَمَلُ أَيُّ الرِّبَا وَدَوَّاعِيَهُ وَمِثْلُهُ فِي حِرْزَانَةِ
الْعَتَاوِيِّ أَهـ . (ردالمحتار : ٤ / ٦٣ باب التعزير)

(۵) جرگہ اور پنچائیت کی حیثیت ”حکم“ کی ہے، ان کو تعزیر کا تو حق ہوتا ہے لیکن حدود و قصاص کے فیصلے کرنے کا حق نہیں، اگر فیصلہ کر دیا تو نافذ العمل نہیں ہوگا، البتہ پنچائیت کو فریقین کے درمیان صلح صفائی کرانے کا اختیار ہے، مگر اس میں کسی ماہر مفتی کا ہونا ضروری ہے تاکہ جہاں شرعی مسئلہ میں رہنمائی کی ضرورت ہو وہ رہنمائی کر سکے اور پنچائیت کا فیصلہ شریعت کے مطابق ہو سکے۔

(قوله : يستألهما الإمام) اشار إلى ما في الحر عن القية من أنه
ليس لقاضي الرستاق أو فقيهه أو المتفقهة أو أئمة المساجد إقامة
حد الشرب ، إلا بتولية الإمام .

(ردالمحتار : ٤ / ٤٠ ، باب حد الشرب)

وقال العلامة المرعشي رحمه الله : ولا يقيم المولي الحد على
عسده إلا بإذن الإمام وقال الشافعي رحمه الله : له أن يقيمه لأن له
ولاية مطلقة عليه كالإمام ، بل أولى لأنه يملك من التصرف فيه مالا
يملكه الإمام كالتعزير ولنا قوله عليه الصلوة والسلام : اربع إلى الولاية
وذكر منها الحدود ، ولأن الحد حق الله تعالى لأن المقصد منها
إخلاء العالم عن الفساد ، ولهذا لا يسقط بإسقاط العبد فيستوفيه من

هو نائب عن الشرح وهو إمام و نائبه خلاف تحرير لاه حق بعد
، ولهذا يعبر الصبي وحق الشرع موضوع عنه

(ہدایہ مع فتح القدیر : ۲۲۴/۵)

(۶) اس جرم کے عوض میں خاندان کی کوئی بڑی شے نکاح میں دینا ظلم اور سخت سناہ ہے، کیونکہ شرعاً نکاح کا مقصد یہ ہے کہ میاں بیوی کے درمیان خوشگوار ازدواجی زندگی قائم ہو اور والد و تناسل کے ذریعے نسل انسانی کو بڑھایا جائے، اس کے لیے شریعت نے کفو، مہر، نفقہ وغیرہ بہت سی باتوں کا خیال رکھا، لڑکی عوض کے طور پر نکاح میں دینے سے یہ حقوق تلف ہوتے ہیں اس لیے ایسا فیصلہ شریعت کے خلاف ہے۔

(۷) مالی جرمانہ، نصوص قرآنیہ، احادیث صریحہ اور اصول شرعیہ کے خلاف ہونے کی وجہ سے حرام ہے اس لیے جرم والوں کا یہ فیصلہ شریعت کے خلاف ہے۔

قال العلامة العلائی رحمہ اللہ تعالیٰ : (لا أحد مال في
المذهب) بحر وفيه عن البرارية : وقيل يحور ومعه أن يمسكه مدة
لينزجر ثم يعيده له فإن ایس من توبته صرفه إلى ما يرى . وفي
المحتسبي : إنه كان في ابتداء الإسلام ثم نسخ .

(رد المحتار ۶۱/۴) (والتعصیل فی أحسن العناوی ۵۴۹/۵)

(۸) اگر ایسے شخص کا انتقال ہو جائے یا کوئی اس کو قتل کر دے تو اس کی لاش کی بے حرمتی جائز نہیں بلکہ لازم ہے کہ اس کو عام مسلمانوں کی طرح کفن دیا جائے اور جنازہ پڑھ کر دفن کیا جائے، جرم ثابت ہونے کے بعد بغیر توبہ کے مرنے کی صورت میں علاقہ کا بڑا عالم یا دینی اعتبار سے مرتبہ رکھنے والا شخص اس کے جنازہ میں شریک نہ ہو، تا کہ دوسروں کے لیے عبرت ہو۔

قال العلامة المرغینانی رحمہ اللہ تعالیٰ : ویغسل ویکف
ویصلی علیہ لقولہ علیہ الصلوۃ والسلام فی ما عر : " اصعوا به کما
تصنعون بموتاکم . " (ہدایہ مع فتح القدیر ۲۱۴/۵۰ کتاب الحدود)

حیوان سے بد فعل کی سزا:

اگر کسی نے بھینس سے بد فعل کی تو اس کا یہ حکم ہے کہ اس شخص پر تعزیر ہے جس کی مقدار حاکم کی

رائے پر ہے اور بھینس ذبح کر کے ذبح کر دینا یا جا۔ یا مندوب ہے، بدفعی کرنے والا شخص بھینس کی قیمت کا، مکے سے ضامن ہوگا، ذبح کر کے ذبح کرنا ضروری اور واجب نہیں، صرف اس سے مندوب ہے کہ نہ کی یا اگر کو ختم کرنے سے بدفعی کرنے والے سے عار زائل ہو جائے، اس سے اگر ذبح نہ بھی کیا جائے تو کوئی حرج نہیں، اس کا گوشت اور دودھ وغیرہ بلاشبہ حلال ہے، اس زمانہ میں ذبح کو ضروری اور واجب سمجھتے ہیں اور ایسے جانور کے گوشت اور دودھ کو حرام تصور کرتے ہیں، لہذا اس زمانہ میں ذبح کرنا مناسب نہیں، اس لیے کہ مندوب کو ضروری سمجھنا یا حلال کو حرام قرار دینا سخت گناہ ہے، ایسے موقع پر مندوب پر عمل کرنا بھی ناجائز ہو جاتا ہے۔

والدبیل علی کل ما ادعیما مافی غسل الشامیة تحت (قوله ولا عند وطاء بهیمة الخ) وفي القیة برمر احساس الساطفی فرح السهیمة کمیها لا غسل فیہ بعیر ابرال و یعرر و تدبیح السهیمة و تحرق علی وجه الاستحباب ولا یحرم اکل لحمها به اھ و سیاتی فی الحدود .

(ردالمحتار : ۱)

وقال فی الحدود (قوله و تدبیح ثم تحرق) ای لقطع امتداد التحدث به کما رؤیت و لیس بواجب کما فی الهدایة و غیرها و هذا إذا کانت مما لا یؤکل فیہا کانت تؤکل جار اکلها عنده و قالوا تحرق ایضاً، (قوله الطاهر انه یطالب بدأ الخ) ای قولهم یطالب صاحبها ان یدفعها الی الواطیء لیس علی طریق الحجر و عبارة السهر و الظاهر انه یطالب علی وجه التدبیل و لدا قال فی الحانیة کان لصاحبها ان یدفعها الیه بالقیمة اھ و عبارة البحر و الطاهر انه لا یجبر علی دفعها . (ردالمحتار : ۳)

وقال فی شرح التوسیر و کل ما یؤدی الیه (الی الوجوب) فمکروه . (ردالمحتار : ۱، احزاب سجود التلاوة) و قال الطیبی فی شرح مشکوٰۃ تحت حدیث ابن مسعود رسی اللہ عنہ فی الترام الانصراف عن الیمین بعد الصلوٰۃ ان من اصر علی مدرب و جعله

عزما ولم يعمل بالرخصة فقد اصاب منه الشيطان اهـ .

(ماخوذ از احسن الفتاویٰ : ۵/۵۰۳)

کسی مسلمان کو کافر سے تشبیہ دینے کا حکم:

اس سلسلہ میں ایک سوال و جواب نقل کیا جاتا ہے

سوال ایک مولوی صاحب نے ایک صالح حافظ کو کہا کہ تجھ سے ابو جہل اچھا ہے، اس مولوی صاحب کے لیے شرعاً کیا سزا ہے؟ اس کی امامت صحیح ہے یا نہیں؟ اور اس کا نکاح قائم ہے یا نہیں؟
بنواتو جردا

جواب بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ ان مولوی صاحب نے کسی خاص صفت میں ابو جہل کو اچھا کہا ہوگا اس میں کوئی گنہ نہیں بلکہ امر واقعی ہے کہ بعض اوصاف میں بعض کافر بعض مسلمانوں سے اچھے ہیں، اگر مولوی صاحب کا یہ مطلب نہیں بلکہ ہر حیثیت سے ابو جہل کو اچھا کہتا ہے تو اس میں دو احتمال ہیں:

- ۱۔ جس کو ابو جہل کہا اسے حقیقی کافر نہیں سمجھا صرف یہ کہنا اور گالی دینا مقصود ہے۔
- ۲۔ اس کو واقعہ کافر اور ابو جہل کی طرح مخلد فی الزر سمجھے، صورت اولیٰ میں یہ لفظ کہنے والا فاسق ہے، اس کی امامت مکروہ تحریمی ہے اور حاکم اسے منسب تعزیر دے گا اور دوسری صورت میں یہ شخص کافر ہے، اس لیے اس کا نکاح باطل ہو گیا، غرضیکہ کسی خاص صفت میں تشبیہ سے نہ فاسق اور نہ کافر اور اگر گالی کی نیت سے کہا تو فاسق اور حقیقہ کافر سمجھا تو خود کافر ہو جائے گا۔ ان احتمالات مملاشہ کے بارے میں خود متکلم سے تحقیق کی جائے کہ اس کی کیا مراد ہے، جو مراد وہ خود بیان کرے گا اسی کے مطابق اس پر حکم لگایا جائے۔

عن عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ صلی

اللہ علیہ وسلم سباب المسلم فسوق وقتاله کفر .

(بخاری کتاب الآداب : ۲/۸۹۳)

رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ مسلمانوں آپس میں گالی دینا فسق کی علامت ہے اور لڑنا

کفر ہے۔

وعن أبي در رضي الله عنه انه سمع النبي صلى الله عليه وسلم

سور لا یومی رحیل رحیل - مسبق ولا یرمہ - کفر لا یرتد علیہ

ان لم یکن صاحبه کذلک . (حوالہ بالا)

اور رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ کوئی کسی کی طرف فسق یا کفر کی نسبت کرتا ہے اور وہ شخص کافر یا فسق نہ ہو تو یہ قول سنیے، اس کی طرف لوٹ کر آ جاتا ہے۔

وفی شرح نسویر وحرر لشیاتم بیا کافر وہل یکفر ان اعتقد

المسلم کافر نعم والا لانه یتنی شرح وھابیة ولو احاب لبث کفر

حلاصة، وفی الشیمة ی یکفر - اعتقاده کافر الا بسب مکفر قال

فی السھر وفی الدحیرہ المحتار للفتویٰ انه ان اراد الضم ولا یعتقدہ

کفر الا یکفر وان اعتقدہ کفر فحاصہ بہذا ساء علی اعتقاده انه کافر

یکفر لانه لما اعتقدہ لما اعتقد المسلم کافراً فقد اعتقد دین الإسلام

کفر اھ . (ردالمحتار باب التعزیر : ۲۵۳/۳)

تمامہ (ردالمحتار ۱۸۷/۳) وفی التویر قال الاحر یا رابی

فقال الاحر بل است حدا بخلاف لو قال له مثلاً یا خبیث فقال بل

است، وفی الشامیة (قوله مثلاً) ای من کل لفظ عبر موجب لحد .

(ردالمحتار : ۱۷۸/۳)

شاگرد کو سزا دینے کا حکم:

استاذ اپنے شاگردوں کو تعزیر دے سکتا ہے، شاگرد خواہ بالغ ہو یا نابالغ، نابالغ کو اس لیے کہ اس کے ولی نے استاذ کو تادیب کا مالک بنادیا ہے اور بالغ کو اس لیے کہ اس نے خود استاذ کو اس کا اختیار دیا ہے۔

شیخ بھی اسی لیے مرید کو تعزیر دے سکتا ہے کہ مرید بیعت کے ضمن میں شیخ کو ہر قسم کا اختیار دیدیتا ہے۔

قال العلانی رحمہ اللہ تعالیٰ : وفی القیة له إکراه طفله علی

تعلم قرآن وادب و علم لمریضته علی الوالدین وله ضرب الیتیم فیما

یضرب ولده، وفی الشامیة (قوله وفی القنیة الخ) وفیہا عن الروضة

و لو امر غیرہ بصرہ عمدہ حل بمأثم بحلاف الحر قال فهذا
تخصيص على عدم جرم بصره و لا امر بأمره بحلاف المعلم لأن
المأمور بصره بيانه عن الأب لمصلحة و معناه بصره بحكم الملك
بتملك أبيه لمصلحة الولد اهـ . (رد المحتار: ۱۹۵/۳)

علامہ عدائی فرماتے ہیں کہ ”قدیہ“ میں ہے کہ باپ کو حق حاصل ہے کہ اپنی اولاد کو قرآن،
ادب اور علم فقہ سیکھنے پر مجبور کرے۔ اور جن صورتوں میں اپنی اولاد کی پٹائی کر سکتا ہے یتیم کی بھی
کر سکتا ہے، آگے علامہ شامی فرماتے ہیں کہ استاد شاگرد کو سزا دیتا ہے باپ کی طرف سے تادیب کا
مالک ہونے کی بناء پر۔

طلبہ کو سزا دینے کے متعلق دارالافتاء علامہ بخاری ناؤن اور جامعہ دارالعلوم کراچی کا ایک
مصدقہ فتویٰ بھی مع کچھ اضافہ کے ملاحظہ فرمائیے
”اگر کوئی طالب علم سبق یاد نہیں کرتا اور وقت ضائع کرتا ہے تو اس طالب علم کی اصلاح کے
ارادہ سے اس کی مصلحت کو مد نظر رکھتے ہوئے استاذ طالب علم کو ضرب خفیفہ یعنی ہلکی پٹائی کر سکتا
ہے۔“

کما ذکرہ صاحب بحر الرائق : ولو امر غیرہ بصرہ عمدہ حل
للمأمور بصره بحلاف الحر . قال رصي الله عه فهدا تخصيص على
عدم جوار ضرب ولد الأمر بأمره بحلاف المعلم لأن المأمور بصره
بیانه عن الأب لمصلحته والمعلم بصره بحكم الملك بتملك أبيه
لمصلحة الولد اهـ . (۴۹/۵)

لیکن استاذ کا طالب علم کو ڈنڈے سے مارنا جائز نہیں، بلکہ ہاتھ سے تین ضربات خفیفہ پٹائی
کر سکتا ہے زیادہ پٹائی کی ممانعت ہے۔ کیونکہ حضور ﷺ نے مرد اس معلم کو فرمایا جب تعلیم کے لیے
بھیج رہے تھے کہ تین ضربات سے زیادہ نہ مارنا اگر آپ نے تین ضربات سے زیادہ کسی طالب علم
کی پٹائی کی تو اس کا اللہ تعالیٰ آپ سے قصاص لے گا۔

ابنہ اگر طالب علم نماز میں سستی کرتا ہے تو تادیب اس کو ہلکے معمولی ڈنڈے سے تین ضربات
خفیفہ پٹائی کر سکتے ہیں کیونکہ شریعت محمدیہ میں جہاں بھی کسی جرم پر سزا عائد ہوتی ہے تو وہاں پر

شریعت محمدیہ کا مقصد انسدادِ فعل ہوتا ہے۔ اضرارِ انسان نہیں ہوتا، اور نماز کے علاوہ کسی اور جرم کے ارتکاب میں استاذ کے لیے ڈنڈے کا استعمال جائز نہیں ہے کیونکہ ڈنڈے سے اس مجرم کو مارا جاتا ہے جس نے کسی کی مالی یا جانی نقصان کیا ہو۔

کذا فی الشامی : قوله بيد اي ، لا يحاور الثلاث و كذلت المعلم
لبس له ان يحاو عما قال عليه الصلوة والسلام : لمرداس معلم اياك ان
نضرب فوق الثلاث فامك اذا صرب فوق الثلاث اقتص الله منك اهـ
اسماعيل عس احكام الصغار بالستروشي و ظاهره انه لا يصرب
بالعصافي غير الصلاة ابضا قوله لا بحشة اي عصا و مقتضى قوله بيد
ان يراد بالخشة ما هو الأعم منها و من السوط افاده ط قوله بحديث
استدلال على الصرب المطلق و ام كونه لا بحشة فلا الصرب بها
ورد في جناية المكلف اهـ . (رد المحتار : ۱ : ۳۵۲)

نیز یہ کہ طالب علم کو اس کے چہرے پر مارنا بھی جائز نہیں ہے، کیونکہ حضور ﷺ نے چہرے پر مارنے سے منع فرمایا ہے۔

كذا في المشكوة . عن ابي هريرة رضي الله عنه عن النبي صلى
الله عليه وسلم قال اذا صرب احدكم فليترك الوجه .

(رواه ابو داود : ص ۳۱۶)

رسول اللہ ﷺ نے اٹا دفرمایا کہ جب تم میں سے کوئی کسی کو (تقریراً) مارے تو چہرہ پر نہ مارے۔

پھر استاذ کو سب طلباء کے ساتھ یکساں سلوک کرنا چاہیے غلطی کرنے پر بعض کی پٹائی کرنا اور بعض کو چھوڑ دینا بعض کے ساتھ سختی اور بعض کے ساتھ نرمی کرنا غرض ترجیحی سلوک کرنا جائز نہیں ہے۔

كذا في الهندية : ان يعدل بين الصبيان اذا تارعوا ويصف
بعضهم من بعض ولا يميل الى الاولاد الاعتياء دون الفقراء .

(عالمگیری : ۳۷۹/۵)

فتویٰ ہندیہ میں ہے کہ جب طلبہ کے درمیان جھڑا ہو جائے تو سزا دیتے ہوئے انصاف سے کام لیں، ایسا نہ ہو کہ فقراء کے بچوں کو نظر انداز کر کے انھیں کیوں کی طرف جھکاؤ کا برتاؤ ہو۔ بے رحمی اور ایسی سختی سے مارنا بھی جائز نہیں ہے، جس سے زخم میں زخم آجاتا ہو یا نشانات پڑ جاتے ہوں کیونکہ اس کا قیامت کے دن حساب ہوگا۔

کدامی العالم کبریہ : ان لا یصرب العسبان صرنا مبرحا ولا

یحاور الحدیث یحاسب یوم القیامۃ . (عالمگیری ۵/۳۷۹)

اور اگر ایسی سختی کے ساتھ پٹائی کی جس کی کوئی نظیر شریعت میں نہیں ہے تو ایسی تادیبی پٹائی کرنے میں باجماع فقہاء استاذ پر ضمان آتا ہے۔

کدامی شرح النقایۃ : ولو صر بہ ضربا شديدا لا یصرب مثله فی

التادیب یصم باجماع الفقہاء . (۲/۳۹۹)

نیز اگر طالب علم دروس کی تاب نہ لاسکا شدید زخمی ہو کر بیمار پڑ گیا یا اس سے مر گیا تو ایسی صورت میں ضمان اور دیت آئے گی۔

کدامی فتح القدیر : وكذا المعلم إذا ذل الصبي فمات منه

بضمن عندنا والشافعی . (۵/۱۱۹)

اس دور میں جبکہ لوگ اسلام کی بجائے اور ازموں کے درپے ہیں اور لوگوں کی ذہنیت مغرب کے سانچے میں ڈھل چکی ہے، ان حالات میں ایک مسلمان کا اپنے بچہ یا بچی کو دینی تعلیم کے لیے بھیجتا اور بچہ یا بچی کو علم دین کے لیے وقف کرنا بڑی قابل قدر بات ہے۔

بائیں وجہ مدرس یا منتظم کے بے جا ظلم و استبداد کرنے سے طالب علم اگر علم دین سے محروم ہو گیا تو اس کے وبال کا سہرا اس مدرس یا منتظم کے سر پر ہو گا۔ جو بے جا ظلم و استبداد کرتا ہو۔ اللہ تعالیٰ تمام مدرسین کرام اور اساتذہ علوم دینیہ کو صحیح طریقہ تعلیم کے مطابق عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائیں۔

دیر میں بدعقلی کی سزا:

یہ خبیث فعل زنا سے بھی بدتر ہے، شریعت کے علاوہ عقلا اور طبعا بھی یہ فعل بہت ہی خبیث ہے، اس خبیث فعل کی ابتداء حضرت لوط علیہ السلام کی قوم نے کی تھی، اس لیے لوگ اس خباثت کو لواطت اور اس کے فاعل خبیث کو لوطی کہتے ہیں، ایسا نہیں کہنا چاہیے ایسے خبیث فعل اور خبیث

فاعل اللہ تعالیٰ کے رسول حضرت لوط علیہ السلام کے نام کی طرف منسوب کرنا خلاف ادب ہے، اس کی خباثت ایسی فاحشہ ہے کہ دنیا میں کوئی خبیث سے خبیث جاندار بھی ایسی خباثت کی رغبت نہیں رکھتا، یہ ایسا گندہ اور گھناؤنا فعل ہے کہ گندے سے گندے جانوروں کو بھی اس سے نفرت ہے، اسی لیے اللہ تعالیٰ نے ایسی خبیث قوم کو ایسا سخت عذاب دیا کہ ان کی بستی کو اوپر اٹھا کر الٹا کر کے پھینک دیا اور پھر اس پر پتھروں کی بارش برسائی اور ان کے قصہ کو قرآن کریم میں بیان فرما کر رہتی دنیا تک ان کو رسوا کیا اور بتا دیا کہ ایسے خبیث لوگوں کی اصل سزا یہی ہے مگر کوئی حکومت یہ سزا دینے پر قادر نہیں، اس لیے حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما اور آپ کے بعد بعض فقہاء رحمہم اللہ نے اس سے ملتی ہوئی یہ سزا تجویز فرمائی ہے کہ ایسے خبیث کو کسی بلند مقام سے سر کے بل الٹا گرا کر اس پر پتھر برسائے جائیں، اس طرح ہلاک کر دیا جائے۔

حضور اکرم ﷺ کا ارشاد ہے:

اقتلوا الفاعل والمفعول به .

رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ ایسا خبیث فعل کرنے والے اور کروانے والے دونوں کو (تعزیراً) قتل کرو۔

دوسری حدیث میں ہے

فارجموا الاعلیٰ والاسفل احصنا اولم یحصنا .

یعنی اوپر نیچے دونوں کو سنگسار کرو، جھکن ہو یا نہ ہو۔ (یعنی شادی شدہ ہو یا نہ ہو)

پہلی حدیث حضرت ابن عباس، ابو ہریرہ اور جابر بن عبد اللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے مرفوعاً اور حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے موقوفاً مروی ہے، یہ حدیث مطلق ہے، یعنی اس میں قید احسان مذکور نہیں۔

دوسری حدیث حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً مروی ہے، علاوہ ازیں حضرت ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً اور حضرت علی رضی اللہ عنہ سے موقوفاً ایسے مجرم کے لیے حد زنا مروی ہے۔

چونکہ یہ حکم غیر مدرک بالقیاس ہے، اس لیے حضرت عثمان و علی رضی اللہ تعالیٰ عنہما کا عدم رفع بھی بحکم رفع ہے۔

حضرت ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خدمت میں خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے ایسے خبیث شخص کا حال لکھ کر اس کی سزا دریافت کی، حضرت ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرات صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے مشورہ لیا، حضرت علی، حضرت عمر، حضرت علی اور دوسرے سب صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے بالاتفاق آگ میں جلادینے کا مشورہ دیا، حضرت ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے یہی فیصلہ خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کو لکھا، انہوں نے اس حکم کے مطابق اس کو جلادیا۔

حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما نے بھی اپنے دور خلافت میں ایسے شخص کو جلادیا۔
حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا قول اور اس کی تائید میں حضرت ابوالیوب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث سن کر حد زنا کے تحت غیر محسن کو سو کوڑے لگوائے۔
حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے رجم کر دیا۔
حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے محسن کو رجم کر دیا اور غیر محسن کو سو کوڑے لگوائے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما حدیث قتل کے راوی ہیں، مگر آپ کے ہاں طریق قتل یہ ہے کہ کسی بہت بلند مقام سے سر کے بل الٹا گرا کر اس پر پتھر برسائے جائیں، اس کی وجہ اوپر بیان کی جا چکی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے قوم لوط علیہ السلام کو جس عذاب سے ہلاک کیا اس کے ساتھ حتی الامکان مشابہت ہو جائے۔

یہ سب تفصیل ہدایہ، درایہ، نصب الراية اور محلی میں ہے۔

اللہ تعالیٰ کی طرف سے حضرت لوط علیہ السلام کی قوم پر سخت عذاب، حضور اکرم ﷺ، حضرات صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی طرف سے ہلاک کرنے کے مختلف طریقوں کے بیان اور ان کے مطابق حضرات خلفاء راشدین رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے فیصلوں کی بناء پر حضرات فقہاء رحمہم اللہ نے بھی اس خبیث فعل پر اسی قسم کی بہت ہی سخت سزائیں بیان فرمائی ہیں۔ ان سزاؤں میں سے جن میں جان سے مار دینے کا حکم ہے یہ شرط ہے کہ کم از کم دو بار یہ فعل کیا ہو۔

البتہ صاحبین رحمہم اللہ اس پر حد زنا کے قائل ہیں، اس لیے ان کے ہاں رجم کے لیے تکرار فعل شرط نہیں، ایک بار ارتکاب سے بھی رجم کیا جائے گا اور حد زنا کے سوا موت کی دوسری سزاؤں میں شادی شدہ ہونا شرط نہیں، غیر شادی شدہ کے لیے بھی موت کی سزا ہے، اس لحاظ سے ۱۰

کے علاوہ سزاؤں کی نوعیت کے لحاظ سے بھی اس فعل خبیث کی سزا زنا کی سزا سے بھی بہت سخت ہے، حضرات فقہاء رحمہم اللہ کی بیان فرمودہ سزاؤں کی تفصیل یہ ہے۔

- ۱۔ رجم، اگرچہ شادی شدہ نہ ہو۔
- ۲۔ حد زنا لگائی جائے، یعنی شادی شدہ ہو تو بذریعہ رجم ہلاک کر دیا جائے ورنہ سو کوڑے لگائے جائیں۔
- ۳۔ آگ میں جلا دیا جائے۔
- ۴۔ اس پر دیوار وغیرہ گرا کر ہلاک کر دیا جائے۔
- ۵۔ کسی بلند مقام سے الٹا سر کے بل گرا کر اوپر سے پتھر برسائے جائیں حتیٰ کہ مر جائیں۔
- ۶۔ قتل کیا جائے۔
- ۷۔ سخت سزا دے کر قید میں رکھا جائے حتیٰ کہ توبہ کرے یا قید ہی میں مر جائے۔
- ۸۔ بہت بد بودار جگہ میں قید رکھا جائے۔

قال في 'العناية' لا يحد بوطء ذر و فلا ان فعل في الاحاب
حد وان في عماده او منه ذر و حقه ولا حد اجتماعا بل يعرر فان في
الذر بنحو الاحراق بالنار و هذه الحد . والتكيس من محل مرتفع
باتباع الاحجار وفي الحاوي والحد اصح . وفي الفتح يعرر ويسجن
حتى يموت او يتوب ولو اعتاد اللواط قتلته الامام سياسة (إلى قوله)
وفي السحر حرمتها اشد من الزنا لحرمتها عقلا و شرعا و ضعا و الربا
ليس بحرام طبعاً و نزول حرمة بتزوج و شراء بخلافها و عدم الحد
عنده لا لاعتدائها بل للتعليل لانه مطهر على قول ، وفي الشامية (قوله
حد) فهو عندهما كالرما في الحكم فيحد جلدا ان لم يكن احص
ورجما ان احص بهر . (قوله بنحو الاحراق الخ) متعلق بقوله يعرر
وعبارة الدرر فعد ابى حبيبة رحمه الله تعالى تعزر بامثال هذا الامور
واعترضه في النهر بان الذي ذكره غيره تقييد قتلته بما اذا اعتاد ذلك

(الی قوسه) قال البیسی والطاهر انه یقتل فی المرة الثانية لصدق التکرار علیه اهـ . وقال تحت (قوله وفي الحاوی وحمه فی انتی بقعة رد المحتار . ۱۶۰/۳) (ماحود ار احسن الفتاوی)

ہنجائیت کی طرف سے تعزیر:

اگرچہ ہنجائیت کسی جرم کی شرعی سزا دینے پر قادر نہیں ہے بلکہ اس پر حسب قدرت تغیر الحکم فرض ہے، نیز تادیبی کارروائی کے لیے جرم پر شرعی نصاب شہادت ضروری نہیں، بلکہ قرآن قویہ کی بناء پر تادیب شرعاً جائز ہے، لہذا ہنجائیت تادیب و تنبیہ کے لیے ناقص شہادت اور قرآن و آثار قویہ کی بناء پر بھی معاشرتی مقاطعہ کا فیصلہ کر سکتی ہے اگرچہ شرعی نصاب شہادت موجود نہ ہو۔

بالغ اولاد کو تعزیر:

باپ کی طرف سے بالغ اولاد کو بھی تعزیر دی جاسکتی ہے، بلکہ والد نہ ہو تو دوسرے اقارب بھی تعزیر دے سکتے ہیں۔

قال العلامة الحصفی رحمہ اللہ تعالیٰ: فی الحضانة والغلام إذا عقل واستغنی برأیه لیس للاب ضمه الی نفسه إلا إذا لم یکن مأمونا علی نفسه فله ضمه لدفع فتنه او عار و تادیبه إذا وقع منه شیء وفي الشامیة تحت قوله والعلام إذا عقل الخ المراد الغلام البالغ لان الکلام فیما بعد البلوغ وعبارة الزیلعی ثم الغلام إذا بلغ رشیداً فله ان ینفرد إلا ان یكون مفسداً خوفاً علیہ الخ

علامہ حصفی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ جب لڑکا بالغ ہو جائے اب باپ اس کو اپنے ساتھ رکھنے کے لیے مجبور نہیں کر سکتا بلکہ اس کو اختیار ہوگا کہ کھانا، پینا، رہائش باپ کے ساتھ رکھے یا الگ رکھے، ہاں البتہ وہ لڑکا اپنے نفس پر مامون نہ ہو قنہ کا اندیشہ ہو تو باپ کو حق ہوگا قنہ اور عار سے بچنے اور ادب سکھانے کے لیے اس کو اپنے گھر میں رکھے۔

(قوله فله ضمه) ای للاب ولایة ضمه الیه والظاهر ان الحد كذلك بل غیره من العصابات کالآخ والعم ولم ار من صرح بذلك ولعلهم اعتمدوا علی أن الحاکم لا یمكنه من المعاصی وهذا فی

رماسا عبر واقع فسر الافناء ولای صمه کل من یؤتمن عبیه من
اقبارہ ویصدر عی حفظہ وان دفع مسکرہ جب عی کل من قدر
علیہ لا سمع من بصرہ عذرہ و ذلک حصا من اعظم صلیۃ الرحم
والشرع امر بصرہ و دفع المسکرہ من مکس قال تعالیٰ ﴿ان الله یأمر
بالعدل والاحسان وإیاء ذی القربیٰ ویسہی عن المحشاء والمکر
والعی یعطکم لعلکم تذکرون﴾ ثم رأیت فی حاشیة البحر الرملی
ذکر ذلک بحثا ایضا الخ .

(رد المحتار : ۶۹۷/۲) (ماخوذ از احسن الفتاویٰ)

قصاص کے احکام:

قصاص کے لفظی معنی مماثلت کے ہیں، مراد یہ ہے کہ جتنا ظلم کسی نے کسی پر کیا اتنا ہی بدلہ لینا
دوسرے کے لیے جائز ہے، اس سے زیادتی کرنا جائز نہیں۔

کقولہ تعالیٰ ﴿فاعتدوا علیہ بمثل ما اعتدی علیکم﴾

(۱۹۴:۲۱)

اسی لیے اصطلاح شرع میں قصاص کہا جاتا ہے قتل کرنے زخم لگانے کی اس سزا کو جس میں
مساوات اور مماثلت کی رعایت کی گئی ہو۔

قتل عمد کی تعریف:

قتل عمد وہ ہے کہ ارادہ کر کے کسی کو اپنی ہتھیار سے یا اُن چیز سے جس سے گوشت پوست
کٹ کر خون بہہ سقے قتل کیا جائے، قصاص یعنی جان بے بدلے جان لینا ایسے ہی قتل کے جرم کے
ساتھ مخصوص ہے۔

قانون قصاص:

﴿یا ایہا الذین امنوا کتب علیکم الفصا ص فی القتلی الحر

بالحر والعبد بالعد والأشی نأشی﴾ (سورة البقرة: ۱۷۸)

”اے ایمان والو! تم پر قصاص فرض کیا جاتا ہے، مقتولین کے بارے میں (یعنی ہر) آزاد
آدمی (قتل کیا جائے ہو دوسرے) آزاد آدمی کے عوض میں اور اسی طرح غلام غلام کے عوض میں

اور عورت عورت کے عوض میں۔"

اس آیت کا حاصل یہ ہے کہ جس نے قتل کیا ہے وہی قصاص میں قتل کیا جائے گا، عورت ہو یا غلام، قاتل عورت اور غلام کے بجائے بے گناہ مرد یا آزاد کو قتل کرنا جائز نہیں۔ (معارف القرآن)

قصاص کے قواعد و اصول:

۱. اگر وارث قاتل پر قادر نہیں تو حکومت پر لازم ہے کہ قاتل کو پکڑ کر ولی مقتول کے حوالہ کرے۔
۲. اگر کسی ایک وارث نے قاتل کو قتل کر دیا تو بھی قصاص ادا ہو گیا، باقی وارثوں کو حق اعتراض نہیں، یعنی جبکہ کسی وارث نے معاف نہ کیا ہو، معاف کرنے کی تفصیل آگے نمبر ۱۳ و ۱۴ میں آ رہی ہے۔
۳. اگر وارثوں میں بعض چھوٹے ہوں اور بعض بڑے تو قتل عمد موجب قصاص میں بڑوں کو قصاص لینے کا حق ہے۔ چھوٹے وارثوں کے بلوغ کا انتظار نہیں کیا جائے گا۔
۴. اگر سب وارث چھوٹے ہوں یا مجنون و معتوہ ہوں تو کوئی اجنبی شخص قاتل کو قصاصاً قتل نہیں کر سکتا، بھائی اور چچا اگر ارث سے محروم ہوں تو وہ بھی اجنبی کے حکم میں ہیں اور اس صورت میں حاکم قصاص لے گا۔
۵. قصاص لینے کا حق ان لوگوں کو ہے جن کو میت کے ترکہ سے حصہ ملتا ہے۔
۶. اولیاء میں قاتل کا والد موجود ہو تو بوقت اخذ قصاص اولیاء میں سے کسی دوسرے کا موجود ہونا ضروری نہیں اور اگر والد موجود نہ ہو تو سب اولیاء کا موجود ہونا ضروری ہے۔
۷. توکیل کی صورت میں بوقت قصاص موکل کا موجود ہونا ضروری ہے، ولی قصاص کسی کو توکیل بنا کر مجلس قصاص سے غائب ہو گیا تو قصاص لینا جائز نہیں۔
۸. قتل موجب دیت میں دیت و رشہ میں بقدر حصص تقسیم ہوگی۔
۹. قتل موجب دیت میں اگر وارثوں میں سے بعض چھوٹے ہوں تو بڑے کو پوری دیت لینا جائز نہیں، وہ صرف اپنا حصہ لے سکتا ہے۔
۱۰. اگر ولی مقتول نے کسی اجنبی کو حکم دیا اور اس حکم دینے پر گواہ موجود ہوں یا لوگوں میں علی الاعلان حکم دیا ہو تو وہ ولی کی موجودگی میں قاتل کو قتل کر سکتا ہے۔

- ۱۱۔ اگر شہید ہو جائے تو اس کی جائیداد میں سے قاتل کو قتل کا بدلہ دیا جائے گا۔ اگر مقتول کا حق ساقط ہو جائے تو اس کا حق ساقط نہیں ہوگا۔ بدلہ جہنم سے قصاص پر جائے گا۔
- ۱۲۔ اگر کسی اجنبی نے قاتل کو قتل کر دیا تو مقتولوں اور مقتولہ کے حق ساقط ہو جاتا ہے۔ وہ مقتولوں کی جائیداد میں سے قاتل کو قتل کا بدلہ دیا جائے گا۔ اگر مقتولہ کا حق ساقط ہو جائے تو اس کا حق ساقط نہیں ہوگا۔ بدلہ جہنم سے قصاص پر جائے گا۔
- ۱۳۔ اگر کوئی وارث اپنے حق قصاص معاف کرے تو قصاص ساقط ہو جائے گا۔ باقی وارث قصاص نہیں لے سکتے۔ بدلہ دیتے ہیں۔

- ۱۴۔ اگر کسی وارث نے معاف کر دینے سے پہلے جو وارث اس نے قصاص سے لیا تو قصاص لینے والے کو یہ معلوم تھا کہ بعض وارثوں نے معاف کر دیا۔ مستطقصاص ہے تو قصاص لینے والے سے قصاص لیا جائے گا اور اگر معلوم نہیں تھا تو قصاص نہیں لیا جائے گا۔ اس سے مال میں دیت آئے گی۔

حکومت کے فیصلہ کے بغیر قصاص لینے کا حکم:

حضرت مفتی محمد شفیع صاحب رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ قصاص لینے کا حق اگرچہ اولیاء مقتول کا ہے، مگر باجماع امت ان کو اپنا یہ حق خود وصول کرنے کا اختیار نہیں کہ خود ہی قاتل کو مار ڈالیں بلکہ اس حق کو حاصل کرنے کے لیے کسی مسلمان حاکم یا اس کے نائب کا فیصلہ ضروری ہے کیونکہ قصاص کسی صورت میں واجب ہوتا ہے کسی میں نہیں اس کی جزئیات بھی دقیق ہیں، جن کو ہر شخص معلوم نہیں کر سکتا، اس کے علاوہ اولیاء مقتول اپنے غصہ میں مغلوب ہو کر کوئی زیادتی بھی کر سکتے ہیں اس لیے باتفاق علماء امت حق قصاص حاصل کرنے کے لیے اسلامی حکومت کی طرف رجوع کرنا ضروری ہے۔ قرطبی (معانی القرآن ۱/۴۳۷)

ورشہ میں سے کچھ نابالغ ہوں تو قصاص کا حکم:

اگر مقتول کے ورثہ میں سے ایک دو نابالغ ہوں تو قصاص لینے کے لیے ان کے ہونے کا انتہا رکھنا ضروری نہیں فی الحال قصاص لینا جائز ہے۔

قال العلامة الحصکمی رحمہ اللہ تعالیٰ: وللمکار القود قتل کر الصغار حلالا لهما والاصل ان کل ما لا یتجرى ادا و جد سبہ کاملا ثبت لکل علی الکمال کولایۃ انکاح وامان الا اذا کان الکبیر اجنبیا

عن الصعیر ولا یسقط غود حتی یسع الصعیر حملاً یعنی فسطح
وقال لعلہ من عدس رحمہ اللہ تعالیٰ (۱۰۰ حلاف ہما)
فعدہما یس جہ دث لا یکون اسریت مکہ الصعیر نہ ۱۰۰
قاساہ عسی ۱۰۰ کد مشترک من کسریں واحد ہما غائب (۱۰۰
والاصل الحج) مسدول غول (مادہ ۱۰۰ فی جہ ۱۰۰ حلاف
یشجری شہ ۱۰۰ سب لا شجری وہہ غول ۱۰۰ حلاف
الصعیر منقطع فی واحد فنب کل واحد ۱۰۰ فی ۱۰۰
الانکاح بحلاف الکبیریں ۱۰۰ حلاف من عدس ۱۰۰ حلاف

(رد المحتار، ۳۴۷/۵)

قاتل کے رشتہ دار کو قتل کرنا:

اگر کسی نے کسی شخص کو ناحق قتل کر دیا اب وہ قاتل ہاتھ نہیں آ رہا ہے اس لیے اولیاء مقتول
قاتل کے کسی رشتہ دار کو پکڑ کر قتل کر دیتے ہیں تو یہ شرعاً بہت بڑا گناہ ہے، شرعاً یہ جائز نہیں کہ قاتل
کے بدلہ میں کسی اور کو قتل کر دے۔ قصداً ایسا کرنے کی صورت میں قصاصاً اس قاتل ثانی کو بھی قتل
کیا جائے گا۔

کتاب الہیات والعمود

کسی کو خطا غلطی سے قتل کر دے یا ہو جائے تو قصاص کے بجائے مقتول کے اولیاء و دیت
وصول کرنے کے حقدار ہوتے ہیں۔ یہ دیت قاتل کے عاقلہ پر واجب ہوتی ہے۔ اس کی
تفصیلات ذکر کی جاتی ہیں:
دیت عاقلہ کی تفصیل:
دیت کی تین صورتیں ہیں:

۱۔ دس ہزار درہم چاندی یا اس کی قیمت، ایک درہم ۴۰۲ و ۳ گرام، دس ہزار درہم
۳۴،۲۰ کلو گرام۔

۲۔ ایک ہزار دینار سونا یا اس کی قیمت، ایک دینار ۸۶ و ۴ گرام، ہزار دینار ۴۸۶

کھوڑے

۳. سوانٹ یا ان کی قیمت، یہ اونٹ پانچ قسم کے ہوں گے

- (۱) ایک سالہ بیس اونٹیاں۔
- (۲) ایک سالہ بیس اونٹ۔
- (۳) دو سالہ بیس اونٹیاں۔
- (۴) تین سال کی بیس اونٹیاں۔
- (۵) چار سالہ بیس اونٹیاں۔

تعداد مذکور مرد کی دیت ہے، عورت کی دیت اس سے نصف ہے، اس میں اختلاف ہے کہ دیت کی ان انواع میں سے کسی ایک کی تعیین کا اختیار قاتل کو ہے یا قاضی کو؟ قول اول رائج معلوم ہوتا ہے، معہذا قول ثانی کے مطابق قاضی نے تعیین کر دی تو جائز اور نافذ ہے۔

عاقلہ کی تفصیل:

اگر قاتل اہل دیوان سے ہو تو اس کے عاقلہ اہل دیوان ہیں۔ یعنی وہ عاقل، بالغ، مرد جن کے نام سرکاری دفتر میں اس لیے درج ہوں کہ وہ کسی خدمت کے عوض یا بوجہ ضرورت سرکاری خزانہ سے وظیفہ پارہے ہوں، اس لیے ان کو اہل عطا بھی کہا جاتا ہے۔ سب سے پہلے اہل دیوان کی وہ جماعت جس سے قاتل کا تعلق ہو۔ دیت وصول کرنے کی آئندہ تفصیل کے مطابق اگر یہ جماعت کافی نہ ہو تو اس سے اوپر کی جماعت کو شامل کیا جائے گا، پھر اس سے اوپر کی جماعت کو۔

اس دور میں سرکاری دفاتر میں عورتوں کی ملازمت عام ہے، بنظر تنقہ ان دیوانی عورتوں کو عاقلہ میں شمار کرنا چاہیے۔

عاقلہ کا مدار تقاصر پر ہے، اس زمانہ میں تقاصر کی کئی صورتیں ہیں مثلاً سیاسی جماعتیں، اہل حرفت، صنعتکاروں، تاجروں اور مزدوروں وغیرہ کی تنظیمیں، لہذا اگر قاتل کسی سیاسی جماعت یا کسی تنظیم کا رکن ہو گا تو اس کی عاقلہ یہ جماعت یا تنظیم ہوگی۔

اگر قاتل اہل دیوان سے نہ ہو اور کسی تنظیم یا سیاسی جماعت کا رکن بھی نہ ہو تو اس کے عاقلہ اس کے عصبات ہیں اور ان پر وجوب دیت علی ترتیب الارث ہے، پہلے اپنا، پھر بآ، پھر بھائی، پھر بھتیجے پھر چچے، پھر چچا زاد۔

قاتل سے بھی حصہ دیت وصول کیا جائے گا، خواہ وہ اہل ۱۰ یوان سے ہو یا نہ ہو۔

واضطربت اقوال الفقهاء رحمہم اللہ تعالیٰ فی دلت و الصصح

ما حررنا .

نساء و صبیان و بچہ نین پر دیت نہیں، اگرچہ قاتل ہوں۔

اگر قاتل کے عاقلہ نہ ہوں تو بیت المال سے تین سالوں میں دیت اداء کی جائے گی، بشرطیکہ قاتل مسلم ہو، اور اس کا کوئی وارث معروف نہ ہو، مثلاً لقیط ہو یا کوئی حربی اسلام لے آیا ہو، اگر قاتل ذمی ہو یا اس کا کوئی معروف وارث ہو، خواہ کتنا ہی بعید ہو یا بوجہ رق یا کفر محروم ہی ہو تو دیت بیت المال میں نہیں بلکہ قاتل کے اپنے مال میں ہے، اسی طرح بیت المال میں دیت ہونے کی صورت میں اگر بیت مال موجود نہ ہو یا اس میں گنجائش نہ ہو تو دیت قاتل کے مال میں ہوگی جو تین سالوں میں وصول کی جائے گی۔

دیت وصول کرنے کا طریقہ:

دیت تین سال میں وصول کی جائے گی، ایک شخص سے ایک سال میں ۴۵۳۶ گرام سے زیادہ نہیں لیے جائیں گے۔

بچہ ماں کے پیچہ دپ کر مر گیا:

ایک عورت بچے کو ساتھ لٹا کر سو گئی، سوتے میں غیر شعوری طور پر اس کے پہلو کے پیچہ دپ گیا اور سانس بند ہو کر مر گیا تو اس کے احکام کی تفصیل یہ ہے کہ:

۱. ماں بے احتیاطی کی وجہ سے بہت سخت گناہ گار ہوئی اس پر توبہ واجب ہے۔
۲. کفارہ یعنی ایک مسلمان غلام کو آزاد کرنا، اس پر قدرت نہ ہو تو دو ماہ کے مسلسل روزے قمری ماہ کی پہلی تاریخ کو شروع کرے تو چاند کے حساب سے دو ماہ شمار ہوں گے ورنہ ساٹھ روزے پورے کرے۔

۳. ماں بچہ کی میراث سے محروم ہے، دیت بھی بچہ کی میراث میں داخل ہے۔

۴. اس کے عاقلہ پر دیت واجب ہے۔

شادی کی تقریب میں فائزنگ:

سوال۔ شادی کی ایک تقریب میں کچھ لوگوں نے ہوائی فائزنگ کی، اتفاق سے ایک شخص کو

گولی لگائی اور وہ مر گیا اس کا کیا حکم ہے؟ اس کی دیت واجب ہے یا نہیں، اگر پوری دیت کی بجائے پانچ دس ہزار روپے پر اتفاق ہو جائے تو صحیح یا نہیں؟ ایک مولوی صاحب کہتے ہیں کہ دیت یا چھ رقم پر صلح کا حکم اس وقت ہے جس جان بوجھ کر مارا ہو، اگر جان بوجھ کر نہیں مارا تو روپے لینا دینا جائز نہیں، شریعت کا یہ حکم ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ یہ قتل خطا ہے جس کے احکام یہ ہیں

۱۔ عاقلہ پر دیت۔

۲۔ قاتل پر کفارہ، یعنی ایک مسلمان غلام کو آزاد کرنا اس کی قدرت نہ ہو تو دو ماہ کے مسلسل روزے۔

۳۔ توبہ و استغفار۔

سوال میں صلح کی مذکورہ صورت جائز ہے لیکن روپے مجلس صلح ہی میں دینا ضروری ہے۔

قال العلامة الحصكفي رحمه الله تعالى : ووجه اي موجب هذا النوع من الفعل وهو الخطأ وما جري مجراه الكفارة والدية على العاقلة والاثم دون اثم القتل إذا الكفارة تؤد بالاثم لترك العريضة .

(ردالمحتار : ۳۴۲/۵)

وقال في الصلح . لو صالح بغير مفاديرها صح كيف ما كان

بشرط المجلس لثلاثين . (ردالمحتار . ۴۷۶/۴)

باقی اسخہ کے ساتھ کھیلنا اور بے احتیاطی کے ساتھ چلانا یہ بھی بڑا گناہ ہے، جبکہ حدیث کی رو سے کسی مسلمان کی طرف اسخہ سے اشارہ کرنا بھی ممنوع ہے، چہ جائیکہ اس طرح غلط استعمال کیا جائے جو کسی کی جان تلف ہونے کا سبب بنے اس لیے خوب خوب احتیاط کی ضرورت ہے۔
بس سے بچنے کا حکم:

بس وغیرہ گاڑیوں کے تصادم سے کوئی شخص مارا جائے تو یہ قتل خطا شمار ہوگا، ڈرائیور پر کفارہ اور اس کے عاقلہ پر دیت واجب ہوگی عاقلہ اور دیت کی تفصیل عنوان ”دیت و عاقلہ کی تفصیل“ کے تحت گزر چکی ہے۔

حدود و کفارہ سیئات نہیں:

حد شرعی مثلاً حد قذف، حد شرب خمر، حد زنا جاری ہونے کے بعد مرتکب جرم بدون توبہ

مؤاخذہ اخرویہ سے نہیں چھوٹ سکتا اس لیے توبہ واستغفار ضروری ہے۔

کسی کے ہاتھ سے بچہ گر کر مر گیا:

اگر کوئی شخص شفقت و پیار سے اپنے بچے سے ٹھیل رہا ہو کہ اچانک بچہ اس سے ہاتھ سے گر کر ہلاک ہو جائے تو شرعیات میں جاری مجرائے خطا ہے، اس کا حکم یہ ہے

- | | |
|----------|-------------------|
| ۱۔ توبہ | ۲۔ عاقلہ پر دیت |
| ۳۔ کفارہ | ۴۔ حرمان عن الارث |

و علامہ الحصکفی رحمہ اللہ تعالیٰ: و ما جری محراه
نی محری حطاً (اسی قہ) و موجبہ نی ما جب ہذا النوع من
فعل و هو احصا و ما جری محراه الکفرہ والدۃ علی العاقلۃ و الاثم
دون اثم القتل اذا الکفرۃ تؤذن بالاثم لترك العزیمۃ .

(ردالمحتار: ۳۴۲/۵)

وفي الهدية: وعن ابن القاسم في الوالدين إذا لم يتعاهد الصبي
حتى سقط من سطح ومات أو احترق بالنار لا شيء عليهما إلا التوبة
والاستعمار واحتيار المقيه ابی الليث رحمه الله تعالى علی انه لا
کفره عليهما ولا علی احدهما الا ان يسقط من يده و الفتوى علی
ما احتاره ابو الليث رحمه الله تعالى كذا فی الطهیرية .

(عالمگیریہ: ۳۳/۶)

فتویٰ ہندیہ میں ہے کہ ماں باپ نے بچہ کا خیال نہیں رکھا، یہاں تک وہ چھت سے گر کر مر گیا، یا آگ میں جل گیا دونوں پر توبہ واستغفار لازم ہے اس سے زائد کچھ لازم نہیں، فقہیہ ابو اللیث فرماتے ہیں، مذکورہ صورتوں میں تو کفارہ لازم نہیں البتہ بے احتیاطی کی وجہ سے بچہ ہاتھ سے گر کر مر جائے تو کفارہ لازم ہوگا اور فتویٰ فقہیہ ابو اللیث کے قول پر ہے۔

جماع موجب اسقاط کا حکم:

ایک شخص اپنی حاملہ بیوی سے جماع کرتا ہے جس سے حمل ساقط ہو جاتا ہے حالانکہ اس کو معلوم بھی ہے کہ اس سے حمل ساقط ہو جائے گا تو اس شخص پر کفارہ لازم ہوگا یا نہیں؟ حاملہ پر بھی

کفارہ ہوگا یا نہیں؟ اس کا ختم یہ ہے کہ اگر جماع بطریق معروف کیا تو اس پر ضمان نہیں، اگر غیر معروف طریقہ سے کیا اور زوجہ نے کوئی ایسی حرکت کی جو عموماً موجب اسقاط ہوتی ہے اور بیعت اسقاط کی تو زوجہ کے عاقلہ پر ضمان غرہ واجب ہے جس کی مقدار یہ ہے

۵۰۰ درہم: ۱۰۱ء اکلوا نرام چاندی ایک سال میں۔

حاصل یہ کہ عاقلہ زوجہ پر وجوب ضمان کے لیے تین شرائط ہیں

۱۔ ایسی حرکت کی ہو جو عموماً مسقط ہو۔

۲۔ بدون اذن زوج ہو۔

۳۔ بیعت اسقاط ہو۔

اور اگر زوج نے ایسی حرکت کی ہو جو عموماً مسقط ہوتی ہے تو اس کے عاقلہ پر ضمان غرہ ہے، اس میں نیت اسقاط شرط نہیں۔

باقی بعض لوگ حالت حمل میں جماع کو ناجائز سمجھتے ہیں یہ خیال غلط ہے، البتہ قصد ایسا کوئی طریقہ اختیار کرنا درست نہیں جس سے حمل کو نقصان پہنچنے کا اندیشہ ہو، یا کوئی ماہر ڈاکٹر عورت کے معاینہ کے بعد جماع کو نقصان قرار دے تب بھی اجتناب کیا جائے گا۔

عوام کو اجراء حد کا اختیار نہیں:

جتنی حدود ہیں، حد زنا، حد سرقہ، شرب خمر وغیرہ اجرائے حدود کا اختیار امام یا اس کے نائب کو ہے، عوام کو اس کا اختیار نہیں۔

قال الإمام الكاساني رحمه الله تعالى: وأما شرائط جوار اقامتها فمنها ما يعم الحدود كلها ومنها ما يخص البعض دون البعض أما الذي يعم الحدود كلها فهو الإمامة وهو أن يكون المقيم للحد هو الإمام أو من ولاه الإمام وهذا عسلنا (وبعد سطر) وبيان ذلك أن ولاية اقامة الحد إنما ثبت للإمام لمصلحة العباد وهي صيانة أنفسهم وأموالهم وأعراضهم لأن القضاة يمتنعون من التعرض خوفاً من اقامة الحد عليهم والمولى لا يساوي الإمام في هذا المعنى لأن ذلك يقف على الإمامة والإمام قادر على اقامة لشوكته ومنعته وانقياد الرعية له

قهر و حسرا ولا بخاف تعة الحياة واتساعهم لابعدام المعارضة بينهم
وبس الامام وتهمة الميل والمحابة والتواهي عن الاقامة منتفية في
حقه بيقين على وجهها فيحصل الغرض المشروع له الولاية بيقين .

(بدائع الصنائع : ۵۷/۷) (ماحول احسن الفتاوی : ۵۵/۸)

حدِ قذف معاف کرنے سے ساقط نہیں ہوتی:

اگر کسی شخص پر تہمت لگائی گئی بعد میں شہادت وغیرہ کے ذریعہ ثابت نہ ہو سکی تو تہمت لگانے والے کو حد لگائی جائے گی، یہ حد مقدوف (یعنی متہم شخص) کے معاف کرنے سے ساقط نہ ہوگی۔ اس سلسلہ میں ایک سوال و جواب احسن الفتاویٰ ۵۵/۸ سے کچھ تغیر کے ساتھ نقل کیا جاتا ہے

سوال: قرآن کریم کا حکم ہے کہ جو لوگ پاک دامن عورتوں پر تہمت لگائیں پھر چار گواہ لے کر نہ آئیں ان کو اسی کوڑے مارو اور ان کی شہادت قبول نہ کرو، وہ خود ہی فاسق ہیں، اگر کوئی پاک مردوں پر تہمت لگائے پھر ثابت نہ کر سکے تو اس پر بھی حد جاری ہوگی کیا اس صورت میں مردوں کو عدالت میں فیصلہ لانے کا حق ہے؟ کیا یہ صحیح ہے کہ جب مقدوف عدالت میں آئے تو قاذف کو مجبور کیا جائے گا کہ الزام ثابت کرے اور ثابت نہ ہونے کی صورت میں اس پر حد جاری ہوگی اور عدالت میں آنے کے بعد نہ عدالت اس کو معاف کر سکتی ہے اور نہ خود صاحب معاملہ، نہ کسی مالی نادان پر معاملہ ختم ہو سکتا ہے، نہ توبہ کر کے اور نہ معافی مانگ کر سزا سے بچ سکتا ہے؟ بینوا تو جروا

جواب: سوال میں مذکورہ تفصیل صحیح ہے، مردوں کو بھی حدِ قذف طلب کرنے کا حق ہے اور مقدوف یا عدالت کے معاف کرنے سے حدِ قذف ساقط نہیں ہوتی، البتہ غنوم مقدوف کی صورت میں صاحب حق کی طرف سے عدم طلب کی وجہ سے حد نہیں لگائی جائے گی۔ غنوم مقدوف صحیح نہ ہونے کا مطلب یہ ہے کہ بعد العفو بھی اس کو طلبِ حد کا اختیار ہے۔ یعنی ایک دفعہ معاف کرنے کے بعد دوبارہ حدِ قذف کا مطالبہ کرے تو شرعاً اس کو حق حاصل ہے۔

قال العلامة الحصكفي رحمه الله تعالى: ولا ارث فيه خلافا

للسافعي ولا رجوع بعد اقرار ولا اعتياض اي اخذ عوض ولا صلح

ولا عفو به وعه نعم لو عفا المقدوف فلا حد لا لصحة العفو بل

لترك الصلح حتى لو عاد وطلب حد شمني ولذا الا يتم الحد الا

محصر تہ . (رد المحتار : ۱۷۳/۳)

ڈاکہ ڈالنے کی سزا:

ہر مسلمان کی جان و مال محترم ہے، اس کو باطل طریقہ پر کھانا ناجائز اور حرام ہے، دوسرے کا مال ناحق طور پر کھانے کی ایک صورت ڈاکہ زانی لوٹ مار بھی ہے، یہ انتہائی قبیح فعل اور صریح ظلم ہے۔ یہی وجہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ۔

من انتهب نهبہ مشہورۃ فلیس منا . رواہ ابو داؤد

(مشکوٰۃ : ص ۳۱۳)

یعنی جس نے دوسرے کی کوئی چیز لوٹ لی وہ ہم میں سے نہیں۔ (ترمذی)

وقولہ علیہ السلام . إلا لا تظلموا إلا لا یحل مال امری مسلم . لا

بطیب نفس منہ . (مشکوٰۃ)

یعنی رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ ستم ظلم مت کرو، ستم! کسی کا مال بغیر اس کی رضامندی کے حلال نہیں۔ (بیہقی)

لیکن اگر کسی شخص یا جماعت نے یہ جسارت کر لی تو یہ گناہ اور حرام ہونے اور آخرت میں دردناک عذاب کے مستحق ہونے کے علاوہ دنیا میں بھی اس پر حد بھی جاری ہوگی، اس حد کی تفصیلات بیان کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا

﴿ إِنَّمَا جَرَاءُ الَّذِينَ يُحَارِبُونَ اللَّهَ وَرَسُولَهُ وَيَسْعَوْنَ فِي الْأَرْضِ

فَسَادًا أَنْ يُقْتَلُوا أَوْ يَصْلُوا أَوْ تَقْطَعَ أَيْدِيهِمْ وَأَرْجُلُهُمْ مِنْ حِلَافٍ أَوْ

يَنْفُوا مِنَ الْأَرْضِ ﴾

”یہی سزا ہے ان کی جوڑتے ہیں اللہ سے اور اس کے رسول سے اور دوڑتے ہیں ملک میں فساد کرنے کو کہ ان کو قتل کیا جائے یا سولی چڑھائے جائیں یا ان کے ہاتھ پاؤں مخالف جانب سے کاٹ دیے جائیں یا دور کر دیے جائیں اس جگہ سے۔ یہ ان کی رسوائی ہے دنیا میں اور ان کے آخرت میں بڑا عذاب ہے۔ مگر جو لوگ قبل اس کے کہ تم ان کو گرفتار کرو تو بہ کر لیں تو جان و بے شک اللہ تعالیٰ بخشنے والا مہربان ہے۔“

اس آیت کی تفسیر کرتے ہوئے حضرت مفتی محمد شفیع صاحب رحمہ اللہ اپنی شہرہ آفاق تفسیر

معارف القرآن میں لکھتے ہیں

یہاں پہلی بات قابل غور یہ ہے کہ اللہ و رسول ﷺ کے ساتھ محاربہ اور زمین میں فساد کا کیا مطلب ہے اور کون لوگ اس کے مصداق ہیں؟ لفظ ”محاربہ“ حرب سے ماخوذ ہے اور اس کے اصلی معنی سب کرنے اور چھین لینے کے ہیں اور محاورات میں یہ لفظ سلم کے بالمقابل استعمال ہوتا ہے، جس کے معنی امن اور سلامتی کے ہیں، تو معلوم ہوا کہ حرب کا مفہوم بد امنی پھیلاتا ہے، اور ظاہر ہے کہ اکادکا چوری یا قتل و غارتگری سے امن عامہ سبب نہیں ہوتا بلکہ یہ صورت جیسی ہوتی ہے جبکہ کوئی طاقتور جماعت رہزنی اور قتل و غارتگری پر کھڑی ہو جائے، اسی لیے حضرات فقہاء نے اس سزا کا مستحق صرف اس جماعت یا فرد کو قرار دیا ہے جو مسلح ہو کر عوام پر ڈاکے ڈالے، اور حکومت کے قانون کو قوت کے ساتھ توڑنا چاہے جس کو دوسرے لفظوں میں ڈاکو یا باغی کہا جاسکتا ہے، عام انفرادی جرائم کرنے والے چور گرہ کٹ وغیرہ اس میں داخل نہیں۔ تفسیر مظہری

دوسری بات یہاں یہ قابل غور ہے کہ اس آیت میں محاربہ کو اللہ اور رسول اللہ ﷺ کی طرف منسوب کیا ہے، حالانکہ ڈاکو یا بغوت کرنے والے جو مقابلہ یا محاربہ کرنے ہیں وہ انسانوں کے ساتھ ہوتا ہے، وجہ یہ ہے کہ کوئی طاقتور جماعت جب طاقت کے ساتھ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے قانون کو توڑنا چاہے تو اگرچہ ظاہر میں اس کا مقابلہ عوام اور انسانوں کے ساتھ ہوتا ہے لیکن درحقیقت اس کی جنگ حکومت کے ساتھ ہے اور اسلامی حکومت میں جب قانون اللہ اور اس کے رسول ﷺ کا نافذ ہو تو یہ محاربہ بھی اللہ و رسول ﷺ ہی کے مقابلہ میں کہا جائے گا۔

خلاصہ یہ ہے کہ پہلی آیت میں جس سزا کا ذکر ہے یہ ان ڈاکوؤں اور باغیوں پر عائد ہوتی ہے جو اجتماعی قوت کے ساتھ حملہ کر کے امن عامہ کو برباد کریں اور قانون حکومت کو علانیہ توڑنے کی کوشش کریں اور ظاہر ہے کہ اس کی مختلف صورتیں ہو سکتی ہے، مال لوٹنے، آبرو پر حملہ کرنے سے لے کر قتل و خونریزی تک سب اس کے مفہوم میں شامل ہیں، اسی سے مقاتلہ اور محاربہ میں فرق معلوم ہو گیا کہ لفظ مقاتلہ خونریزی لڑائی کے لیے بولا جاتا ہے گو کوئی قتل ہو یا نہ ہو اور گو ضمن مال بھی لوٹا جائے اور لفظ محاربہ طاقت کے ساتھ بد امنی پھیلانے اور سلامتی کو سلب کرنے کے معنی میں ہے۔ اسی لیے یہ لفظ اجتماعی طاقت کے ساتھ عوام کی جان و مال و آبرو میں سے کسی چیز پر دست درازی کرنے کے لیے استعمال ہوتا ہے، جس کو رہزنی، ڈاکہ اور بغاوت سے تعبیر کیا جاتا ہے۔

اس جرم کی سزا قرآن کریم نے خود متعین فرمادی اور بطور حق اللہ یعنی سرکاری جرم کے نافذ کیا ہے جس کو اصطلاح شرع میں حد کہا جاتا ہے، اب سنئے کہ ذاکہ اور رہزنی کی شرعی سزا کیا ہے؟ آیت مذکورہ میں رہزنی کی چار سزائیں مذکور ہیں

﴿أَن يَاقُتِلُوا أَوْ يَصَلُّوا أَوْ يَقْطَعُوا أَيْدِيَهُمْ أَوْ أُجْهِمُوا مِنْ حِلَافٍ أَوْ

يَنْفُوا مِنَ الْأَرْضِ﴾

یعنی ان کو قتل کیا جائے یا سولی چڑھایا جائے ان کے ہاتھ اور پاؤں مختلف جانبوں سے کاٹ دیے جائیں یا ان کو زمین سے نکال دیا جائے۔

ان میں سے پہلی تین سزاؤں میں مبالغہ کا لفظ باب تفصیل سے استعمال فرمایا جو تکرار فعل اور شدت پر دلالت کرتا ہے اس میں صیغہ جمع استعمال فرما کر اس طرف بھی اشارہ فرمادیا کہ ان کا قتل یا سولی چڑھانا یا ہاتھ پاؤں کا شامام سزاؤں کی طرح نہیں کہ جس فرد پر جرم ثابت ہو صرف اسی فرد پر سزا جاری کی جائے بلکہ یہ جرم جماعت میں سے ایک فرد سے بھی صادر ہو گیا تو پوری جماعت کو قتل یا سولی یا ہاتھ پاؤں کا ہٹنے کی سزا دی جائے گی۔

نیز اس طرف بھی اشارہ کر دیا گیا کہ یہ قتل و صلب وغیرہ قصاص کے طور پر نہیں کہ اولیاءِ مقتول کے معاف کر دینے سے معاف ہو جائے بلکہ یہ حد شرعی بحیثیت حق اللہ کے نافذ کی گئی ہے جن لوگوں کو نقصان پہنچا ہے وہ معاف بھی کر دیں تو شرعاً سزا معاف نہ ہوگی۔ یہ دونوں حکم بصیغہ تفصیل ذکر کرنے سے مستفاد ہوئے۔ تفسیر مظہری وغیرہ

رہزنی کی یہ چار سزائیں حرف اُد کے ساتھ ذکر کی گئی ہیں، جو چند چیزوں میں اختیار دینے کے لیے بھی استعمال کیا جاتا ہے اور تقسیم کار کے لیے بھی، اسی لیے فقہاء امت صحابہ و تابعین کی ایک جماعت حرف اُد کو تخیر کے لیے قرار دے کر اس طرف گئی ہے کہ ان چار سزاؤں میں امام و امیر کو شرعاً اختیار دیا گیا ہے کہ ڈاکوؤں کی قوت و شوکت اور جرائم کی شدت و خفت پر نظر کر کے ان کے حسب حال یہ چاروں سزائیں یا ان میں سے کوئی ایک جاری کرے۔

سعید بن مسیب، عطاء رضی اللہ عنہم، داؤد، حسن بصری، ضحاک، نخعی، مجاہد اور ائمہ اربعہ رحمہم اللہ میں سے امام مالک رحمہ اللہ کا یہی مذہب ہے اور امام ابو حنیفہ، شافعی، احمد بن حنبل رحمہم اللہ اور ایک جماعت صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم و تابعین رحمہم اللہ نے حرف اُد کو اس جگہ تقسیم کار کے معنی میں لے کر

آیت کا مفہوم یہ قرار دیا ہے کہ رہزنوں اور رہزنی کے مختلف حالات پر مختلف سزائیں مقرر ہیں، اس کی تائید ایک حدیث سے بھی ہوتی ہے، جس میں بروایت ابن عباس رضی اللہ عنہما منقول ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ابو بردہ اسلمی سے معاہدہ صلح کا فرمایا تھا، مگر اس نے عہد شکنی کی اور کچھ لوگ مسلمان ہونے کے لیے مدینہ طیبہ آرہے تھے ان پر ڈاکہ ڈالا، اس واقعہ میں جبریل امین یہ حکم سزا لے کر نازل ہوئے کہ جس شخص نے کسی کو قتل بھی کیا اور مال بھی لوٹا اس کو سولی چڑھایا جائے اور جس نے صرف قتل کیا مال نہیں لوٹا اس کو قتل کیا جائے اور جس نے کوئی قتل نہیں کیا صرف مال لوٹا ہے اس کے ہاتھ پاؤں مختلف جانبوں سے کاٹ دیے جائیں اور جوان میں سے مسلمان ہو جائے اس کا جرم معاف کر دیا جائے اور جس نے قتل و غارت گری کچھ نہیں کیا صرف لوگوں کو ڈرایا جس سے امن عامہ مختل ہو گیا اس کو جلاوطن کیا جائے، اگر ان لوگوں نے دارالاسلام کے کسی مسلمان یا غیر مسلم شہری کو قتل کیا ہے مگر مال نہیں لوٹا تو ان کی سزا ﴿ان یقتلوا﴾ یعنی ان سب کو قتل کر دیا جائے اگرچہ فعل قتل بلا واسطہ صرف بعض افراد سے صادر ہوا ہو، اور اگر کسی کو قتل بھی کیا مال بھی لوٹا تو ان کی سزا ﴿بصلوا﴾ ہے، یعنی ان کو سولی چڑھا دیا جائے، جس کی صورت یہ ہے کہ ان کو زندہ سولی پر لٹکایا جائے، پھر نیزہ وغیرہ سے پیٹ چاک کیا جائے اور اگر ان لوگوں نے صرف مال لوٹا ہے کسی کو قتل نہیں کیا تو ان کی سزا ﴿او نقطع ابدہم وارجلہم من خلاف﴾ ہے، یعنی ان کے داہنے ہاتھ گنوں پر سے اور بائیں پاؤں فٹنے پر سے کاٹ دیے جائیں اور اس میں بھی یہ مال لوٹنے کا عمل بلا واسطہ اگرچہ بعض سے صادر ہوا ہو، مگر سزا سب کے لیے ہوگی، کیونکہ کرنے والوں نے جو کچھ کیا ہے اپنے ساتھیوں کے تعاون و امداد کے بھروسہ پر کیا ہے، اس لیے سب شریک جرم ہیں اور اگر ابھی تک قتل و غارت گری کا کوئی جرم ان سے صادر نہیں ہوا تھا، کہ پہلے ہی گرفتار کر لیے گئے تو ان کی سزا ﴿او یسوا من الارص﴾ ہے، یعنی ان کو زمین سے نکال دیا جائے۔

جلا وطنی کی صورتیں:

زمین سے نکالنے کا مفہوم ایک جماعت فقہاء کے نزدیک یہ ہے کہ ان کو دارالاسلام سے نکال دیا جائے، اور بعض کے نزدیک یہ ہے کہ جس مقام پر ڈاکہ ڈالا ہے وہاں سے نکال دیا جائے، حضرت قاروق اعظم نے اس قسم کے معاملات میں یہ فیصلہ فرمایا کہ اگر مجرم کو یہاں سے نکال کر دوسرے شہروں میں آزاد چھوڑ دیا جائے تو وہاں کے لوگوں کو ستائے گا اس لیے ایسے مجرم کو

قید خانہ میں بند کر دیا جائے۔ یہی اس کا زمین سے نکالنا ہے۔ زمین میں کہیں چل پھرنے سے منع نہیں ملتا۔ امام اعظم رحمہ اللہ نے بھی یہی اختیار فرمایا ہے، یعنی جیل بھیج دیا جائے گا۔

ڈاکوؤں کی طرف سے عصمت درمی کا حکم:

یہ سوال کہ اس طرح کے مسلح حملوں میں آج کل عام طور پر صرف مال کی لوٹ کھسوٹ یا قتل و خوں ریزی پر استثناء نہیں ہوتا، بلکہ اکثر عورتوں کی عصمت درمی اور انہما وغیرہ کے واقعات بھی پیش آتے ہیں اور قرآن مجید کا جملہ "وَسَعَوْا فِي دَارِهِمْ مَقَاتِلًا" نام جرم و شتم جیسا ہے تو وہ اس سزا سے مستحق ہوں گے، اس میں ظاہر یہی ہے کہ امام و افتیاء کا یہ حکم ان چاروں سزاؤں میں سے جو ان کے منہ سبب حال دیکھے وہ جاری کرے اور بدکاری کا شرعی ثبوت بہم پہنچے تو حدزنا جاری کرے۔

اسی طرح اگر صورت یہ ہو کہ کسی کو قتل کیا نہ مال لوٹا، مگر پچھلوگوں کو زخمی کر دیا، تو زخموں کے قصاص کا قانون نافذ کیا جائے گا۔ تفسیر مظہری

ت میں فرمایا یعنی یہ سزائے شرعی جو دنیا میں ان پر جاری کی گئی ہے یہ تو دنیا کی رسوائی ہے اور سزا کا ایک نمونہ ہے اور آخرت کی سزا اس سے بھی سخت اور دیر پا ہے اس سے معلوم ہوا کہ دنیاوی سزاؤں حدود و قصاص یا تعزیرات سے بغیر تو بہ کے آخرت کی سزا معاف نہیں ہوتی، ہاں سزا یافتہ شخص دل سے توبہ کر لے تو آخرت کی سزا معاف ہو جائے گی۔

دوسری آیت میں ایک استثناء ذکر کیا گیا ہے وہ یہ ہے کہ ڈاکو اور باغی اگر حکومت کے گھیرے میں آئے اور ان پر قابو ہانے سے پہلے پہلے جب کہ ان کی قوت و طاقت بحال ہے، اس حالت میں اگر توبہ کر کے رہزنی سے خود ہی باز آجائیں تو ڈاکہ کی یہ حد شرعی ان سے ساقط ہو جائے گی، یہ استثناء عام قانون حدود سے مختلف ہے کیونکہ دوسرے جرائم چوری، زنا وغیرہ میں جرم کرنے اور قاضی کی عدالت میں جرم ثابت ہونے کے بعد اگر مجرم سچے دل سے توبہ بھی کرے تو گواہ اس توبہ سے آخرت کی سزا معاف ہو جائے گی مگر دنیا میں حد شرعی معاف نہ ہوگی، جیسا کہ چند آیتوں کے بعد چوری کی سزا کے تحت میں اس کا تفصیلی بیان آئے گا۔

حکمت اس استثناء کی یہ ہے کہ ایک طرف ڈاکوؤں کی سزا میں یہ شدت اختیار کی گئی ہے کہ پوری جماعت میں کسی ایک سے بھی جرم کا صدور ہو تو سزا پوری جماعت کو دی جاتی ہے، اس لیے دوسری

طرف اس استثناء کے ذریعہ معاملہ کو ہلکا کر دیا گیا کہ توبہ کر لیں تو سزائے دنیا بھی معاف ہو جائے گی۔
اسے وہ اس میں ایک سیاسی مصلحت بھی ہے کہ ایک طاقتور جماعت پر ہر وقت قابو پانا آسان نہیں ہوتا۔ اس لیے ان کے واسطے ترغیب کا دروازہ کھلا رکھا گیا کہ وہ توبہ کی طرف مائل ہو جائیں۔

نیز اس میں یہ بھی مصلحت ہے کہ قتل نفس ایک انتہائی سزا ہے، اس میں قانون اسلحہ کار خیز ہے۔ اس کا وقوع ہم سے کم ہو اور ڈاکہ کی صورت میں ایک جماعت کا قتل لازم آتا ہے اس لیے ترجیحی پہلو سے ان کو اصلاح کی دعوت بھی ساتھ ساتھ جاری رکھی گئی۔

ڈاکہ سے توبہ کا واقعہ:

اس کا یہ اثر تھا کہ علیٰ سدی جو مدینہ طیبہ کے قرب میں ایک جتھہ جمع کر کے آنے جانے والوں پر ڈاکہ اٹاتا تھا، ایک روز قافلہ میں کسی قاری کی زبان سے یہ آیت اس کے کان میں پڑ گئی

﴿بَعْدَ دِيْنٍ نَذِيْرٍ سِرْهُوَ عَلٰی اَنْفُسِهِمْ لَا تَقْطُوْا مِنْ رَّحْمَةِ اللّٰهِ﴾

قاری کے پاس پہنچے اور دوبارہ پڑھنے کی درخواست کی دوسری مرتبہ آیت سنتے ہی اپنی تلوار میان میں داخل کی اور ہزنی سے توبہ کر کے مدینہ طیبہ پہنچے اس وقت مدینہ پر مروان بن حکم حاکم تھے، حضرت ابو ہریرہ ان کا ہاتھ پکڑ کر امیر مدینہ کے پاس لے گئے اور قرآن کی آیت مذکور پڑھ کر فرمایا کہ آپ اس کو کوئی سزا نہیں دے سکتے۔

حکومت بھی ان کے فساد و ہزنی سے عاجز ہو رہی تھی سب کو خوشی ہوئی۔

اسی طرح حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے زمانہ میں حارثہ بن بدر بغاوت کر کے نکل گیا اور قتل و غارت گری کو پیشہ بنالیا، مگر پھر اللہ تعالیٰ نے توفیق دی اور توبہ کر کے واپس آ گیا، تو حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے اس پر حد شرعی جاری نہیں فرمائی۔

حقوق العباد ادا کرنا لازم ہیں:

یہاں یہ بات قابل یادداشت ہے کہ حد شرعی کے معاف ہو جانے سے یہ لازم نہیں آتا کہ حقوق العباد جن کو اس نے ضائع کیا ہے وہ بھی معاف ہو جائیں گے بلکہ اگر کسی کا مال لیا ہے اور وہ موجود ہے تو اس کا واپس کرنا ضروری ہے اور کسی کو قتل کیا ہے یا زخمی کیا ہے تو اس کا قصاص اس پر لازم ہے، البتہ چونکہ قصاص حق العبد ہے تو اولیاء مقتول یا صاحب حق کے معاف کرنے سے معاف ہو جائے گا اور جب کوئی مالی نقصان کسی کو پہنچایا ہے اس کا ضمان ادا کرنا یا اس سے معاف

کرنا لازم ہے، امام اعظم رحمہ اللہ اور جمہور فقہاء کا یہی مسلک ہے، اور اگر غور کیا جائے تو یہ بات یوں بھی ظاہر ہے کہ حقوق العباد سے خلاصی حاصل کرنا خود توبہ کا ایک جزء ہے بدون اس کے توبہ ہی مکمل نہیں ہوتی، اس لیے کسی ڈاکو کو تائب اسی وقت مانا جائے گا، جب وہ حقوق العباد کو ادا یا معاف کرائے۔ (ماخوذ از معارف القرآن: ۱۱۹/۳)

وروي البخاري عن انس بن مالك ، ان رهطا من عربة قدموا المدينة فاسلموا ، فاحتووا المدينة اي استوحموها لانها لم توافق مزاجهم فامرهم صلى الله عليه وسلم ان يخرجوا إلى ابل الصدقة اي الزكاة فيشربوا من ابوالها والبانها ، ففعلوا ، فلما صحوا ، قتلوا الرعاة واستاقوا النعم - اي الابل - فبعث رسول الله صلى الله عليه وسلم فأتى بهم ، فقطع أيديهم وارجلهم ، وثمل اعينهم - اي قلعها ثم القوا في الحرة يستسقون فلا يسقون ، حتى ماتوا ، وفيهم نزل آية الجزاء وهذا . (أخرجه البخاري في كتاب المحاريب : ۱۷۵/۴)

امام بخاری رحمہ اللہ نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے واقعہ نقل فرمایا ہے کہ قبیلہ عرینہ کے ایک وفد نے مدینہ الرسول ﷺ حاضر ہو کر اسلام قبول کیا لیکن ان کو مدینہ کی آب و ہوا موافق نہیں آئی، ان کے پیٹ پھول گئے تو آپ ﷺ نے ان کو حکم فرمایا کہ مدینہ کے باہر جہاں صدقات کے اونٹ چرتے ہیں وہاں جا کر قیام کریں اور ان اونٹوں کے دودھ اور پیشاب استعمال کریں، انہوں نے ایسا ہی کیا جب وہ تندرست ہو گئے تو انہوں نے یہ حرکت کی کہ چرواہے کو قتل کر کے اونٹ ہٹا کر لے گئے، رسول اللہ ﷺ کو خبر ہونے کے بعد گرفتاری کے لیے قافلہ روانہ فرمایا وہ جا کر ان مرتدوں کو گرفتار کر کے لے آئے، تو رسول اللہ ﷺ نے ان کے جرم پر یہ سزا نافذ فرمائی کہ ان کے ہاتھ پاؤں کاٹ دیئے گئے اور ان کی آنکھیں نکال لی گئیں، پھر ان کو حرہ (یعنی گرم پتھروں) پر ڈال دیا گیا، وہ پانی مانگتے رہے لیکن ان کو پانی نہیں دیا گیا، یہاں تک کہ وہیں تڑپ تڑپ کر مر گئے، انہی کے بارے میں یہ آیت سزا نازل ہوئی۔ (بخاری)

چوری کی سزا:

چوری کرنا یہ بھی عظیم گناہ ہے، چنانچہ اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ کو حکم دیا کہ جب خواتین

ایمان پر بیعت کے لیے حاضر ہوا کریں جن عظیم گناہوں سے بچنے کا عہد لینا ہے ان میں سے ایک "لایسرقن" کہ وہ چوری نہیں کریں گی۔

اسی طرح رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے:

حضرت میمونہ بنت سہر رضی اللہ عنہا نے سوال کیا "یا رسول اللہ (ﷺ) ہمیں چوری کا حکم بتائیں تو آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جس شخص نے یہ جانتے ہوئے کہ یہ چوری کا مال ہے اسے کھایا بلاشبہ وہ اس کی چوری کے گناہ میں شریک ہو گیا۔ (جمع الفوائد)

چوری کرنے سے حقوق اللہ تلف ہوتے ہیں، اس سے معاشرہ کا امن تباہ ہوتا ہے، فساد پھیلتا ہے اس لیے شریعت مطہرہ نے اس پر دنیوی سزا بھی مقرر فرمایا، جسے اصطلاح میں حد سرقہ کہا جاتا ہے، جسے قرآن کریم نے ان الفاظ میں بیان فرمایا:

فوله تعالى: ﴿وَالسَّارِقُ وَالسَّارِقَةُ فَاقْطَعُوا أَيْدِيَهُمَا جِزَاءً بِمَا

كَسَبَا نَكَالًا مِنَ اللَّهِ وَاللَّهُ عَزِيزٌ حَكِيمٌ﴾ (سورة المائدة: ٢٨)

حضرت مفتی محمد شفیع رحمہ اللہ نے اس آیت کی تفسیر کرتے ہوئے تحریر فرمایا کہ "چوری کرنے والا مرد اور چوری کرنے والی عورت کے ہاتھ کاٹ دو ان کے کردار کے بدلہ میں اور اللہ زبردست حکمت والا ہے۔"

یہاں یہ بات قابل غور ہے کہ قرآنی احکام میں خطاب عام طور پر مردوں کو ہوتا ہے اور عورتیں بھی اس میں سبعا شامل ہوتی ہیں، نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ اور جملہ احکام میں قرآن و سنت کا یہی اصول ہے، لیکن چوری کی سزا اور زنا کی سزا میں صرف مردوں کے ذکر پر اکتفاء نہیں فرمایا، بلکہ دونوں صنفوں کو الگ الگ کر کے حکم دیا۔

اس کی وجہ یہ ہے کہ معاملہ حدود کا ہے جن میں ذرا سا بھی شبہ پڑ جائے تو ساقط ہو جاتی ہیں، اس لیے عورتوں کے لیے ضمنی خطاب پر کفایت نہیں فرمائی، بلکہ تصریح کے ساتھ ذکر فرمایا۔

دوسری بات اس جگہ قابل غور یہ ہے کہ لفظ سرقہ کا نحوی مفہوم اور شرعی تعریف کیا ہے؟

سرقہ کی شرعی تعریف:

قاموس میں ہے کہ کوئی شخص کسی دوسرے کا مال کسی محفوظ جگہ سے بغیر اس کی اجازت کے چھپ کر لے لے، اس کو سرقہ کہتے ہیں، یہی اس کی شرعی تعریف ہے اور اس تعریف کی رو سے

سرقہ ثابت ہونے سے یہ چیزیں نہ وری ہوئیں

سرقہ کے احکام:

۱. اول یہ کہ وہ مال کسی فرد یا امتداد ذاتی ملکیت ہو، چاہے وہ مال اس میں نہ ملکیت ہو نہ ملکیت کا شبہ ہو اور نہ ہی چیزیں وہ جس میں عوام کے حقوق مساوی ہیں، جیسے روہ عام کے ادارے اور ان کی تیار کیا ہوئی چیزیں، اس سے معلوم ہوا کہ اگر کسی شخص نے کوئی ایسی چیز جس میں اس کی ملکیت یا ملکیت کا شبہ ہے یا جس میں عوام کے حقوق مساوی ہیں تو حد سرقہ اس پر جاری نہ کی جائے گی، حاکم اپنی صوابدید کے موافق تعزیری سزا جاری کر سکتا ہے۔

۲. دوسری چیز تعریف سرقہ میں مال محفوظ ہوتا ہے، یعنی مقفل مکان کے ذریعہ یا کسی نگر چوکیدار کے ذریعہ محفوظ ہونا، جو مال کسی محفوظ جگہ میں نہ ہو اس کو کوئی شخص اٹھا لے تو وہ بھی حد سرقہ کا مستوجب نہیں ہوگا اور مال کے محفوظ ہونے میں شبہ بھی ہو جائے تو بھی حد ساقط ہو جائے گی، گناہ اور تعزیری سزا کا معاملہ جدا ہے۔

۳. تیسری شرط بلا اجازت ہونا ہے، جس مال کے لینے یا اٹھا کر استعمال کرنے کی کسی کو اجازت دے رکھی ہو، وہ اس کو بالکل لے جائے تو حد سرقہ عائد نہیں ہوگی اور اجازت کا شبہ بھی پیدا ہو جائے تو حد ساقط ہو جائے گی۔

سرقہ اور ڈاکہ میں فرق:

۴. چوتھی شرط چھپا کر لینا ہے، کیونکہ دوسرے کا مال علانیہ لوٹا جائے تو وہ سرقہ نہیں بلکہ ڈاکہ ہے، جس کی سزا پہلے بیان ہو چکی ہے، غرض خفیہ نہ ہو تو حد سرقہ اس پر جاری نہ ہوں۔
ان تمام شرائط کی تفصیل سننے سے آپ یہ معلوم کیا کہ عرف میں اس کی چوری کہا جاتا ہے وہ ایک عام اور وسیع منہمک ہے، اس سے متعارف ہونے پر حد سرقہ شریعت ہائے اسلامیہ عائد نہیں ہے، بلکہ چوری کی صرف اس صورت پر یہ حد شرعی جاری ہوگی جس میں یہ تمام شرائط موجود ہوں۔

چوری پر تعزیر:

اس کے ساتھ ہی یہ بھی آپ معلوم کر چکے ہیں کہ جن صورتوں میں چوری کی حد شرعی ساقط ہو جاتی ہے، تو یہ لازم نہیں ہے کہ مجرم کو کھلی چھٹی مل جائے، بلکہ حاکم وقت اپنی صوابدید کے مطابق

اس کو تعزیری سزا دے سکتا ہے، خود سزا دینے کی سزا بھی نہ ملتی ہے۔

یہ طرح یہ بھی نہ سمجھا جائے کہ جن صورتوں میں سرقہ کی کوئی شرط فقہاء ہونے کی وجہ سے حد شرعی جاری نہ ہو تو وہ شرعاً جائز و حلال ہے، کیونکہ اوپر بتایا جا چکا ہے کہ یہاں گناہ اور عذاب آخرت کا ذکر نہیں، نبوی سزا، روہ بھی خاص قسم کی سزا کا ذکر ہے، یہ کسی شخص کا مال بغیر اس کی خوش دلی کے کسی طرح بھی لے لیا جائے تو وہ حرام اور عذاب آخرت کا موجب ہے، جیسا کہ آیت قرآن کریم ﴿لَا تَكُونُوا كَالَّذِينَ هُمْ يَكْتُمُونَ مَا بَيْنَ أَيْدِيهِمْ وَبَيْنَ أَرْجُلِهِمْ لَعْنَةُ اللَّهِ عَلَى الَّذِينَ هُمْ يَكْتُمُونَ﴾ میں ان کی تصریح موجود ہے۔

یہاں یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ چوری میں جو الفاظ قرآن کریم کے آتے ہیں وہی سزا کی سزا میں ہیں، مگر چوری کے معاملہ میں مرد کا ذکر پہلے عورت کا بعد میں ہے اور سزا میں اس کے برعکس عورت کا ذکر پہلے کیا گیا، چوری کی سزا میں ارشاد ہے ﴿سَبْعُونَ سَلْفًا أَوْ سَبْعُونَ أُسْرًا﴾ اور سزا کی سزا میں فرمایا ہے ﴿الرَّابِعَةُ وَالْاِسْمِ﴾ اس عکس کی حکمتیں حضرات مفسرین نے کئی لکھی ہیں، ان میں زیادہ دل کو لگنے والی بات یہ ہے کہ چوری کا جرم مرد کے لیے بہ نسبت عورت کے زیادہ شدید ہے، کیونکہ اس کو اللہ تعالیٰ نے کسب معاش کی وہ قوت بخشی ہے جو عورت کو حاصل نہیں، اس پر کسب معاش کے اتنے دروازے کھلے ہونے کے باوجود چوری کے ذلیل جرم میں مبتلا ہو، یہ اس کے جرم کو بڑھا دیتا ہے اور سزا کے معاملہ میں عورت کو حق تعالیٰ طبعی حیاد شرم کے ساتھ ایسا ماحول بخشا ہے کہ ان سب چیزوں کے ہوتے ہوئے اس بے حیائی پر اترنا اس کے لیے نہایت شدید جرم ہے، اس لیے چوری میں مرد کا ذکر مقدم ہے اور سزا میں عورت کا۔

آیت مذکورہ کے الفاظ میں چوری کی شرعی سزا بیان کرنے کے بعد دو جملے ارشاد فرمائے ہیں ایک ﴿زُحْرًا سَمًا كَسَا﴾ یعنی سزا بدنامی ہے ان کی بدکرداری کا، دوسرا جملہ فرمایا ﴿سَكَا﴾ اس سے اس میں دو لفظ ہیں نکال اور من اللہ، لفظ نکال کے معنی حرابی لغت میں ایسی سزائے ہیں جس کو دیکھ کر دوسروں کو بھی سبق ملے اور اقدام جرم سے باز آجائیں، اس لیے نکال کا ترجمہ ہمارے محاورہ کے موافق عبرت خیز سزا کا ہو گیا، اس میں اشارہ ہے کہ ہاتھ کاٹنے کی سخت سزا خاص حکمت پر مبنی ہے کہ ایک پر سزا جاری ہو جائے تو سب کے سب کانپ اٹھیں اور اس جرم قبیح کا انسداد ہو جائے، دوسرا لفظ من اللہ کا بڑھا کر ایک اہم مضمون کی طرف اشارہ فرمایا جو یہ ہے کہ چوری کے جرم کی دو حیثیتیں ہیں، ایک یہ کہ اس نے کسی دوسرے انسان کا مال بغیر حق کے لے لیا، جس سے اس پر ظلم

ہوا، دوسرا یہ کہ اس نے اللہ تعالیٰ کے حکم کی خلاف ورزی کی پہلی حیثیت سے یہ سزا مظلوم کا حق ہے اور اس کا مقتضی یہ ہے کہ جس کا حق ہے اگر وہ سزا کو معاف کر دے تو معاف ہو جائے گی جیسا قصاص کے تمام مسائل میں یہی معمول ہے، دوسری حیثیت سے یہ سزا حق اللہ کی خلاف ورزی کرنے کی ہے اس کا مقتضی یہ ہے کہ جس شخص کی چوری کی ہے اگر وہ معاف بھی کر دے تو بھی معاف نہ ہو، جب تک خود اللہ تعالیٰ معاف نہ فرمادیں، جس کو اصطلاح شرع میں حد یا حدود کہا جاتا ہے، لفظ من اللہ سے اس دوسری حیثیت کو متعین کر کے اس طرف اشارہ فرمادیا کہ یہ سزا حد ہے قصاص نہیں ہے، یعنی سرکاری جرم کی حیثیت سے یہ سزا دی گئی ہے، اس لیے جس کی چوری کی ہے اس کے معاف کرنے سے بھی سزا ساقط نہیں ہوگی۔

آخر آیت میں ﴿وَاللّٰهُ عَزِيزٌ حَكِيمٌ﴾ فرما کر اس شبہ کا جواب دیدیا جو آج کل عام طور پر زبان زد ہے کہ یہ سزا بڑی سخت ہے اور بعض گستاخ یا نادان واقف تو یوں کہنے سے بھی نہیں جھکتے کہ یہ سزا وحشیانہ ہے، نعوذ باللہ منہ، اشارہ اس کی طرف فرمایا کہ اس سخت سزا کی تجویز محض اللہ تعالیٰ کے قوی اور زبردست ہونے کا نتیجہ نہیں، بلکہ ان کے حکیم ہونے پر بھی مبنی ہے جن شرعی سزاؤں کو آج کل کے عقلاء یورپ سخت اور وحشیانہ کہتے ہیں ان کی حکمت اور ضرورت اور فوائد کی بحث انہی آیات کی تفسیر کے بعد مفصل آئے گی۔

دوسری آیت میں ارشاد فرمایا:

﴿فَمَنْ تَابَ مِنْ بَعْدِ ظُلْمِهِ وَاصْلَحَ فَإِنَّ اللّٰهَ يَتُوبُ عَلَيْهِ إِنَّ اللّٰهَ

غَفُورٌ رَّحِيمٌ﴾

یعنی جو شخص اپنی بدکرداری اور چوری سے باز آ گیا اور اپنے عمل کی اصلاح کر لی تو اللہ تعالیٰ اس کو معاف فرمادیں گے کیونکہ اللہ بہت بخشنے والا اور مہربان ہے۔

معافی میں بنیادی فرق:

ڈاکہ زنی کی شرعی سزا جس کا بیان چند آیات پہلے آیا ہے اس میں بھی معافی کا ذکر ہے اور چوری کی سزا کے بعد بھی معافی کا ذکر ہے، لیکن دونوں جگہ کی معافی کے بیان میں ایک خاص فرق ہے اور اسی فرق کی بناء پر دونوں سزاؤں میں معافی کا مفہوم فقہاء کے نزدیک مختلف ہے ڈاکہ زنی کی سزا میں تو حق تعالیٰ نے بطور استثناء کے ذکر فرمایا۔

﴿إِلَّا الَّذِينَ تَابُوا مِنْ قَبْلِ أَنْ تَقْدُرُوا عَلَيْهِمْ﴾

جس کا حاصل یہ ہے کہ ڈاکہ زنی کی جو شرعی سزا آیت میں مذکور ہے، اس سے یہ صورت مستثنیٰ ہے کہ ڈاکوؤں پر حکومت کا قابو چٹنے اور گرفتار ہونے سے پہلے جو توبہ کرے اس کو یہ سزائے شرعی معاف کر دی جائے گی اور چوری کی سزا کے بعد جو معافی کا ذکر ہے اس میں اس سزائے دنیوی سے استثناء نہیں، بلکہ آخرت کے اعتبار سے ان کی توبہ مقبول ہونے کا بیان ہے، جس کی طرف ﴿مَنْ تَابَ إِلَى اللَّهِ بِتَوْبَةٍ عَلَيْهِ﴾ میں اشارہ موجود ہے کہ حکام وقت اس توبہ کی وجہ سے شرعی سزا نہ چھوڑیں گے، بلکہ اللہ تعالیٰ ان کے جرم کو معاف فرما کر آخرت کی سزا سے نجات دیں گے، اسی لیے حضرات فقہاء تقریباً اس پر متفق ہیں کہ ڈاکو اگر گرفتار ہونے سے پہلے توبہ کر لیں تو ڈاکہ کی شرعی سزا ان پر جاری نہ ہوگی، مگر چور اگر چوری کرنے کے بعد خواہ گرفتاری سے پہلے یا بعد میں چوری سے توبہ کر لے تو حد سرقہ جو دنیوی سزا ہے وہ معاف نہ ہوگی، گناہ کی معافی ہو کر آخرت کے عذاب سے نجات پا جانا اس کے منافی نہیں۔ (ماخوذ از معارف القرآن : ۱۲۹/۳)

نصاب سرقہ:

فقہاء احناف نے کہا ہے کہ مال کی وہ مقدار جس کے چرانے سے چور کا ہاتھ کاٹا جائے گا، وہ دس درہم چاندی یا ایک دینار سونا ہے۔

دس درہم ۳۰۴۰۳، ایک دینار ۸۶۰۸۶ گرام سونا

اگر کوئی بد بخت چور اتنا یا اس سے زائد قیمت کی کوئی چیز چرائے، گرفتار ہونے پر جرم ثابت ہونے کی صورت میں اس کا ہاتھ کاٹا جائے گا۔

ولا قامة الحد على السارق شرائط منها أن يكون المسروق

ذا قدر وقيمة . وقد اعتره الفقهاء بما قيمته دينار ، اور عشرة دراهم ،

وما دون ذلك تافه وحقير ، فقد روي عن عائشة رضي الله عنها انها

قالت : لم تكن يد السارق تقطع على عهد رسول الله صلى الله عليه

وسلم في الشيء التافه .

(أخرجه ابن أبي شيبة واطظر نصب الراية : ۳/۳۶۱)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کے زمانہ میں معمولی چیز چرانے پر

باتھ کانٹے کی سزائیں دی جاتی تھیں، (اگرچہ وہ بھی بڑا گناہ ہے)

وَرَوَى سَحَرِي عَنْ عَائِشَةَ أَنَّهَا قَالَتْ: لَمْ تَكُنْ تَقْطَعُ بِدِ السَّارِقِ
عَلَى عَهْدِ رَسُولِ اللَّهِ إِلَّا فِي ثَمَنٍ مِجَنٍّ جُحْفَةٍ أَوْ نَرَسٍ. كُلُّ وَاحِدٍ
مِهِمَا دُوْ ثَمَنٍ. (أَحْرَجَهُ الْبُخَارِيُّ: ۱۷۳/۴)

وَقَالَ الْعَلَامَةُ الْمَرْغِينَانِيُّ رَحِمَهُ اللَّهُ: وَإِنْ سُرِقَ الْعَاقِلُ السَّالِعُ
عَشْرَةَ دِرَاهِمٍ أَوْ مِ بِيْنَعٍ فِيمَتِهِ عَشْرَةُ دِرَاهِمٍ مَقْصُورٍ. (۵۴۴: ۲)
فِيهِ وَجِبَ عَلَيْهِ الْقَطْعُ. (هَدَايَةُ: ۵۴۴: ۲)

صاحب ہدایہ علامہ مرغینانی رحمہ اللہ نے فرمایا کہ جب عاقل، بالغ شخص دس درہم یا اس کی
قیمت کی کوئی چیز محفوظ جگہ سے چرائے اس پر باتھ کانٹے کی سزا نافذ ہوگی۔

شراب نوشی کی سزا:

اللہ تعالیٰ کی عظمت کا قائل ہو کر توحید و رسالت کا اقرار کرتے ہوئے مکمل احکام شریعت کی
پابندی کرنا یہ شرعاً مطلوب ہے اور اللہ تعالیٰ کا ہر بندہ اس کا مطالبہ ہے، اس کے لیے عقل
ہوش و حواس کا قائم رہنا نہایت ضروری ہے، اس لیے اللہ تعالیٰ نے ایسی چیزوں کے استعمال کو حرام
قرار دیا ہے جو عقل انسانی کو زائل کر دے، جیسے شراب، بھنگ، چرس وغیرہ اور ارشاد فرمایا:
”کل مسکر حرام۔“

یعنی ہر نشہ آور چیز کا استعمال حرام ہے۔

اسی طرح شراب نوشی پر خاص وعیدیں بھی بکثرت احادیث میں وارد ہوئی ہیں۔

كَقَوْلِهِ عَلَيْهِ السَّلَامُ: مَنْ شَرِبَ الْخَمْرَ فِي الدُّبَا فَمَاتَ وَهُوَ يَدُ

مَسْهَالٍ لَمْ يَتَبَّ لَمْ يَشْرَبْهَا فِي الْآخِرَةِ. رَوَاهُ مُسْلِمٌ (مَشْكُوتٌ ۳۱۷/۲۰)

یعنی جو شخص دنیا میں شراب پئے گا اس کو آخرت کی (پاکیزہ) شراب سے محروم کر دیا جائے گا۔

(مسلم)

وَقَوْلُهُ عَلَيْهِ السَّلَامُ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ثَلَاثَةٌ قَدْ

حَرَّمَ اللَّهُ عَلَيْهِمُ الْجَنَّةَ مَدَّ مِنَ الْخَمْرِ، وَالْعَاقُ، وَالذَّيْوُثُ الَّذِي يَقْرُ

السَّوَاءَ عَلَى أَهْلِهِ.

یعنی رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے تین قسم کے لوگوں پر جنت و جہنم فرمایا ہے

- (۱) شراب کا عادی (۲) والدین کی نافرمانی کرنے والا
 - (۳) یوٹ یعنی وہ شخص جو اپنے گھر والوں (ماں، باپ، بیٹی، بیوی وغیرہ) کو دوسرے غیر مرد کے ساتھ بری حالت میں دیکھنے اور برداشت کر جائے۔ (مسند احمد و نسائی)
- شراب نوشی پر اخروی سزا کے علاوہ دنیا میں بھی حد جاری ہوتی ہے۔
- جو شخص شراب پیتا ہوا پکڑا جائے اور اس وقت بھی اس کے منہ میں شراب کی بوس وجود ہے، اب وہ نوشی کا اقرار کرے یا نہ کرے اس پر گواہی دیں اس پر حد لگائی جائیگی اسی کوڑے۔
- فان علامة السكر عباسي رحمه الله ومن سرب الخمر فاحد
وريحها موجوده أو جاؤا به سكران فشهد الشهود عليه بدلت فعليه
الحد ، وكذلك إذا اقر وريحها موجوده .

(هداية شرح الهداية : ۵۱۵/۲)

وفي الموطأ : أن الدي أشار على عمر بن الخطاب أن يشرب الخمر
فجده هو على بن أبي طالب فقد روي مالك بسنده عن ثور الدبلي ،
أن عمر بن خطاب استشار في الخمر يشربها الرجل .
فقال له علي رضي الله عنه : بئس ما فعلت عمر بن الخطاب ، فإنه إذا
شرب سكر ، وإذا سكر هدى ، أي حلط في كلامه كالمجنون ، وإذا
هدى افتري . أي كذب وقذف فجلد عمر في الخمر ثمانين .

(أخرجه مالك في الموطأ . ۴۲/۲ في كتاب الاشرية)

موطا امام مالک میں ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کو مشورہ دیا کہ شراب نوشی کی سزا میں اسی کوڑے مارے جائیں کیونکہ جو شخص شراب پئے گا، ضرور ہڈیاں سکے گا اور اس میں کسی پر جھوٹی تہمت بھی رکھے گا اور حد قذف کی مقدار اسی کوڑے ہیں، چنانچہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے شراب نوشی پر اسی کوڑے مارے، یہی شرعی قانون بن گیا۔

قال في ملتقى الابحر : ومن شرب خمرأ ولو فطرة واحدة فاحد

وريحها موجود في فمه أو حتى به سكران ، ولو من نيد ونحوه من
المسكرات ، وشهد بذلك رجلان ، أو اقر - أي اعتراف - به
المسكران ، حد إذا صحا ثمانين سوطا للحر ، وأربعين للعبد ، مفرقا
على بدنه . (ملتقى الأبحر للحلي : ۱/ ۳۳۹)

کتاب متفرقات

اپریل فول (یکم اپریل کو دھوکہ دینی کرنا) کا حکم:

یہ نصاریٰ کا طریقہ ہے، اسلامی طریقہ نہیں ہے، جھوٹ بولنا حرام ہے، حدیث شریف میں

ہے

وبل للذي يحدث فيكذب يضحك به القوم ويل له ويل له .

(ابو داؤد : ۲/ ۲۳۳)

اس آدمی کے لیے ہلاکت ہے جو لوگوں کو ہنسانے کے لیے جھوٹ بولتا ہے اور حدیث میں

ہے

لا يؤمن العبد الايمان كله حتى يترك الكذب في المراحة

والمراء وإن كان صادقا . (مسند احمد)

کوئی بندہ پورے پورے ایمان کا حامل نہیں ہوگا جب تک وہ جھوٹ کو بالکل ترک نہ کر دے،
خواہ ہنسی مذاق میں ہو خواہ لڑائی جھگڑے میں (خواہ صرف انداز جھوٹ کا ہو اگر واقع میں سچ ہو)
اس کے علاوہ حقیقت یہ ہے کہ جھوٹ بولنا بڑی خیانت ہے کیونکہ آدمی اللہ اور لوگوں کا امین ہے اس
کو سچ ہی بولنا چاہیے، جھوٹ بولنا امانت کے منافی ہے، حدیث میں ہے:

كبرت حياتك ان تحدث اخاك حديثا هو لك مصدق وانت له

كاذب . (ابو داؤد شریف)

یہ بہت بڑی خیانت ہے کہ تم اپنے بھائی سے کوئی بات اس طرح کہو کہ وہ تمہیں سچا جان رہا ہو

حالانکہ تم جھوٹ بول رہے ہو۔ (ماخوذ از فتاویٰ رحیمہ : ۲/ ۳۵۱)

اس جھوٹ کی وجہ سے دوسروں کا بڑا نقصان بھی ہوتا ہے، ان کو ایذا اور تکلیف پہنچتی ہے جبکہ

رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے: ”کامل مسلمان وہی ہے جس کے ہاتھ اور زبان کی ایذا رسانی سے دوسرے مسلمان محفوظ رہے۔“ لہذا اپریل فول کے نام بھی جھوٹ بولنا حرام اس سے اجتناب کرنا ہر مسلمان پر لازم ہے۔

جائگہ پہننے کا مسئلہ:

مرد کا ستر (جس کا چھپانا ضروری ہے) ناف سے گھٹنے تک ہے، نماز اور خارج نماز ناف سے گھٹنے تک بدن چھپانا ضروری و فرض ہے، اس میں سے کوئی بھی حصہ عذر شرعی کے بغیر کھلا رکھنا جائز نہیں ہے، موجب گناہ ہے (البتہ گھٹنے اور شرمگاہ کے کشف کا گناہ برابر نہیں ہے) ستر کے متعلق قرآن شریف میں ہے:

﴿يَا بَنِي آدَمَ قَدْ أَنْزَلْنَا عَلَيْكَ لِبَاسًا يُوَارِي سَوْآتِكَم وَرِيشًا﴾

(سورة الأعراف: ۲۶)

یعنی اے اولادِ آدم! ہم نے تمہارے لیے لباس بتایا ہے جو تمہارے ستر کو چھپاتا ہے اور باعثِ عزت بھی ہے۔

اس کی تفصیل حدیث شریف اور کتب فقہ کے حوالہ سے پہلے کتاب اللباس میں گزر چکی ہے، آنحضرت ﷺ کا ارشاد ہے، مرد کا ستر ناف سے گھٹنے تک ہے۔ دوسری حدیث میں ہے:

الرکبة من العورة .

گھٹنا بھی داخل ستر ہے۔

ہدایہ میں ہے کہ مرد کا ستر ناف سے گھٹنے تک ہے اور گھٹنا ستر میں داخل ہے۔ (یعنی گھٹنا چھپانا بھی ضروری ہے) (۱/۴۶) ایسا جائگہ (نصف پا جامہ) پہننے کی شرعاً اجازت نہیں ہے جس میں گھٹنے کھلے رہیں۔

آپ کی سہولت اور مزید اطمینان کے لیے ہند کے مفتی اعظم حضرت مولانا محمد کفایت اللہ صاحب رحمہ اللہ کی مشہور کتاب ”تعلیم الاسلام“ کی عبارت یہاں نقل کی جاتی ہے:

سوال: ستر چھپانے سے کیا مراد ہے؟

جواب: مرد کو ناف سے گھٹنے تک اپنا بدن چھپانا فرض ہے ایسا فرض ہے کہ نماز کے اندر بھی

فرض ہے اور نماز کے باہر بھی فرض ہے۔ (۳/۴۰)

خطرناک مرض:

جائگہ پہنچنا ناجائز ہونا مردوں کے لیے بیان ہوا، بچوں کی عمر سات سال ہو جانے کے بعد ان کے لیے بھی ستر کو چھپانا ضروری ہے، بعد بعض فقہاء سے چار سال کا قول بھی منقول ہے۔ اس دور میں اس مسئلہ پر بہت غفلت پائی جا رہی ہے، مردوں اور بچوں کا رونا تو رو ہی رہے تھے، لیکن افسوس صد افسوس مسلمان بچیاں بھی اس مرض میں مبتلا ہو گئیں ہیں، نیم مریاں لباس، آدھے آستین کی قمیص، چڈی میں بازوؤں اور پاروں میں نکل جاتی ہیں، والدین اس بے غیرتی کو ایسے برداشت کرتے ہیں؟ ہائے ہائے! ایک تو مسلمانوں کا وہ دور تھا کوئی غیر مرد کسی کی ماں بہن کی طرف غلط نگاہ اٹھا کر دیکھے تو اس پر خون کی ندیاں بہہ جاتی تھیں، اب بی بی ماں باپ، بھائی، چچا، اپنے گھر کی خواتین کو لے کر حسن کی نمائش کے لیے ہوٹلوں اور پارکوں میں گھوم رہے ہیں۔

وائے ناکامی متاع کارواں جاتا رہا

کارواں کے دل سے احساس زیاں جاتا رہا

وباء زدہ آبادی کو چھوڑنے کا حکم:

وبائی اور طاعونی جگہ سے اس خیال سے اور ایسے عقیدہ سے بھاگنا کہ بیماری اور موت سے ہم بچ جائیں گے ورنہ بیماری میں پھنس کر مر جائیں گے ناجائز اور سخت گناہ کا کام ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿الْم تَر إِلَىٰ السِّدِّيسِ حَرَجُوا مِنْ دِيَارِهِمْ وَهُمْ أَلُوفٌ حُدَّ

الْمَوْتُ﴾ (سورة البقرة: ۲۰۶)

کیا ان لوگوں کو آپ ﷺ نے نہیں دیکھا؟ کیا آپ ﷺ کے ان کے حال سے واقف نہیں ہیں؟ (جو موت سے بچنے کے لیے اپنے مکانوں سے نکل گئے تھے اور وہ لوگ (تعداد میں) ہزاروں تھے، اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ مر جاؤ (تو مر گئے) پھر ان کو زندہ کیا۔ (سورة بقرہ)

مذکورہ آیت کی تفسیر میں ہے کہ اگلی امت کی ایک بستی میں وباء پھیلی تو ہزاروں (بروایت ستر ہزار) کی تعداد میں بھاگ گئے اور سمجھے کہ ہم موت سے نجات پا گئے، اللہ تعالیٰ نے انہیں ان کے برے عقیدہ کی سزا دی کہ ایک دم سب مر گئے۔ کوئی دفن کرنے کے لیے بھی باقی نہ رہا پھر ایک مدت کے بعد ایک نبی وہاں پہنچے۔ یہ خوفناک منظر دیکھ کر دعا کی تو اللہ تعالیٰ نے ان کو عبرت دینے

کے لیے زندہ یا تب ان کو یقین ہوا کہ موت سے کوئی بھٹ نہیں سکتا۔

(تفسیر مصبری: ۱: ۳۵۳، حصہ ۱، ۱۹۶۶ء)

واقعی موت اپنے وقت اور اللہ کے حکم کے سوا نہیں آتی، اور وقت یا قاتل بھی نہیں مقرر ہو سکتا۔

خداوندی ہے

۵۔ ایں مانگو بوا بدر ککم الموت و لا کشف فی ۔۔۔ مع مسند ۵

جہاں کہیں ہو گئے وہاں تم کو موت آ پڑے گی، چاہے مضبوط قلعہ میں ہو نہ ہو۔

(مسند ۵، ص ۵۰)

۶۔ فل ان الموت الہی ضرور منہ و بہ ما فیکم ۵

(آپ ﷺ فرمادیتے تھے) کہ بے شک جس موت سے تم بھاگتے ہو وہ ضرور تم کو پڑے گی۔

(مسند جامعہ)

بے شک اللہ کی مقرر کی ہوئی مدت جب آ جائے گی تو تاخیر نہ ہوگی۔ (سورہ نساء)

زمانہ جاہلیت کا عقیدہ تھا کہ جو کوئی بیمار کے پاس بیٹھے اور اس کے ساتھ کھائے تو اس کی بیماری اس کو لگ جاتی ہے، لہذا آنحضرت ﷺ نے فرمایا "لا عدوی" یعنی (بلا تقدیر بلا حکم خداوندی کے) ایک کی بیماری دوسرے کو نہیں لگتی۔

ایک مرتبہ ایک اعرابی نے عرض کیا کہ صحت مند اونٹوں میں خارش اونٹ مل جاتا ہے تو سب خارش ہو جاتے ہیں۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا، پہلے اونٹ کو کس نے خارش بنایا؟ جواب ملا۔ ہے کہ اللہ نے تو پھر دوسرے اونٹوں کے لیے ایسا کیوں نہیں سمجھتے؟

ایک مرتبہ آپ ﷺ نے ایک جزامی کا ہاتھ پکڑ کر اپنے کھانے کے برتن میں شریک کر لیا مطلب یہ ہے کہ اللہ کے حکم اور تقدیر الہی کے بغیر کچھ نہیں ہو سکتا مگر عقیدہ کی حفاظت کے لیے شریعت نے تعلیم دی ہے کہ وہائی جگہوں میں بلا ضرورت نہ جانے اور نہ وہاں سے بھاگے کیونکہ اگر وہاں جا کر بیماری میں مبتلا ہو جائے گا تو طبیعت کے کمزور اور ضعیف العقیدہ سمجھیں گے کہ وہاں جانے سے یہ ہوا۔ نیز بھاگنے والا سمجھے گا کہ بھاگنے سے بچ گیا اور نہ ضرور مبتلا ہو جاتا اور بھاگنے والا دوسروں کے لیے بھی زیادہ پریشانی اور کم ہمتی کا باعث بنتا ہے ایسی بہت سی حکمتوں اور مصیحتوں کے پیش نظر آپ ﷺ نے امت کو ہدایت فرمائی

إذا سمعتم بالطاعون بارص فلا تدخلوها وادأ وقع بارص وانتم

بها فلا تخرجوا منها .

یعنی تم سنو کہ کسی جگہ وبا پھیلی ہے تو وہاں مت جاؤ اور جہاں تم ہو وہاں وبا پھیل جائے تو بھاگنے کے ارادہ سے وہاں سے مت نکلو۔

(بخاری شریف : پارہ ۲۳، ۸۵۳/۲، مسلم شریف : ۱۲۹/۲)

اور فرمایا کہ بیمار اونٹ کو بیمار اونٹ کے ساتھ مت رکھو، اور ہدایت فرمائی مجذوم سے ایسے بھاگو جیسے شیر سے کہ عقیدہ کی حفاظت ضروری ہے، ڈاکٹر حکیم وغیرہ بعض امراض (ٹی بی، خارش، جذام، طاعون، انفلوآنزا وغیرہ) کو متعدی مانتے ہیں اور اس کے جراثیم ثابت کرتے ہیں، ہمیں اس کی تردید کی ضرورت نہیں ہے۔ مگر ان کو بھی ماننا چاہیے کہ بیماری از خود متعدی اور مؤثر نہیں ہے بلکہ بحکم خدا اور تقدیر سے متعدی ہوتی ہے جس کے لیے حکم خدا نہ ہو اور جس کی تقدیر میں نہ ہو تو ذرہ بھی اثر نہیں ہوتا۔ دیکھیے جذامی کے مکان میں سب جذامی نہیں ہوتے، ٹی بی والے مریض کے بیمار دار سب اس میں مبتلا نہیں ہوتے۔ انفلوآنزا کے مریض کے ساتھ رہنے والے عموماً انفلوآنزا سے محفوظ اور بالکل صحیح سالم ہوتے ہیں۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ جس کے لیے خدا کا حکم ہو اسی کو مرض لگتا ہے اگر ایسا نہیں تو مریض کے ساتھ طویل عرصہ تک رہنے اور کھانے پینے کے باوجود صحیح و سالم کیوں رہتے ہیں؟

شریعت نے دور رہنے کی ہدایت محض حفاظت و عقیدہ اور سلامتی ایمان کے لیے کی ہے نہ اس لیے کہ مرض سے بچے اور وہ بھی ہر ایک کے لیے ہر حال میں حکم و جوبی نہیں ہے۔ حدیث شریف میں ہے: فراراً منه .

(وبا سے بھاگنے کے ارادہ سے نہ نکلو) کے الفاظ ہیں اس کی شرح میں لکھا ہے اگر وبا سے بھاگنے کے علاوہ دوسری کوئی وجہ اور غرض ہو تو وہاں سے جانے میں اور بضرورت وہاں جانے میں کوئی حرج نہیں عقیدہ پختہ اور مضبوط ہو ڈالنا ڈول نہ ہو۔ (فتح الباری وغیرہ)

اور درمختار میں ہے:

وإذا حرج من بلدة بها الطاعون فإن علم أن كل شئ بقدر الله

نعالي فلا بأس بأن يخرج ويدخل . وإن كان عنده أنه لو خرج

سجاولو دخل انتلا کرہ له دلت فلا يدخل ولا يخرج صيانة لا اعتقاده۔
یعنی جو شخص وہابی شہر سے نکلے لیکن اس کا عقیدہ یہ ہے کہ ہر ایک چیز تقدیر الہی سے ہے خدا کے حکم کے بغیر کچھ نہیں ہوتا تو اس کو نکلنے اور وہاں جانے کی اجازت ہے اور اگر اعتقاد ایسا ہے کہ یہاں سے چلا جاؤں تو بیخ جاؤں گا ورنہ جتا ہوں گا تو ایسے شخص کو وہاں سے نکلنے کی اور جانے کی اجازت نہیں۔ تاکہ اس کا عقیدہ محفوظ رہے۔ (در مختار مع الشامی ۵/۳۲۱)

ہاں! وہاں سے آسکتے ہیں، دفع و بقاء تک وہاں قیام کرنا لازم نہیں، قیام کے مقصد سے وہاں نہیں گئے تو کام سے فارغ ہو کر واپس آنا فرار شمار نہ ہوگا، تاہم نیت کی درستی ضروری ہے۔

وفي هذه الاحاديث مع القدوم على بلد الطاعون ومع الخروج منه فراراً من ذلك اما الخروج فلا بأس به۔

(نوی شرح مسلم: ۲/۲۲۸)

ہاں! ضرورت وہاں جاسکتے ہیں اور سفر بھی کر سکتے ہیں جب و بقاء سے فرار کا قصد نہ ہو۔

لكن ابو موسى حمل الهی على من قصد الفرار محصاً ولا شك ان الصور ثلاث من حرج لقصد الفرار محصاً فهذا يتناول الهی لا محالة ومن خرج لحاجة متمحضة لا لقصد الفرار اصلاً وينصور ذلك فيمن نهياً للرحيل من بلد كان بها الهی بلد اقامته مثلاً ولم يكن الطاعون وقع فاتهم وقوعه في اثناء تجهيره فهذا لم يقصد الفرار اصلاً فلا يدخل في الهی والثالث من عرصة له حاجة فاراد الخروج اليها وانضم الى ذلك انه قصد الراحة من الإقامة بالبلد التي وقع بها الطاعون فهذا محل الرابع۔ (فتح الباري: ص ۱۵۹)

ہاں! تبدیلی آب و ہوا کی غرض سے شہر کی حد میں جنگل اور میدان میں جاسکتے ہیں نیت یہ ہونی چاہیے کہ تبدیلی آب و ہوا بھی ایک علاج ہے۔ لہذا بغرض علاج نکلتے ہیں۔

غرض یہ کہ وہابی جگہ سے بارادہ فرار نہ نکلے، اللہ پر بھروسہ کر کے صبر و ہمت سے رہے۔ تقدیر میں موت ہوگی تو آئے گی اور درجہ شہادت حاصل ہوگی۔ جب موت بھاگنے سے نہیں ملتی تو بھاگ کر ایمان کیوں خراب کرے۔ (ماخوذ از فتاویٰ رحیمیہ ۲/۳۹۲)

نیمبل، کرسی اور الگ الگ پلیٹوں میں کھانا:

زمین پر کھانا کھانا بیچنا، بیچنا، کھانا سنت ہے، نیمبل، کرسی پر کھانے کا طریقہ سہمی تہذیب سے ثابت ہے، یہ طریقہ متبعہ ان اور فیشن پرستوں کا ہے لہذا قابل ترک ہے، اہل سنت بھی ضرورت کی بنا پر نیمبل، کرسی پر کھانا کھا سکتے ہیں یا اس کو بھی حرام اور ناجائز نہیں کہا جائے گا اس کی عادت بننا بہر حال قبیح فعل ہے۔ ماہرین میں ہے ”مسلم راتشبہ بہ کفار و فساق حرام است۔“ مسلمان کو کفار اور فساق کی مشابہت اختیار کرنا حرام ہے۔ (مالا بد معہ: ص ۱۳۱)

نیمبل، کرسی، ایک ساتھ مل کر ایک برتن میں کھانا بھی مسنون اور باعث برکت ہے الگ الگ برتنوں میں کھانا اسلامی طریقہ نہیں ہے، یہ غیر قوم کا طریقہ ہے کہ وہ دعوتوں اور گھروں میں ایک ساتھ بیٹھ جاتے ہیں ہر سب کی پلیٹیں الگ الگ ہوتی ہیں اگر مسلمان بھی یہی طریقہ اختیار کریں تو پھر مسلمانوں اور غیر مسلموں میں امتیاز کی کیا صورت ہوگی؟ نیز یہ تو ہم پرستوں کا طریقہ ہے جو امر غلط سے متعدی ہونے کا عقیدہ رکھتے ہیں، حدیث میں ہے:

عن عمر بن الخطاب رضي الله عنه قال قال رسول الله صلى

الله عليه وسلم: "كلوا جميعا ولا تفرقوا فان البركة مع الجماعة".

حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ سب ساتھ مل کر کھاؤ اور الگ الگ مت کھاؤ، ساتھ مل کر کھانے میں برکت ہے۔

(مشکوٰۃ شریف: ص ۳۷۰ باب الصیافۃ)

... کی حدیث میں ہے: صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے رسول اللہ ﷺ کی خدمت اقدس میں عرض کیا: یا رسول اللہ! ہم کھاتے ہیں مین ٹلم سیری نہیں ہوتی، حضور اکرم ﷺ نے فرمایا: "کلوا من ثمر ما شئتم، تکلموا بلسانکم، وادکروا اسمی اللہ یمارک لکم فیہ"

(ابو داؤد شریف: ۱۷۲/۲ باب فی الاجتماع علی الصعام،

مسکوٰۃ شریف: ص ۳۶۹ باب الصیافۃ، حصص حصص ص ۱۰۹ ص ۳)

سب ایک ساتھ مل کر اور بسم اللہ پڑھ کر کھاؤ تمہارے کھانے میں برکت ہوگی۔

نیز حدیث میں ہے، رسول اللہ ﷺ کے پاس ایک بہت بڑا پیالہ تھا جس میں سب ایک

ساتھ مل کر کھاتے تھے۔

عن عبد اللہ بن بسر رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ ﷺ
 وسلم فصعۃ بحمہا اربعۃ رجال یقول ہا ہا ہا ہا ہا ہا ہا
 وسجدوا صحیحی ہی سنت وفد ثرد فہا فالتہر عیب (بی حسمہ
 حوالہ) (الح

(مشکوٰۃ شریف: ص ۲۶۱ باب الصیافۃ، جمع انقوائد، ج ۱)

نیز حدیث میں ہے، خدا کا پسندیدہ کھانا وہ ہے جس میں بہت سے ہاتھ ہوں۔ (جمع فوائد)
 یہ ہے اسلامی تعلیم اور رسول اللہ ﷺ کی سنت اور مبارک طریقہ اس مبارک طریقہ کو چھوڑ کر
 نگہروں اور غیر قوموں کے طریقہ کو اختیار کرنا کس طرح درست ہو سکتا ہے؟

یہ سوال کہ ساتھ کھانے میں کھانا برباد ہوتا ہے تو یہ درحقیقت ایک شیطانی وسوسہ ہے، اگر
 کھانے والوں کی تعداد کے مطابق کھانا نکالا جائے اور ضرورت پڑنے پر دوسرا کھانا بچا جائے تو
 لھانا کس طرح ضائع نہ ہوگا اور اگر اس کے باوجود بھی کھانا بچ جائے تو اس میں کسی طرح کی کوئی
 رابی پیدا نہیں ہوتی، مؤمن کے جھوٹے میں شفاء ہے، لہذا اس کھانے کو ضائع نہ کیا جائے۔

قوله تعالى: ﴿لَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ اَنْ تَاْكُلُوا جَمِيعًا وَاَوْ اَشْتَاتَا﴾

”پھر اس میں بھی تم پر کچھ گناہ نہیں کہ سب مل کر کھاؤ یا الگ الگ کھاؤ۔“ (سورہ نور)

سے یہ شبہ نہ کیا جائے کہ اس آیت سے تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ ساتھ مل کر کھاؤ یا تنہا تنہا کھاؤ
 دونوں جائز ہیں کسی میں پھر حرج اور گناہ نہیں تو پھر ساتھ مل کر کھانے پر اتنا حسد کیوں ہے؟
 • سب یہ سنت۔ آیت میں نفس جو از و بیان کیا گیا ہے۔ دونوں طرح کھانا جائز ہے، ساتھ مل کر کھاؤ
 یہ بھی جائز ہے اور کسی وقت تنہا کھانے کا اتفاق ہو جائے تو یہ بھی جائز ہے، اس میں گناہ نہیں ہے۔
 ان دونوں میں افضل طریقہ یہ ہے کہ سب ساتھ مل کر کھاؤ اس میں بہت سی جیسا کہ مندرجہ
 بالا احادیث سے معلوم ہوتا ہے اور اس آیت کا شان نزول یہ ہے کہ بعض انصار رضی اللہ عنہم کی
 عادت مبارکہ یہ تھی کہ جب تک ان کے ساتھ کوئی مہمان نہ ہوتا تنہا کھانا نہیں کھاتے تھے یا مہمان
 کی موجودگی میں مہمان ہی کے ساتھ کھانے کو ضروری سمجھتے تھے تو اس آیت میں ارشاد فرمایا گیا کہ
 ساتھ مل کر کھاؤ یا تنہا تنہا سب جائز ہے، اپنی جان کو شقت میں ڈالنے کی ضرورت نہیں ہے، فوائد

عثمانی میں ہے، آیت سے تنہا کھانے کا جواز بھی نکلا، بعض حضرات کے متعلق لکھا ہے کہ جب تک کوئی مہمان ساتھ نہ ہو کھانا نہیں کھاتے تھے معلوم ہوا یہ غلو ہے، البتہ اگر کئی کھانے والے ہوں اور اکٹھے بیٹھ کر کھائیں تو موجب برکت ہوتا ہے۔

کما ورد فی الحدیث . (سورۃ نور ، پارہ : ۱۸ ، رکوع : ۱۳)

معارف القرآن اور یسعی میں ہے نیز بعض انصار پر جو دو کرم کا اس قدر غلبہ تھا کہ وہ لوگ بے مہمان کے تنہا کھانا گوار نہیں کرتے تھے اور اپنی جان پر مشقت گوارا کرتے تھے اور مہمان کا انتظار کرتے تھے، ان کے بارے میں آئندہ آیت اتری، تم پر کچھ گناہ نہیں کہ ایک جگہ جمع ہو کر اور مل کر کھانا کھاؤ یا الگ الگ اور اکیلے اکیلے کھاؤ اور دل میں یہ خیال نہ کرو کہ کس نے کم کھایا اور کس نے زیادہ، اکیلے اکیلے کھانا بھی جائز ہے، مگر مل کر کھانے میں برکت زیادہ ہے۔

(معارف القرآن ادریسعی : ۲۹۲/۸ ، مرید نعصل کبائے ملاحظہ ہو تفسیر روح

المعانی : ۲۲۱/۱۸ ، مطبوعہ مصطفائیہ دیوبند اور تفسیر مواہب الرحمن : ص

۲۴۶ ، ۲۴۷/۱۸ پارہ نمبر : ۱۸ و تفسیر روح البیان : ص ۱۸۱ ، ۱۸۲/۱۸)

تنہا کھانے کا رواج آج کل عام ہوتا جا رہا ہے، غیر اقوام اور فیشن پرستوں نے اسے اپنایا ہے لہذا مسلمانوں کو اس سے اجتناب کرنا چاہیے، خصوصاً اہل علم حضرات کو، امام غزالی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

مہما صارت السنة شعارا لاهل البدعة قلنا بترکھا حوفا من

التشبه بهم .

یعنی جب کوئی سنت مبتدعین کا امتیازی شعار بن جائے تو ہم اس میں ان کے مشابہ بن جانے کے خوف سے اس کے بھی ترک کا فتویٰ دیں گے۔

(انبیاء العلوم : ۲/۲۷۰ بحوالہ التشبه فی الاسلام ۱۶۳، ۱)

اللہ تعالیٰ سنت کی عظمت اور اس پر عمل کی توفیق عطا فرمائیں۔

(ماخوذ از فتاویٰ رحیمیہ : ۶/۴۳۰ مع اضافہ)

استاذ کی جگہ پر بیٹھنا:

شاگرد کے لیے یہ بات مناسب نہیں ہے کہ استاذ کی جگہ پر بیٹھے چاہے استاذ موجود نہ ہوں،

ادب واحترام کے خلاف ہے، خلاصۃ الفتاویٰ میں ہے

ولا یجسّس مکانہ - عاب عنہ (۳۲۷)

داڑھی پر تنقید کا حکم:

داڑھی رکھنا شرعاً واجب ہے اس کا کٹنا یعنی ایک مٹھی سے مٹا دینا منہ انا حرام ہے ایسا شخص فاسق ہے، اس زمانہ انحطاط میں بھی اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے مسلمان اس حکم شرعی پر عمل کرتے ہیں لیکن بعض ایسے مسلمان بھی جو خاندانی طور پر اور نام کے اعتبار سے تو مسلمان ہیں اعمال ان کے شریعت کے خلاف ہیں ایسے لوگ داڑھی رکھنے والوں کا مذاق بھی اڑاتے ہیں ایسے لوگوں کا شرعاً کیا حکم ہے؟ اس بارے میں حضرت مفتی عبدالرحیم انجپوری رحمہ اللہ فرماتے ہیں

افسوس! وہ زمانہ آ گیا ہے جس کی خبر مخبر صادق ﷺ نے دی ہے۔ ایک روز آنحضرت ﷺ نے اصحاب کرام رضی اللہ عنہم کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا تمہارا یہ حال ہو گا جب تمہارے نوجوان فاسق فاجر بن جائیں گے؟ صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا یا رسول اللہ! کیا ایسا ہونے والا ہے؟ فرمایا ہاں! بلکہ اس سے بھی زیادہ سخت! پھر آپ ﷺ نے فرمایا تمہارا کیا حال ہو گا جب تم نیکی کے کام میں آؤ بن جاؤ گے اور بدی کا حکم کرو گے۔ صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا یا رسول اللہ! کیا ایسا ہونے والا ہے؟ فرمایا بے شک اس سے بھی زیادہ سخت، پھر فرمایا تمہارا کیا حال ہو گا؟ جب تم نیکی کے کاموں کو خراب اور بدکاری کے کاموں کو اچھا سمجھنے لگو گے۔ (جمع الفوائد) کیا یہ سب آج نہیں ہو رہا ہے؟

لوگ داڑھی منڈاتے ہیں اور منڈانے کی تبلیغ کرتے ہیں، یہی نہیں بلکہ داڑھی منڈانے کو بہتر اور رکھنے کو خراب کہتے ہیں۔ جو ان تو درنور بڑی عمر کے لوگ بوڑھے بھی داڑھی منڈا کر سنت رسول اللہ ﷺ کی مخالفت کر کے برسر عام فاسق بن رہے ہیں، آنحضرت ﷺ کا فرمان ہے ”تم سفید بالوں کو مت نوچو، جو مسلمان حالت اسلام میں بوڑھا ہوتا ہے تو اللہ تعالیٰ سفید بال کے بدلہ میں اس کو نیلی کا ثواب عطا فرماتے ہیں اور اس کی خطا معاف فرماتے ہیں اور قیامت کے دن یہ سفید بال اس کے لیے نور ہوں گے۔ (ابو داؤد شریف: ۲۲۵۲)

ایک حدیث میں ہے کہ بوڑھے کو عذاب دینے سے اللہ تعالیٰ شرماتے ہیں، اللہ اکبر اللہ تعالیٰ بوڑھوں کو ان کی معاصی کی سزا دیتے شرماتا ہے مگر بوڑھا داڑھی منڈا کر بڑھاپا چھپا کر نفی جو ان

بننے سے نہیں شر مانتا؟

آنحضرت ﷺ کا ارشاد ہے

حیر شسابکم من تشبه بکھو لکم و شر کھو لکم من تشبه
بشبابکم .

نوجوانوں میں سب سے اچھا نوجوان وہ ہے جو بوڑھے کی مشابہت اختیار کرے اور
بوڑھوں میں سب سے بدتر بوڑھا وہ ہے جو جوانوں کی مشابہت اختیار کرے۔

(کنز العمال : ۱۲۹/۸)

داڑھی اسلامی و قومی شعار ہے اور مرد کے لیے زینت کی چیز ہے، بعض فرشتوں کی تسبیح ہے کہ

سبحان من زین الرجال باللحي والنساء بالذوائب

یعنی پاک ہے وہ ذات جس نے مردوں کو داڑھی سے اور عورتوں کو چوٹیوں سے زینت
بخشی۔ (المحدث)

آنحضرت ﷺ نے داڑھی رکھی اور امت کو داڑھی رکھنے کی تاکید فرمائی۔

آپ ﷺ کے عمل کو اپنانا اور آپ کے حکم و فیصلہ کو دل و جان سے تسلیم کرنا شرط ایمان ہے
کیونکہ اصطلاح شرع میں اسلام نام ہے نبی برحق کی ہدایت کے بموجب خداوندی احکام کی تعمیل
کرنے کا، اپنی عقل اور چاہت کے مطابق اللہ تعالیٰ کی اتباع کرنا اسلام نہیں بلکہ کفر ہے۔

کفرست دریں مذہب خود بینی و خود رائی

حق تعالیٰ کا فرمان ہے

﴿فلا وربك لا يؤمنون﴾ إلی قوله : ﴿وبسلموا تسليماً﴾

(سورة النساء)

یعنی تم ہے میرے پروردگار کی، لوگ مسلمان ہو ہی نہیں سکتے جب تک آپ کو اپنے جھگڑوں
اور معاملات میں حکم اور منصف نہ بنالیں، پھر جو کچھ آپ فیصلہ کریں اس سے اپنے دلوں میں کوئی
تنگی (اور ناگواری) نہ محسوس کریں اور پوری طرح (دل و جان سے) اس کو مان لیں اور تسلیم کر
لیں۔

آیت مذکورہ کی تفسیر میں حضرت امام جعفر صادق رحمہ اللہ سے مروی ہے کہ اگر کوئی قوم اللہ

تعالیٰ کی عبادت کرے اور نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ سب کچھ بجالائے مگر آپ ﷺ کے کسی عمل کے بارے میں بطور اعتراض یہ کہے کہ آپ ﷺ نے یہ کیوں کیا؟ آیا آپ ﷺ کے کسی حکم کے متعلق دل میں تنگی محسوس کرے تو صوم و صلوٰۃ وغیرہ اعمال ہونے کے باوجود وہ کافر و مشرک کے حکم میں ہے۔ (تفسیر روح المعانی: ۶۵/۵)

فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا فیصلہ:

ایک مسلمان اور یہودی کا مقدمہ آپ ﷺ کے دربار میں پیش ہوا آپ ﷺ نے تحقیق فرما کر یہودی کے حق میں فیصلہ صادر فرمایا، مسلمان اس فیصلہ پر راضی نہیں ہوا اور یہ مقدمہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے پاس لے گیا، حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے سماعت مقدمہ کے بجائے فیصلہ یہ کیا کہ یہ مرتد ہو گیا ہے چنانچہ اس کی گردن اڑادی اور فرمایا کہ آپ ﷺ کے فیصلہ کو منظور نہ کرنے والے کے لیے صحیح فیصلہ یہی ہے۔

یہ ایک ضابطہ اور قانون کی بات تھی کہ آپ ﷺ کے فیصلہ سے منحرف ہونے والا اور آپ ﷺ سے زیادہ کسی اور کو منصف قرار دینے والا مرتد کافر ہے اور اسلام کا نام لیتا ہے تو یہ نفاق ہے۔ اس کے علاوہ حقیقت یہ ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے محمد رسول اللہ ﷺ کو جملہ کمالات اور محاسن کا کامل نمونہ بنا کر مبعوث فرمایا اور اعلان فرمادیا کہ

﴿لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللَّهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ﴾

تو کمال وہی ہے جو کمالات نبوی کا پر تو ہو اور حسن و خوبی وہی ہے جو محاسن رحمۃ للعالمین ﷺ کا نمونہ ہو۔ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین حسن و کمال کے اس فلسفہ کو پوری طرح سمجھتے تھے۔ چنانچہ نہ صرف عبادات میں سنن نبویہ کی اتباع کرتے تھے نہ صرف اپنی عادتوں کو آپ ﷺ کی عادتوں کے سانچے میں ڈھالتے تھے بلکہ آپ ﷺ کے معمولی اشاروں کو بھی حکم کی حیثیت دیتے تھے اور اس کی تعمیل کو سب سے بڑی سعادت سمجھتے تھے۔

صحابہ کرام کی اتباع سنت کی چند مثالیں:

مثلاً آپ ﷺ منبر پر رونق افروز ہوئے اور آپ نے حاضرین سے فرمایا:

اجلسوا، اجلسوا۔

تشریف رکھیے، اب اس حکم کی تعمیل کیسے کی گئی؟ اس کی ایک مثال ملاحظہ فرمائیے

۱. حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ دروازے کے پاس تھے، جیسے ہی یہ ارشاد کا نواں میں پڑا فوراً بیٹھ گئے، جب آنحضرت ﷺ نے حسب فرمایا تب وہاں سے اٹھ رہے تھے۔
 ۲. حضرت سیدہ زینہ کبیرہؓ وفات کے بعد عرب قبلہ کی رہنمائی اور ارشاد کی خبریں مدینہ منورہ میں پہنچتی تھیں۔ قاصد صحابی کرام رضی اللہ عنہم نے حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ و مشورہ یا کہ ایسے وقت میں فونی و تمام جہینا مناسب نہیں ہے۔ بہت ممکن ہے مدینہ شریف و خانیہ پلھ کر باغی اور مرتد قبیلے حملہ کریں۔ حضرت صدیق رضی اللہ عنہ نے جواب دیا قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے اگر مدینہ اس طرح خالی ہو جائے کہ میں ہی اکیلا رہ جاؤں اور درندے اور کتے مجھ کو بھنبھوزھا میں تب بھی میں اسامہ کو (جو اس شہر کے سپہ سالار تھے) اس مہم پر روانہ کروں گا جس پر آپ ﷺ روانہ فرما رہے تھے۔ (ابن مسعود وغیرہ)
 ۳. یہ خلیفہ اول صدیق اکبر کی شان تھی۔ عام صحابی کرام رضی اللہ عنہ میں سے ایک صاحب کا واقعہ ہے کہ آپ ﷺ نے ان کے ہاتھ میں سے سونے کی انگوٹھی نکال کر پھینک دی اور فرمایا انسان جان بوجھ کر اپنے ہاتھ میں آگ کا انگار رکھتا ہے۔ جب آپ ﷺ تشریف لے گئے تو کسی نے ان سے کہا کہ اسے اٹھا لو کسی اور کام میں لے آنا۔ اس صحابی نے جواب دیا نہیں، نہیں خدا کی قسم میں کبھی بھی اس کو نہیں اٹھا سکتا جس کو رسول اللہ ﷺ نے پھینک دیا ہے۔
- (مسلم شریف بحوالہ مشکوٰۃ شریف : ص ۳۷۸)
۴. حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ ایک تاب میں سے کھیت میں پانی دے رہے تھے کچھ آدمی اس طرف آئے ان کے پیچوں سے تالی کی ڈوسلی اور پانی بہہ بننے لگا۔ حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ نے پانی و تراب بوتے ہوئے دیکھا تو فوراً بیٹھ گئے۔ پھر اسی کپکپڑ میں لیٹ گئے جو وہاں موجود تھے انہیں بہت محب ہوا۔ حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ یہ کیا حرکت ہے؟ سیدنا حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ نے جواب دیا کہ ان لوگوں کی اپرواہی پر مجھے غصہ آیا ساتھ ہی مجھے آپ ﷺ کا ارشاد یاد آیا کہ غصہ آئے تو بیٹھ جاؤ پھر بھی غصہ نہ جائے تو لیٹ جاؤ۔ لہذا میں نے اس ارشادِ نرانی کی تعمیل کی۔ یعنی نہ بدن کی پروا نہ کپڑوں کا خیال، نہ لوگوں کے ہنسنے اور مذاق بنانے کی فکر۔ آپ ﷺ کے ایماء مبارک کی تعمیل سب سے مقدم ہے۔ اس کے مقابلہ میں سب کچھ بیچ ہے۔

۵ ایک مرتبہ حضرت ثناء رحمہ اللہ تعالیٰ عنہما جمعہ سے پہلے میں نے رجا کے تھے۔ راستہ میں حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ملے پر نالے سے مذبح مرغی کے خوں میں مدھوپانی آپ کے دہرے پر۔ آپ واپس مکان آئے۔ بیڑے بدلے اور پر نالے کے متعلق ضمیر فرمایا۔ راستہ سے بتایا جاے۔ حکم کی تعمیل ہو چکی تو حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے برائیل تذکرہ فرمایا کہ یہ پر نالہ آپ سیدھے نے اس جگہ ملوایا تھا۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جیسے یہ سن فوراً غصے پر نالہ پر تشفی لے گئے۔ کوئی سیڑھی نہیں تھی تو خود جھک گئے اور حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو قسم دے کر فرمایا کہ ان کی پیٹھ پر ہڑے ہوں اور پر نالہ کو اسی جگہ لگا دیں جہاں آقا عائدہ محبوب خدا سیدھے نے لگایا تھا۔

یہ تھا صحابہ کرام کا ادب (رضوان اللہ علیہم اجمعین) پر نالہ جس جگہ بھی تھا چونکہ وہ آنحضرت ﷺ کے دست مبارک کا لگایا ہوا تھا اگرچہ اعلیٰ میں بٹا دیا مگر چونکہ ہنسا دیا تو اس کا کفار وہ یہ ہے کہ اپنی پشت پر حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو کھڑا کر کے پر نالہ کو اصلی جگہ پر لگوا یا۔ ایک ادب ہمارے نوجوانوں اور بہت سے بوڑھوں کا ادب ہے کہ جس داڑھی کو آپ ﷺ نے خود بھی ہمیشہ رکھا اور مسلمانوں کو تاکید فرمائی کہ داڑھی بڑھائیں اور مونچھیں کٹوائیں۔ آج اصرار ہے کہ نہ داڑھی کا نام و نشان رکھیں گے نہ مونچھ کا، اس سے بڑی بے ادبی اور گستاخی کیا ہو سکتی ہے؟ بہر حال داڑھی تمام انبیاء کرام علیہم السلام کی سنت ہے، داڑھی اسلامی شعار ہے، داڑھی شرافت و بندگی کی علامت ہے، داڑھی چھوٹے، بڑے میں فرق کرنے والی ہے۔ داڑھی سے صورت مردانہ مکمل ہوتی ہے۔ داڑھی منڈانا فعل شیطان خدا وادھکل کو بگاڑنا ہے داڑھی منڈانے کو اچھا سمجھنا آپ ﷺ اور آپ ﷺ کی سنت مبارکہ سے عناد اور مقابلہ ہے۔ (معاذ اللہ)

فقہ کی شہرہ آفاق کتاب ”ہدایہ“ میں ہے:

ولسا ان اللحية في وقتها جمال وفي خلقها تمويته على الكمال .

(۵۷۱/۴)

یعنی داڑھی اپنے وقت میں (یعنی جب سے اگتی ہے) خوبصورتی اور زینت کا باعث ہے اور اس کے منڈانے سے زینت و خوبصورتی بالکل نابود ہو جاتی ہے۔ بحر الرائق میں ہے:

لان اللحية في اوانها جمال .

یعنی داڑھی اپنے وقت میں خوبصورتی کی چیز ہے، دلیل میں یہ حدیث پیش کی ہے، اللہ تعالیٰ کے ملائکہ کی ایک جماعت کا وظیفہ ہے

سبحان من زين الرجال باللحي والنساء بالذوائب .

پاک ذات ہے وہ جس نے مردوں کو داڑھی سے اور عورتوں کو چوٹیوں اور مینڈیوں سے زینت بخشی۔ (عکملہ بحر الرائق ۸۰/۳۳۱)

ایک روایت ہے کہ فرشتے جب قسم کھاتے ہیں تو یہ کہتے ہیں

والذي زين بني آدم باللحي .

قسم اس ذات کی جس نے انسان کو داڑھی سے زینت بخشی۔

حضور اقدس ﷺ سے سچی محبت ہو تو آپ کی ہر ایک بات اور ہر ایک عادت محبوب ہونی چاہیے۔ محبوب کی ہر ادا محبوب ہوتی ہے۔ اس سے (معاذ اللہ) نفرت، محبت نہ ہونے کی علامت ہے۔ داڑھی کا منڈانے والا حضور ﷺ کی سنت کو پامال کرنے والا ہے۔ وہ سچا محبت کیسے ہو سکتا ہے؟ کسی نے خوب کہا ہے

نعمسى الرسول واس نصهر حبه هدا العمري في المعال سديم

لو كان حدث صادقا لاطعته إن المحب لمس يحب مصيحه

یعنی تم اللہ اور رسول اللہ ﷺ کی محبت کا دعویٰ کرتے ہو اور ساتھ ہی ان کے فرمان کی خلاف ورزی بھی کرتے ہو کس قدر عجیب بات ہے اگر فی الواقع تمہارے دل میں ان کی محبت ہوتی اور تم اپنے دعویٰ محبت میں سچے ہوتے تو کبھی ان کی نافرمانی نہ کرتے ان کے ہر فعل اور اداء سے محبت ہوتی۔

مجنوں لیلیٰ کی گلی سے جب گزرتا ہے تو درود یوار کو چومتا اور کہتا تھا۔

امر على الديار ديار ليلي اقل ذا الجدار وذال الجدار

وما حب الديار شمس قلبي ولكس حب من مكن الديار

میں لیلیٰ کی گلیوں سے جب گزرتا ہوں تو اس دیوار کو بھی چومتا ہوں اور اس دیوار کو بھی گلی کو چوں کی محبت دل کی لگن نہیں ہے بلکہ اس کی محبت جو ان گلیوں میں رہتی ہے۔ ایک بزرگ فرماتے ہیں۔

نازم بچشم خود کہ جمال تو دیدہ است اتم پائے خود کہ بکویت رسیدہ است
ہر دم ہزار بوسہ زخم دست خویش را کہ دامت گرفتہ بسویم کشیدہ است
یعنی اپنی آنکھ پر ناز کرتا ہوں کہ اس نے تیرے جمال کا دیدار کیا ہے، اپنے پاؤں پر گرنا ہوں
کہ تیری گلی میں اس کی رسائی ہوئی ہے۔ اپنے ہاتھ کو ہزار بار چومتا ہوں کہ اس نے تیرا دامن پکڑ
کر میری طرف کھینچا ہے۔

”مثنوی“ میں ہے کہ ایک معشوق نے عاشق سے کہا کہ تو نے بہت سے شہروں کی سیاحت کی
ہے، سب سے اچھا شہر کونسا ہے؟ عاشق نے جواب دیا جس میں میرا محبوب رہتا ہے
گفت آن شہرے کہ دروے دلبرست

افسوس ہوتا ہے کہ دعویٰ ہے محبت مولا اور عشق رسول کا اور عمل یہ کہ داڑھی سے معاذ اللہ
نفرت؟ محبوب رب العالمین آقاؐ وہ جہاں ﷺ کا ارشاد ہے

لا يؤمن احدكم حتى يکون هواه نعالما حثت به . (مشکوٰۃ)
دعویٰ محبت قابل اعتبار نہیں ہے جب تک ایسا نہ ہو جائے کہ صاحب ایمان کی چاہ
(خواہش) میری تعلیم کے تابع نہ ہو جائے۔

یعنی دل کی خواہش اور دل کا جذبہ وہی ہے جو آپ ﷺ کی تعلیم اور آپ کی سنت ہے۔
بار بار ارشاد ہوا جو میری سنت پر عمل نہ کرے وہ میرا نہیں ہے، جو اسروں کے طریقے پر چلے
وہ ہم میں سے نہیں ہے، جو میرے طریقے سے منہ پھیر لے وہ میری جماعت میں سے نہیں ہے،
جس نے میری سنت برباد کی اس پر میری شفاعت حرام ہے۔
سنت سے روگردانی خطرناک ہے:

ایک مرتبہ امام ابو یوسف رحمہ اللہ حدیث بیان فرما رہے تھے

کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یحب الدباء .

”حضور ﷺ کدو کو پسند فرماتے تھے۔“

ایک شاگرد فوراً بول اٹھا مگر میں تو پسند نہیں کرتا۔ امام ابو یوسف رحمہ اللہ نے تلوار نکال کر کہا
توبہ کرو ورنہ قتل کر دوں گا۔

مدینہ شریف میں ایک صاحب نسبت بزرگ کی زبان سے اتنی بات نکل گئی کہ شام یا

بندوستان کا وہی یہاں سے وہی سے اچھا ہے۔ آپ ﷺ نے خواب میں (یا عالم واقع میں) فرمایا کہ ہمارے یہاں سے چلے جاؤ، وہاں جا کر رہو جہاں کا وہی اچھا ہے۔

امام ربانی فرماتے ہیں کہ تمام سنن خداوند عالم کی پسند فرمودہ ہیں اور جو چیزیں خلاف سنت ہیں وہ شیطان کی پسند کردہ ہیں۔ (مکتوبات ۱/۲۵۵)

آپ سوال کرتے ہیں کہ مجھے کیا کرنا چاہیے؟ برادر اسلام! خواہش کے بندوں کی ملامت اور عن طعن سے گھبرا کر حق بات کو چھوڑنا ابوطالب کا طریقہ ہے۔ آپ ﷺ نے ابوطالب کو بوقت مرگ کہا کہ چچا ایک دفعہ لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ کہہ دو۔ ابوطالب نے جواب میں کہا

اظهرت دینا فدل علمت ماہ من حبرا دینا النریۃ دینا
ولا الملامۃ او حذار مسیۃ نوحدنسی سمحہ دینا

یعنی آپ ﷺ نے میرے سامنے ایسا دین پیش کیا ہے جس کو میں دنیا کے تمام ادیان سے افضل سمجھتا ہوں اگر مجھے لوگوں کی ملامت اور لعن طعن کا ڈر نہ ہوتا تو آپ مجھے قبولیت حق میں جواں مرد پاتے۔

خلاصہ یہ کہ لوگوں کی لعن طعن سے ڈر کر حق بات کو چھوڑ دینا ابوطالب کا طریقہ ہے اور ساری دنیا کی ملامت کی پڑا کئے بغیر حق کو پکڑے رکھنا مجاہد اسلام حضرت حذیفہ بن الیمان رضی اللہ عنہ کی سنت ہے۔ حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سفر میں تھے۔ آپ کے ہاتھ مبارک سے کھاتے کھاتے لقمہ گر گیا۔ آپ رضی اللہ عنہ نے اس کو اٹھا کر صاف کر کے منہ میں ڈالنے لگے۔ عجیبی لوگ یہ دیکھ رہے تھے خادم نے چپکے سے کہا۔ حضرت ایسا نہ کیجئے، یہ عجیبی گرے ہوئے لقمہ کو اٹھا کر کھا لینا بہت برا جانتے ہیں اور ایسے لوگوں کو بنظر حقارت دیکھتے ہیں۔ آپ رضی اللہ عنہ نے جواب دیا:

أترك سنة حبیبی لہؤلاء الحمقاء .

کیا میں ان بیوقوفوں کی وجہ سے اپنے حبیب ﷺ کی سنت چھوڑ دوں؟
یہ ہے ایمان، یہ ہے آپ ﷺ کے افضل الانبیاء ہونے اور آپ کی تعلیم کے مکمل ترین تعلیم ہونے پر اعتماد! خادم عجمیوں کی تہذیب سے مرعوب ہے اور حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ اپنے حبیب پاک ﷺ کی تہذیب پر نازاں، ہر اس شخص کو احمق کہتے ہیں جو محبوب خدا ﷺ کو کامل معلم نہ سمجھے اور آپ کی تہذیب کا شیدانہ ہو۔ آپ دائرہ می نہ منڈائیے۔ آپ ان نادانوں کی بات پر عمل کریں

ئے تو ناہنگار ہوں گے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے پیغمبر ﷺ کو ہدایت فرمائی ہے۔ ہم نے قرآن وین کے ایک خاص طریقہ پر لگا دیا ہے اسی طریقہ پر چلتے رہو اور ان کی خواہشوں کی پیروی نہ کرو جو ظلم سے نا آشنا ہیں۔ (سورۃ حاشہ) (ماحولیہ فتاویٰ رحمہ ۲/۳۹۸)

ظالم ظلم سے باز نہ آئے تو کیا تدبیر کی جائے:

ایسے شخص کے متعلق قرآنی تعیم یہ ہے کہ دونوں میں عداوت اور کفر اور اتفاق و باہمی محبت پیدا کرنے کی کوشش کی جائے اس میں اگر کامیابی نہ ہو اور ایک ٹرودہ ظلم و زیادتی پر سرس لے تو دوسرے مسلمان خاموش ہو کر تماشہ نہ دیکھیں بلکہ جس کی زیادتی ہو تمام مسلمان متفق ہو کر اس کا مقابلہ کریں۔ یہاں تک کہ ظالم مجبور ہو کر ظلم و زیادتی سے باز آ جائے جب یہ باز آ جائے تو عدل و انصاف کے تقاضے کو سامنے رکھ کر ان دونوں میں صلح و صفائی اور میل ملاپ کرالو۔

(سورۃ حجرات)

اور حدیث شریف میں ہے کہ آپ ﷺ نے قسم کھا کر فرمایا تمہیں نجات نہ ملے گی تا وقتیکہ ظالموں کو اپنے ظلم سے باز نہ رکھو اور ایک روایت میں ہے کہ آپ ﷺ نے قسم کھا کر فرمایا تم امر بالمعروف کرتے رہو اور ظالموں کو ظلم سے روکتے رہو اور حق بات کی طرف کھینچ کر لاتے رہو ورنہ تمہارے قلوب بھی اسی طرح مسخ کر دیے جائیں گے جس طرح ان لوگوں کے کر دیے گئے اور اسی طرح تم پر بھی لعنت ہوگی جس طرح ان پر یعنی بنی اسرائیل پر ہوئی اور ایک روایت میں ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا:

انصر اعناک ظالماً او مظلوماً .

تم اپنے مسلمان بھائی کی مدد کرو ظالم ہو یا مظلوم سوال کیا گیا یا رسول اللہ! مظلوم کی مدد تو کریں گے مگر ظالم کی مدد کس طرح کریں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ظالم کی مدد یہ ہے کہ اس کو ظلم سے روک دو۔ (بخاری شریف: ۱/۳۳۱، پارہ: ۹)

اس زمانہ میں ظالم، ڈاکو، بد معاش، چور کو اور دیگر جرائم پیشہ افراد کو کھلے عام جرم کرنے کی جرات اس لیے بھی ہوتی ہے کہ ظالم کے خلاف آپس میں ایک دوسرے کی مدد نہیں کرتے، بھرے بازار میں کسی کو قتل کر کے مال لے کر روانہ ہو جاتا ہے، لوگ تماشہ بین بن کر دیکھتے رہتے ہیں، یہ اسلامی تعلیمات کے سراسر خلاف ہے۔

بوسیدہ اور اراق کا حکم:

پراگندہ اور اراق یا بوسیدہ قرآن مجید کو دفن یا دریا برد کیا جائے یا کس طرح نیز دیگر اوراق انگریزی اخبارات وغیرہ کی (جن میں بعض مواقع پر آیات اور انگریزی کتب یا اخبارات وغیرہ میں تصاویر بھی ہوتی ہیں) کس طرح تلف کیا جائے؟

قال في العالمگیریہ : المصحف إذا صار حلقاً لا یقرأ مہ
و یخاف ان یصیب یجعل فی حرقة صاهرة و یدفن و دفنه اولی من
وصعه موضعاً یخاف ان یقع علیہ المحاسة اهـ . (۲۱۶/۶) وفيه .
المصحف إذا صار حلقاً و تعلر القراءة مہ لا یحرق بالنار اشار
الشیبانی الی هذا و به نأخذ اهـ .

اس سے معلوم ہوا کہ قرآن کو تو دفن کر دینا چاہیے جلا نا نہیں چاہیے باقی اوراق جن میں قرآن کی آیت یا اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ ﷺ کا نام ہو اس میں سے آیت، اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ ﷺ کا نام نکال لینا چاہیے ان کو دفن کر دیا جائے اور اور باقی کو جلا دینا جائز ہے، مگر قرآن اور اللہ تعالیٰ کے نام کو اس طرح دفن کیا جائے جس طرح بغلی قبر میں مردہ کو رکھا جاتا ہے تاکہ اس پر مٹی نہ پڑے۔

و یلحد له 'لاہ' لوشق و دفن یحتاج الی اهالة التراب علیہ و فی
دالت نوع تحفیر الا إذا جعل فوقه سقف بحيث لا یصل التراب علیہ
فهو حسن ایضاً کذا فی الغرائب اهـ . عالمگیریہ

(ماخوذ از امداد الاحکام : ۴/۳۹۴)

کفار سے دوستی اور میل جول رکھنے کا حکم:

کفار سے معاملات بیع و شراء اجارہ وغیرہ جائز اور بضرورت ظاہری میل جول میں بھی مضائقہ نہیں، باقی بلا ضرورت میل جول کرنا جائز نہیں اور رابطہ محبت و دوستی بھی جائز نہیں باقی معاملات ہر حال میں جائز ہیں۔

ہندوؤں کے تیار کردہ کھانے کا حکم:

ہندوؤں کے ہاتھ کی پکی ہوئی روٹی، اسی طرح مٹھائی اور گھی وغیرہ استعمال کرنا جائز ہے لیکن گوشت کھانا جائز نہیں، کیونکہ ان کا ذبیحہ حرام ہے۔

ہندوؤں کی نیز دوسرے کفار کی دعوت قبول کرنا اس شرط سے جائز ہے۔ جس کے اندر کوئی حرام چیز شامل نہ ہو اور نہ کھانے کی مجلس ناچ گانا وغیرہ کی ہو۔

کدامی الدر المختار والشمی من الحضر والاباحة
پھر بھی بہتر یہی ہے کہ شرکت سے احتراز کرے، کفار و مشرکین کے ساتھ کھانے کے متعلق فقہاء نے یہ لکھا ہے کہ کہیں اتفاق سے گھر جائے اور ضرورت سمجھے تو مضائقہ نہیں مگر بلا ضرورت شریک ہونا یا عادت ڈال لینا جائز نہیں۔

لعمامی العالمگیرية : إن اتلى المسلم مرة أو مرتين فلا بأس به،
واما الدوام عليه فمكره کدامی المحيط هدیة کتاب کراہیہ

(إمداد المعتبرين : ص ۱۰۱۵)

فتاویٰ عالمگیریہ میں ہے کہ مسلمان ایک آدھ مرتبہ کفار کی دعوت میں شرکت پر مجبور ہو جائے اور مجبوراً شرکت کرے تو اس میں کوئی حرج نہیں لیکن ہمیشہ اس کی عادت ڈالنا مکروہ ہے۔
کافر کی عیادت و تعزیت:

کافر کی عیادت جائز ہے اور جب مر جائے تو اس کے وارثوں کی تعزیت بھی جائز ہے مگر تعزیت اس مضمون سے کی جائے کہ اللہ تعالیٰ تمہیں اس سے بہتر بدلہ عطا فرمائے لیکن کافر کے جنازے کے ساتھ اس کے مرگھٹ تک جانا جائز نہیں کیونکہ اس میں جیفہ کافر کی تعظیم و تکریم ہے اور وہ مستحق تعظیم نہیں۔

نیز جنازہ کے ساتھ جانے کا ایک مقصد شفاعت کرنا بھی ہے اور ظاہر ہے کافر شفاعت کا اہل نہیں۔

قال في العالمگیرية : الباب الرابع عشر من الكراهية ولا بأس
بعيادة اليهودي والصراي وفي المحجوسي اختلاف کدامی التہذیب
ویحجور عیادۃ الدمی کدامی التبیین اسی قولہ وإدائات الکافر قال
لؤلؤدہ او قریبۃ فی تعزیتہ احلف اللہ علیک حیراً مہ واصلحت ای
اصلحت بالاسلام الحج . (عالمگیری کشوري : ۲۲۸/۴)

وصرح ماہانۃ جیفۃ الکافر فی جنائر الشامی والدر المختار

حکومت و قیام و عیال و غیرہ کے لئے جو مال و دولت جمع ہو جائے۔
 یہ مال جو کہ عید و میلاد و غیرہ کے لئے جمع ہو جائے۔

(شامی: ۱/۵۹۷)

قادیانی کی تجہیز و تکفین اور اس کے نکاح میں شرکت:

اس سلسلہ میں ایک سوال و جواب نقل کیا جاتا ہے

سوال ۱۔ کسی قادیانی و تجہیز و تکفین میں، یہود و انستہ کے لئے مسلمان کے حق میں
 یا ضم ہے؟

۲۔ قادیانی کی شادی میں شرکت کرنا اور ادا کرنا ایسا ہے؟

۳۔ دعوت قادیانی کی مسلمان کے لیے کیسی ہے؟

۴۔ علماء دین کے فتویٰ کو منقطع بنانے والے اور توہین کرنے والے کے لیے کیا حکم

ہے؟

۵۔ عزیز و اقارب دوست آشنا نیز برادری کے بھائی اور مسلمانانِ قصبہ قادیانیوں

سے ساتھ کیا برتاؤ کریں تاکہ وہ عند اللہ ماخوذ نہ ہوں؟

۶۔ قادیانی کی شادی میں شرکت کرنا کیسا ہے؟

جواب ۱۔ مرزا غلام احمد کے تمام متبعین خواہ کسی پارٹی کے ہوں جمہور علماء اسلام کے اتفاق

سے کافر و مرتد ہیں ان کے جنازہ کی نماز پڑھنا یا شریک ہونا ہرگز جائز نہیں اور جو کوئی مسلمان

شریک ہو وہ گناہ گار ہے توبہ کرنی چاہیے۔

۲۔ یہ بھی ناجائز ہے کیونکہ اس سے لوگ ان کو مسلمان سمجھنے لگتے ہیں اور ان کو اپنی

گمراہی پھیلانے کا موقع ملتا ہے۔

واللہ تعالیٰ ﴿وَلَا تَقْعُدُوا مَعَ الْكُفَرِ﴾ مع القوم الظالمین ○

۱۔ ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا قُلُوبُكُمْ أَمْ مَتَّعْتُكُمْ﴾

۲۔ ہرگز نہ کھانی چاہیے بالخصوص ذبیحہ ان کا بالکل مردار ہے اس سے پرہیز ضروری

ہے۔

۳۔ ایسا شخص سخت مٹا ہوا گار ہے بلکہ اندیشہ کفر ہے توبہ کرنی چاہیے۔

صرح بہ فی کلمات الکفر من جامع المصوبین و ...
 ۵. مسلمانوں کو قادیانیوں سے کسی قسم کا تعلق نہ کرنا، شادی و غمی نہ کرنا، نہ چاہیے اور چہرہ رشتہ داری و قرابت بھی ہو۔ رشتہ اسلام کے قطع کرنے والا ہے۔ تاہم قرابت کوئی چیز نہیں۔

۶. قادیانی مرد یا عورت کسی سے نکاح نہیں ہو سکتا، یونہی و مرتد ہیں، مرتد کا نکاح کسی سے منع نہیں ہو سکتا۔

فہ فی الدر المختار : لا یصلح ان ینکح مرتدہ و مرتدہ حد

من الناس مطلقا . (ماخوذ إمداد المعتمین : ص ۱۳۳)

قادیانیوں سے اختلاط:

مرزائیوں کے دونوں فریق قادیانی و لاہوری بالیقین مرتد خارج عن اسلام ہیں یا نہیں؟ اگر ہیں تو مرتد کا کیا حکم ہے؟ مرتدین کے ساتھ اختلاط و برتاؤ کرنا عوام کو ان کی باتیں سننا، جلسوں میں شریک ہونا، ان سے مناکحت کرنا ان کی شادی و غمی میں شریک ہونا ان کے ساتھ حنا چھنا، تجارتی تعلقات قائم رکھنا، ان کو ملازم رکھنا یہ امور جائز ہیں یا نہیں؟ تو ان کا حکم یہ ہے کہ مرزا غلام احمد کا کافر مرتد ہونا اور اس کے اقوال و کلمات غیر محصورہ کا غیر محتمل التبادل ہونا اظہر من الشمس ہو چکا ہے اور اسی لیے جمہور علمائے امت ان کی تکفیر پر متفق ہیں اس کی مفصل تحقیق کرنا ہو تو مستقل رسائل مثل اشد العذاب مصنف مولانا مرتضیٰ حسن صاحب اور اسفہار الصحیح فی مکابید المسیح مصنف مولانا محمد سہول صاحب اور مطبوعہ فتاویٰ عالمیہ ہند دربارہ قادیانی جس میں ضلع و صوبہ کے علماء نے بیگزوں، استیضات و تصدیق ہیں۔ ملاحظہ فرما جائیں۔

پھر مرزائیوں کے دونوں فرقے قادیانی اور لاہوری اتنی باتیں کہتے ہیں کہ وہ اسی وجہ سے مسلمان بلکہ مجدد و محدث اور مسیح موعود تھے۔ ظاہر ہے کہ کسی کافر مرتد کے متعلق بعد اس نے عقائد معلوم ہو جانے کے ایسا عقیدہ رکھنا خود کفر ارتداد ہے۔ اس لیے بلاشبہ دونوں فرقے کافر و مرتد ہیں اور اب تو لاہوریوں نے جو تحریف قرآن اور انکار ضروریات دین کا خاص طور پر بیڑا اٹھایا ہے اس کے سبب اب وہ اپنے کفر و ارتداد میں مرزا صاحب کے مانع ہونے سے مستغنی ہو کر خود بالذات ارتداد کے علمبردار ہیں اس لیے دونوں فرقوں سے عام مسلمانوں کا اختلاط اور ان کی باتیں سننا۔

جسوں میں شریک ہونا یا ان کو جسے میں شریک کرنا، شادی وغنی اور کھانے پینے میں ان کو شریک کرنا سخت گناہ ہے اور مناکحت قطعاً حرام ہے اور جو نکاح پڑھ بھی دیا جائے تو نکاح منعقد نہیں ہوتا۔ بلکہ اگر انعقد نکاح کے بعد مرزائی ہو جائے تو نکاح فوراً فسخ ہو جاتا ہے البتہ تجارتی تعلقات اور ملازمت میں رہنا یا ملازم رکھنا بعض صورتوں میں جائز ہے۔ بعض میں وہ بھی ناجائز ہے اس لیے بلا ضرورت شدیدہ اس سے بھی احتراز ضروری ہے۔ (ماخوذ از امداد المفتین : ص ۱۰۲۴)

قبلہ کی طرف پاؤں پھیلانا مکروہ تحریمی ہے:

قبلہ کی طرف پیشاب، پاخانہ کرنا، پیر کرنا یا تھوکرنا مکروہ تحریمی ہے۔ درمختار میں ہے:

وبكره تحريماً استقبال القبلة بالفرج وكذا استند بارها في الاصح الى ان قال كما كره مدر حليه في نوم أو غيره اليها۔ اي عمدا لانه اساءة الادب الخ۔

البتہ قبلہ کی طرف پشت کرنے میں کوئی حرج نہیں۔ (امداد المفتین : ص ۱۳۵)

چھکلی کو مارنا ثواب ہے:

چھکلی اور گرگٹ دونوں کا مارنا باعث اجر و ثواب ہے، حدیث میں ”وزغ“ کا لفظ ہے جو دونوں کو شامل ہے۔

رسول اللہ ﷺ نے اس کے مارنے پر اجر و ثواب کی وجہ یہ بیان فرمائی ہے کہ یہ آتش نمرود میں پھونک مار کر اس کو تیز کر کے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو ضرر پہنچانے میں تعاون کر رہی تھی۔

عن ام شريك رضي الله تعالى عنها ان رسول الله صلى الله عليه وسلم امر بقتل الورع وقال وكان يفتح على ابراهيم عليه السلام .

(بخاري : ۴۷۴/۱)

ام شریک رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے گرگٹ، چھکلی قتل کرنے کا حکم فرمایا ہے کیونکہ وہ ابراہیم علیہ السلام کی آگ تیز کرنے کے لیے پھونک مار رہا تھا۔

وعن امي هريرة رضي الله عنه عن النبي صلى الله عليه وسلم من قتل وزغاً في اول صلبة كتبت له مائة حسنة وفي الثانية دون ذلك وفي الثالثة دون ذلك . (مسلم : ۲۳۶/۲)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جس نے چھپکلی کو ایک مرتبہ میں قتل کر دیا اس کو سونکیاں ملیں گی اور جس نے دو مرتبہ میں مارا اس کو بھی ثواب ملے گا اور جس نے تین مرتبہ میں قتل کیا اس کو بھی ثواب ملے گا۔

عن ابی ہریرۃ رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من قتل ورعۃ بالصرۃ الاولیٰ کان لہ کذا و کذا حسۃ فإن قتلہا فی الصرۃ الثالثۃ کان لہ کذا کذا حسۃ وہی الباب عن ابن مسعود وام شریک و حدیث ابی ہریرۃ حدیث حسن صحیح

(ترمذی: ۲۷۳/۱)

قال الامام القرطبی رحمہ اللہ تعالیٰ: وقال کعب وقتادۃ والرهري ولم تسق يومئذ اذ الا اطعمت عنہ الا الورع فإنہا کانت تسفخ علیہ فلذلت امر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بقتلہا علیہ فلذلک امر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بقتلہا و سماها فویسقه .

(الجامع للاحكام القرآن ۳۰۴، ۱۱۰، ماخوذ از احسن العناوی ۱۸۷/۸ مع اضافہ)

غسل خانہ میں پیشاب کرنا:

غسل خانہ میں پیشاب کرنا کیسا ہے؟ جبکہ فرش پختہ ہو اور پیشاب کر کے اس پر پانی بہا د جائے، تو اس کا حکم یہ ہے کہ فی نفسہ اس طرح پیشاب کرنا جائز تو ہے مگر احتراز بہتر ہے کیونکہ اس سے دساوس پیدا ہونے کا اندیشہ ہے۔

قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لا یبول احدکم فی مستحجمہ ثم یغتسل أو یتوضاء فیہ فإن العامة الوسوس منہ .

(ماخوذ از احسن العناوی مع اضافہ:

رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ تم میں سے کوئی غسل خانے میں پیشاب نہ کرے پھر اس

میں غسل یا وضوء کرے کیونکہ عام طور پر اس سے دوسوہ پیدا ہوتا ہے۔

انجکشن کے ذریعہ جانوروں کو حاملہ کروانے کا حکم:

مصنوعی طریقہ سے انجکشن وغیرہ کے ذریعے گائے، بھینس، وغیرہ کو حاملہ کرنے میں شرعاً کوئی

قیامت نہیں۔ یہ نمایاں تر ہے۔ اور ایسے جانور کا دودھ اور گوشت بلاشبہ حلال ہے۔

رخصتی کے موقع پر لڑکی والوں کی طرف سے دعوت:

لڑکی والوں کی طرف سے جو دعوت نکاح کے موقع پر کی جاتی ہے، اگر اس کو سنت سمجھ کر یا باوجود قناعت اور بدعت سے، اور واجب ترک ہے اور ایسی دعوت میں شرکت کرنا بھی درست نہیں، اور سنت قناعت بھی جائز نہیں دعوت کرنے کو ضروری اور لازمی سمجھا جائے تب بھی یہ دعوت ممنوع اور قابل ترک ہے۔

بات لڑکی والوں کے ہاں ان کے جو مہمان قریب ترین اعزاء اقرباء اور خصوصی احباب جمع ہوں ان سے یہ دعوت تیار کرانا اور بخانا درست ہے کیونکہ یہ مہمان نوازی میں داخل ہے۔

(مباح - حشر علی صوفی - اضاء الارض علیہ کراچی الف ۲۸/۱۱۷)

ولیمہ کا مسنون وقت:

دعوت ولیمہ کا مسنون وقت کے بارے میں مختلف اقوال ہیں

۱. عقد نکاح کے وقت
۲. عقد نکاح کے بعد
۳. زفاف کے بعد
۴. نکاح سے لے کر زفاف تک

ابن تیمیہ اور قول زفاف کے بعد کرنے کا ہے۔

(راجع نبل الاوطار: ۲/۲۵۰، تاج: ۲/۲۷۹)

رسم نبوت کا حکم:

اس تقریب میں صاحب تقریب کو بطور ہبہ یا تحفہ کے کوئی رقم یا کوئی اور چیز دی جائے جس میں مال ہو، اور نہ صدقہ اور بدلہ لینے کی نیت ہو تو اس قسم کی امداد کرنا جائز ہے اس میں کوئی شک و شبہ نہیں۔ بین النکاح شادی بیاہ کی تقریبات میں شادی کے موقع پر جو ہبہ دیا جاتا ہے اس کا قاعدہ یہ ہے کہ صاحب ہبہ اور اہتمام کے ساتھ تحفہ یا رقم دینے والے کا نام وغیرہ لکھا جاتا ہے اور واپس آتے وقت اس دی ہوئی رقم سے زیادہ دیا جاتا ہے بلکہ اس سے زیادہ دینے کو ضروری اور ارشی سمجھا جاتا ہے (اگرچہ اس تحفہ یا رقم کے واپس کرنے کا معاہدہ نہیں ہوتا) یہ شرعاً ناجائز اور حرام ہے۔

اس مروجہ بین دین کو ہبہ یا تحفہ تو نہیں کہا جاسکتا بلکہ یہ قرض ہے کیونکہ جب اس امداد اور تحفہ

کے نام سے دینے والے کی باری آتی ہے تو اس کی ادا بھی وہی وقت کرتے ہیں جن کی ادا پہلے یہ کر چکا ہے بلکہ اس کو ضروری اور اس سے زیادہ دینے والے کی بھی جاتا ہے تو ثابت ہوا کہ یہ قرض ہے چہ جب یہ قرض ادا ہوگا تو اپنے ساتھ ادھر سے مزید رقم بھیجے گا۔ اس طرح یہ قرض ایک طرح کا نفع لانے والا بن گیا اور یہ سود کی ایک صورت ہے یونہی حضرت مولانا مفتی محمد شفیع رحمہ اللہ نے اپنی تفسیر معارف القرآن میں قرآن کریم کی اس آیت کا وہ حصہ جس میں رب ربوہ فی مومن اساس کی تفسیر کرتے ہوئے اس کو سود کی ایک صورت قرار دیا ہے۔

(معارف القرآن: ۶/۷۳۸) (روح المعانی: ۱/۴۵)

اس مذکورہ بالا تفصیل اور مفسرین کے اقوال فقہاء کرام کی عبارات احادیث و آثار کی تحقیق سے یہ ثابت ہوا کہ یہ لین دین قرض ہے اس پر ہٹنے والی زیادتی سود کی ایک صورت ہے لہذا یہ رسم ناجائز اور حرام ہے۔

تمام لوگوں کو اس رسم سے بچنا واجب ہے اگر کسی کے ذمہ اس کی رقم باقی ہو تو ان پر ضروری ہے کہ وہ فوراً اس رقم کو ادا کریں اور اگر خود کسی سے لینی ہے تو اُرد و وصول کرنا چاہیے تو وصول کر لیں ورنہ معاف کر دے آئندہ اس سے اجتناب کرے۔

التفاخر بالانساب

حضرت مفتی محمد شفیع صاحب رحمہ اللہ کی ایک تحریر پیش خدمت ہے

زخاک آفریت خداوند پاک تو اے بندہ افتادگی کن چو خاک

تفاخر بالانساب کا سب سے زیادہ چمچا عرب جاہلیت میں رہا جس کو اسلام نے آ کر مٹایا۔

پھر قرون مابعد میں مسلمانوں میں دوبارہ یہ بلا پیدا ہو گئی۔ لیکن یہ ایک ایسی چیز ہے کہ جس کو اعتقاداً سب ہی برا جانتے ہیں، خواہ غفلت کی وجہ سے مبتلا ہو جائیں اس لیے اس بحث میں زیادہ تفصیل کی حاجت نہیں، چند احادیث اور اقوال سلف کو بطور تذییر و نصیحت ذکر کرنا کافی ہے۔

ارشاد نبوی:

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے فتح مکہ کے روز طواف سے

فارغ ہونے کے بعد ایک خطبہ دیا، جس میں ارشاد فرمایا

”اللہ تعالیٰ کا شکر ہے جس نے تم سے میوب جاہلیت اور غرور و تمہادہ فرمایا۔

(اب) انسان کی (صرف) ۱۰ قسمیں ہیں، ایک نیک متقی اور والدہ کے نزدیک عزت والا

ہے اور دوسرا فاسق و فاجر اور وہ اللہ کے نزدیک ذلیل ہے۔

(الفرض مدار عزت و ذلت اللہ کے نزدیک تقویٰ و عمل صالح ہے، انساب و قبائل نہیں) سب

آدمی حضرت آدم علیہ السلام کی اولاد ہیں، اور آدم علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے مٹی سے پیدا فرمایا، اس

کے بعد آپ نے یہ آیت تلاوت فرمائی

﴿يٰۤاٰدَمُ اَسْكُنْ اِيْهَا اَنْتَ وَ زَوْجُكَ الْجَنَّةَ مَعَ الْاٰدَمِ﴾

وقائل لتعارفوا ان اكرمكم عند الله اتقاكم ﴿

یہ حدیث ترمذی اور بیہقی، غیر و محدثین نے روایت کی ہے۔ (از تفسیر روح المعانی ۳/۱۴۸)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ روایت فرماتے ہیں کہ آپ ﷺ نے حجۃ الوداع میں ایام تشریق

کے درمیان ایک خطبہ دیا جس کے بعض کلمات یہ تھے:

اے لوگو! تمہارا مالک پروردگار ایک ہے، کسی عربی کو عجمی پر یا عجمی کو عربی پر کوئی فضیلت نہیں

اور نہ کسی کا لے کو گورے پر، نہ گورے کو کالے پر مگر تقویٰ کے ساتھ۔

﴿اِنْ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اتْقَاكُمْ﴾

پھر حاضرین سے خطاب کر کے فرمایا کہ میں نے حکم خداوندی اچھی طرح پہنچا دیا یا نہیں؟

لوگوں نے عرض کیا بیشک، آپ نے فرمایا کہ تو حاضرین یہ نصائح مانہیں تک پہنچا دیں۔

(بیہقی، اس مردودہ روح: ۱۴۸/۹)

حضرت حذیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا

”تم سب آدم علیہ السلام کی اولاد ہو اور آدم علیہ السلام مٹی سے پیدا کیے گئے، ہر قوم و نسل پر یہ

کہ اپنے آباء و اجداد پر فخر کرنے سے باز آجائے، ورنہ اللہ کے نزدیک وہ نجاست کے پتروں سے

بھی زیادہ ذلیل ہو جائیں گے۔ (رواہ الطبرانی مسندہ روح: ۱۴۹)

فخر بالانساب پر آنحضرت ﷺ کی تنبیہ اور ابوذر غفاریؓ کا قابل تقلید عمل:

حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ایک شخص کے ساتھ کسی معاملہ میں گفتگو تیز ہو گئی

اور ان کی زبان سے نکل گیا ”یا ابن السوء“ آنحضرت ﷺ نے سن یہ تو فرمایا

یا انا در صف الصالح صف الصالح من لاس البصاء علی س

السوداء فصل .

اے ابو ذر! تم سب ایک ہی چہانہ سے ماپے ہوئے (برابر برابر) ہو، یعنی ایک ہی باپ کی اولاد ہو کسی گورے کو کالے پر کوئی فضیلت نہیں۔

حضرت ابو ذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس کی کہاں تاب لا سکتے تھے کہ ان کی کوئی حرکت سرور عالم ﷺ کے خلاف مزاج واقع ہو، الفاظ مذکورہ کا زبان مبارک سے سننا تھا کہ فوراً زمین پر لیٹ گئے اور اس شخص سے جس کے متعلق نامزد الفاظ نکل گئے تھے، عرض کیا کہ کھڑے ہو کر میرے چہرے پر پیر رکھو۔ یہ واقعہ احیاء العلوم میں مذکور ہے اور تخریج عراقی میں بحوالہ مسند احمد اس کی تائید کی گئی ہے۔ (احیاء العلوم: ۳/۳۰۳)

حسب و نسب پر فخر و غرور اور دوسروں کی تحقیر کے متعلق حدیث، تفسیر اور اخلاق و سیر مختلف فتون اسلامیہ کی کتابوں میں مذمتوں اور قبائل کا مفصل تذکرہ کیا گیا ہے اور بلاشبہ وہ شخص جو کوئی ذاتی کمال نہیں رکھتا محض شرافت نسب پر فخر کرتا ہے اس کی مثال ٹھیک ایسی ہے جیسے کوئی شخص کسی مردہ کے حلق میں خمیرہ مروا رید ڈال دے یا کسی سڑے ہوئے مردار کی گردن میں تراں قدر جواہرات کا ہار لٹکا دے تو اس سے نہ مردہ میں کوئی قوت پیدا ہوگی اور نہ سڑے ہوئے مردار میں کوئی زینت۔

یہ مثال اس جگہ اس لیے بھی زیادہ چسپاں اور صحیح ہوگی کہ جس طرح مردہ بے جان میں خمیرہ مردار پیدا اور عقبہ جواہرات کے بے سود اور بے کار ہونے سے یہ لازم نہیں آتا کہ یہ چیزیں بالکل بیکار ہوں اسی طرح اس جگہ بد اعمالی اور بد اخلاقی کے ساتھ شرافت نسب کے بیکار و بے فائدہ ہونے سے بھی شرافت نسب کا مطلقاً غیر مفید و بیکار ہونا لازم نہیں آتا بلکہ معلوم ہوتا ہے کہ شرافت نسب ایک نعمت الہیہ ہے مگر اس کے مفید ہونے کے لیے اپنے ذاتی اعمال و اخلاق کا کافی الجملہ درست ہونا شرط ہے۔

اس لیے جس شخص کو اللہ تعالیٰ شرافت نسب کی نعمت عطا فرمائے اس کو تو بہ نسبت دوسروں کے اور بھی زیادہ اصلاح اعمال و اخلاق کی طرف توجہ کرنی چاہیے کیونکہ اول تو اس نعمت کا اقتضاء اور شکر یہ یہی ہے۔ دوسرے بزرگوں کی طرف نسبت جتنی زیادہ ہے اتنی ہی اس کی ذمہ داریاں زیادہ

ہیں مگر آج بہت کی بات رہنے لگے یہ بدنامی کے مواقع سے بچیں۔

الانتساب الی غیر الانساب:

معاملہ انساب میں دوسری بے اعتدالی یہ ہے کہ بعض لوگ اپنا نسب آبائی چھوڑ کر اپنے آپ کو دوسرے انساب کی طرف منسوب کرتے ہیں۔

ایک قوم اس میں سرگرم ہے کہ اپنے آپ کو انصاری ثابت کرے اور اپنا نسب انصار سے جو ملائے تو دوسری اس کے درپے ہے کہ اپنے آپ کو قریش میں داخل کرے، تیسری یہ چاہتی ہے کہ راعی بن کر عرب میں داخل ہو جائے کوئی اس فکر میں ہے کہ اپنے آپ کو شیخ صدیقی یا فاروقی، عثمانی، علوی ظاہر کرے تو کوئی سید بننے کے درپے ہے۔

اور منشاء اس کا تکبر و غرور ہے جو فی نفسہ بھی گناہ کبیرہ ہے اور اس کی وجہ سے یہ نسب بدلنا مستقل دوسرا کبیرہ گناہ ہے، احادیث صحیحہ صریحہ میں اس پر سخت وعیدیں وارد ہوئی ہیں جن میں سے بعض کے ترجمے ذیل میں درج ہیں

حضرت سعد بن ابی وقاص اور ابوبکرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا:

من ادعی الی غیر ابيه و هو یعلم انه غیر ابيه فالجنت علیہ حرام .

(رواہ البخاری و مسلمہ و ابوداؤد و اس ماحہ برعب و رعب ۳ ۵۷)

جو شخص اپنے آپ کو اپنے باپ کے سوا کسی اور کی طرف منسوب کرے حالانکہ وہ جانتا ہے کہ یہ میرا باپ نہیں تو اس پر جنت حرام ہے۔

اور اسی مضمون کی ایک حدیث بخاری و مسلم میں حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔

اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے اپنے خطبہ میں ارشاد فرمایا کہ بخدا ہمارے پاس سوائے اس کتاب اللہ کے اور کوئی نیا قرآن نہیں جس کو ہم پڑھتے ہوں، البتہ رسول اللہ ﷺ کا ایک وا، نامہ ہے جس میں چند احکام مذکور ہیں جس کو کھول کر سنایا اس میں منجملہ دوسرے احکام کے ایک یہ بھی تھا

من ادعی الی غیر ابيه او انتصی الی غیر موالیه فعليه عنة اللہ

و املائکہ و اس اجمعین لا یقبل لہ منه یوم نقیامة عدلا و لا

صبر

(۱۸۳) مسئلہ : نہادہ میں مہاجرین کا رہنا

جو شخص اپنے باپ کے سوا کسی دوسرے کی طرف اپنی نسبت کرے یا آزاد کردہ غلام اپنے آپ کو اپنے آقا کے قبیلہ کے سوا اور قبیلہ کی طرف نسبت کرے تو اس پر اللہ تعالیٰ کی لعنت ہے اور فرشتوں کی اور تمام انسانوں کی اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس کا فرض قبول فرمائے گا نہ نفل۔

اور یہ مضمون کی حدیث حضرت انس رضی اللہ عنہ سے ابو داؤد میں اور عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مسند احمد وابن ماجہ وغیرہ میں بھی مروی ہے۔

حضرت عمر بن شعیب رضی اللہ عنہ کی اپنے دادا سے روایت ہے کہ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا "نسان کے نہادے لیے یہی کافی ہے۔ وہ کسی نسب سے تبری کرے اگرچہ وہ نسب ادنیٰ ہی ہو اور ایسے نسب کا دعویٰ کرے جس میں اس کا ہونا معروف نہیں، اس حدیث کو امام احمد اور طبرانی وغیرہ نے روایت کیا ہے۔ (از ترغیب: ۸۸/۳)

حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا کہ جو شخص اپنے آپ کو اپنے باپ کے سوا دوسرے کی طرف منسوب کرے وہ جنت کی خوشبو بھی نہیں پائے گا۔ حالانکہ اس کی خوشبو ستر سال کی مسافت سے محسوس ہوتی ہے۔ (مسند احمد، ابن ماجہ از ترغیب ۸۸/۳)

حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ سرور عالم ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے

من ادعی بسالا یعرف کفر باللہ او اتقی من نسب وان دق

کفر باللہ . (رواہ الطبرانی الاوسط ترغیب: ۸۹، ۳)

جو شخص کسی ایسے نسب کا دعویٰ کرے جو اس کے لیے معروف نہیں تو اس نے اللہ تعالیٰ کا کفر کیا (یعنی نافرمانی کی) یا کسی نسب سے تبری کی اگرچہ وہ ادنیٰ نسب ہو تو اس نے اللہ تعالیٰ کا کفر کیا۔

احادیث مذکورہ کی اس قدر سخت وعیدوں کے سننے اور سمجھنے کے بعد بھی کیا کوئی مسلمان نسب بدلنے اور خلاف واقع ظاہر کرنے پر جرات کرے گا؟

ہرگز باور نہی آید زروئے اعتقاد ایں ہمہ ہا کردن و دین پیبرداشتن

بعض نسب بدلنے والوں کا عذر رنگ:

کہا جاتا ہے کہ کپڑا بننے والوں کا نام جو ہمارے عرف میں جولا ہا ہے یہ نام مستنکر و مکروہ ہے

یونکہ یہ غلط دراصل سنسکرت زبان کا ہے جس کے معنی ظالم کے ہیں اور برے ناموں کے رکھنے سے آپ ﷺ نے ممانعت فرمائی ہے، اس لیے ہم اپنے کو بجائے جولابا کے انصاری کہتے ہیں اور وجہ مناسبت یہ ہے کہ پیشہ حضرت ابوالیوب انصاری رضی اللہ عنہ کا بھی یہی تھا۔ الغرض ہم اپنے کو انصاری بہ حیثیت نسب نہیں کہتے بلکہ بہ حیثیت پیشہ کہتے ہیں۔

لیکن انہیں معلوم ہونا چاہیے کہ اول تو یہ غلط ہے کہ جولابا کے معنی اردو میں مستنکر و مکروہ ہیں کیونکہ اصل غلط چاہے سنسکرت کا ہو یا کسی اور زبان کا اور معنی ظالم کے ہوں یا چٹھ اور لیکن اردو میں اس کا مفہوم اس سے زائد نہیں کہ کپڑا بننے والے کو جولابا کہتے ہیں اور ناموں کے مکروہ و مستنکر ہونے کا اعتبار اسی زبان کے اعتبار سے ہونا چاہیے جس زبان کا لفظ سمجھ کر استعمال کیا جاتا ہو۔ اس لیے اردو زبان میں یہ لفظ کوئی مکروہ لفظ نہیں خواہ سنسکرت میں اس کے معنی کتنے ہی قبیح ہوں۔ ہمدادہ ازیں اگر یہی باعث تھا تو کوئی اور نام جیسے نور باف یا بافندہ وغیرہ رکھ لیتے۔ غلط انصاری جو ایک خاص خاندان کے لیے بولا جاتا ہے اور اسی معنی میں شہرت پا چکا ہے اس کو اپنا لقب قرار دینا عرف عام کے لحاظ سے اسی نسب کا مدعی بننا ہے۔

اور احادیث صحیحہ سے معلوم ہو چکا ہے کہ غیر نسب کی طرف اپنے کو منسوب کرنا سخت حرام اور وعید شدید کا موجب ہے اور اگر بالفرض کسی کی نیت ادعائے نسب کی نہ ہو بلکہ محض پیشہ کے لحاظ سے نسبت کرنا مقصود ہو تو کم از کم التباس اور مغالطہ سے خالی نہیں۔

جیسے کوئی نبی اور رسول اپنے آپ کو کہنے لگے اور معنی یہ مراد لے کہ میں خبر دینے والا قاصد ہوں تو شرعاً اس معنی سے بھی اپنا لقب نبی اور رسول رکھنا حرام ہے، کیونکہ التباس کا سبب ہے۔ ان سب باتوں کو چھوڑ کر یہ بات بھی قابل لحاظ ہے کہ منشاء ان نسبتوں کے تقرر اور اقباب کے اور دو بدل کا وہی ایک مرض لا علاج محض تکبر و تعلیٰ ہے جو خود حرام اور ناجائز ہے۔

اور جو اس کے بعد بھی عزت فانیہ موہومہ پر عزت ابدیہ یقینیہ کو قربان کرے وہ مسکین قابل رحم ہے، اس کی عقل و دانش پر تعزیت کرنی چاہیے کہ کس متاع گراں مایہ کو اس قدر ستادے دیا۔ میں تو مینا نہ میں گا ہک نہ ہوا عزت کا دین کے بدلہ میں ملتی تھی تو سستی کیا تھی اور تجربہ تو یہ ہے کہ اس طرز سے عزت فانیہ دنیویہ بھی حاصل نہیں ہوتی بلکہ اس قسم کے لوگ اور بھی زیادہ نظروں سے گر جاتے ہیں۔

عزیز کے ازاد بنش رہتا ہے۔ بہرہ ور کہ شد پہنچ عزت نیافت
اور مرخداوند کا مزار پتہ سمیت دیکھ فرمائیں تو انسان کی نظر ایسی ہی جھپٹتی جاتی ہے
جہاں یہ بات روز روشن کی طرح مشاہدہ میں آ جاتی ہے کہ دنیا دراصل عزت و ذلت سب خواب
و خیال ہیں، عقل کا کام نہیں کہ اس کے حصول پر فخر یا عدم حصول پر افسوس کرے۔

زمین شہیم چہ شد، آسمان شہیم چہ شد پشتم خلق سب یا سراں شہیم چہ شد
پنج رنگ دریں گلستان قرارے نیست تو رہار شدی ماخرن شہیم چہ شد
اور یہ بات آنکھوں کے سامنے آ جاتی ہے کہ ”سہاگن وہی نیک پیاچا ہے“ عزت وہی عزت
ہے جو دربار الہی میں سرخرو کرے اور اس کے سوا ہر عزت ذات و رسوائی کی مرادف اور متاع غرور
ہے۔

ایارب دل ساق للممس عرة وایارب نفس بالتدلیل عرة

اکبر مرحوم نے خوب کہا ہے

گو یہ عزت ہے کہ پائی تری محفل میں جہد لذت اس میں ہے کہ گلے ترے دل میں جہد

﴿ایستعوا عندہم العرة فان العرة لہ حمیہ﴾

کیا وہ لوگوں کے پاس عزت ڈھونڈتے ہیں بے شک عزت تو تمام اللہ تعالیٰ ہی کے قبضہ
قدرت میں ہے۔

حقیقی عزت و ذلت نسب کے تابع نہیں:

اور اگر کسی شخص کو یہی مقصود ہو کہ دوسروں پر فضیلت و فوقیت حاصل کرے تو اس کی بھی یہ
صورت نہیں کہ اپنا اصلی نسب چھوڑ کر دوسرے انساب کے سلسلہ میں اپنے آپ کو داخل کرنا پھرے
اور اس کی کوشش میں رہے کہ بعید قرائن کا سہارا لے کر کسی اونچے نسب نامہ میں اپنا نام درج کر
دے جیسے آج کل بہت سے لوگوں کو یہ ابتلا پیش آیا ہے۔

ایسے ہی الایعنی حیلے اور قرینے جمع کر کے کوئی انصاری بنتا ہے کوئی قریشی اور کوئی راعی بلکہ
عزت و تفوق کی چیز علم اور حسن اخلاق اور اعمال و فاضلہ ہیں ہمیشہ عزت کا مدار یہی رہے ہیں۔

حضرت بلال حبشی رضی اللہ عنہ آج دنیا میں تشریف لے آئیں تو اس گنی گزری حالت اور
بے پروائی کے زمانہ میں بھی یقین ہے کہ بڑے بڑے عزت کی لمبی ناک رکھنے والے اونچے

اونچے نسب سے دُک ان سے پیار ہونے والا نفع بخش ہے، یہی وجہات ہے کہ جس نے بڑے ہاتھ ہوں کو اپنی اپنی نسب کے لوگوں کے ساتھ جھکا دیا۔ اور یہی وجہات ہے جس نے لیے ہارون رشید اور ان کے دونوں صاحبزادے ایس اور مامون کا سہ مدائی سے کر حضرت مامک بن انس رحمہ اللہ کے دروازے پر آتے تھے اور یہی وہ تاج سلطنت ہے کہ جس نے نہ ہونے سے دنیا کے بہت سے نامور بادشاہوں کے ماتھے میں کاسر گدائی دلوائی۔

(ماحول از جواہر الفقہ : ۲ : ۱۰۱)

لے پالک کا حکم:

بعض لوگ قضاء الہی سے اولاد کی نعمت سے محروم ہوتے ہیں اب وہ اولاد کے شوق میں سی دوسرے سے بچے گود لیتے ہیں اس میں شرعی لحاظ سے نئی خرابیاں سامنے آتی ہیں مثلاً ایک اہم مسئلہ اس کے نسب بیان کرنے کا ہے تعلیم کے سلسلہ میں مختلف سرکاری محکموں میں اصل باپ کی بجائے گود لینے والے کا نام لکھوایا جاتا ہے حالانکہ غیر باپ کی طرف نسبت کا بڑا گناہ ہونا اور پر مذکور ہو چکا ہے، نیز ممالک کے سفر کی ضرورت پیش آئے تو پاسپورٹ سمیت بہت سی جگہوں میں جھوٹی نسبت لکھوائی جاتی ہے۔

شادی کے موقع پر باپ کے بجائے گود لینے والے کا نام لکھ کر جھوٹی نسبت کی جاتی ہے۔ ثانیاً، اگر وہ لڑکی گود لینے والے کے لیے اجنبی ہو تو نو سال کے بعد اس سے اور اس کے دیگر رشتہ داروں سے پردہ کرنا فرض ہو جائے گا اور اس پر عمل بہت مشکل سے ہو پائے گا۔

اور اگر لڑکا ہو اور اس کی بیوی کا غیر محرم ہوگا تو بلوغ کے ساتھ اس کی بیوی سے پردہ فرض ہو جائے گا، اس پر عمل بھی مشکل ہوگا۔

تو گود لینے کا عمل اگرچہ فی نفسہ جائز ہے لیکن ان خرابیوں کے پیش نظر احتیاط بہر حال اولیٰ ہے اگر کسی نے گود لیا تو ان خرابیوں سے بچنا لازمی اور ضروری ہے۔

خضاب کا حکم:

سیاہ رنگ کے سوا دوسرے رنگوں کا خضاب علماء مجتہدین کے نزدیک جائز بلکہ مستحب ہے اور سرخ خضاب خالص حناء کا یا کچھ سیاہی مائل جس میں کتم شامل کیا جاتا ہے مسنون ہے۔ جناب نبی کریم ﷺ سے جمہور محدثین کے نزدیک ایسا خضاب استعمال کرنا ثابت ہے، صحیح بخاری میں عثمان

بن عبد مدائن موزن سے مروی ہے کہ ہم اس سمرہ رضی اللہ عنہا کے پاس گئے تو انہوں نے ہمارے لیے نبی کریم ﷺ کا موئے مبارک نکالا۔ اےھا تو وہ حناء تم سے خضاب کیا ہوا تھا۔

(رأد المعاد : ۱۲۶/۲)

اسی طرح جناب نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا

إن أحسن ما عبرتم به الشيب الحناء والکتم .

(رواه السنن الاربعه)

بہترین رنگ جن سے سفید بالوں کی سفیدی تبدیل کی جائے مہندی اور دوسرے ہیں۔

سیاہ خضاب کا حکم:

سوال سیاہ خضاب کا کیا حکم ہے؟

جواب سیاہ خضاب کا استعمال خواہ داڑھی میں ہو خواہ سر میں حرام ہے چنانچہ صحیح احادیث میں سفید بالوں کے تبدیل کے لیے حناء (مہندی) اور کتم (دوسرے) استعمال کرنے کی ترغیب اور خالص سیاہ رنگ استعمال کرنے پر بہت سخت وعیدیں آئی ہیں۔ چنانچہ جناب نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ آخر زمانہ میں کچھ لوگ آئیں گے جو کبوتروں کے پوٹوں کی طرح سیاہ رنگ کا خضاب کریں گے یہ جنت سے اتنے دور رکھے جائیں گے کہ اس کی خوشبو بھی نہ سونگھ سکیں گے۔

(ابو داؤد، نسائی، احمد)

وعن ابی الدرداء رضي الله عنه مرفوعاً من حضرت بالسواد سود الله وجهه يوم القيامة .

جو سیاہ خضاب استعمال کرے گا اللہ تعالیٰ روز قیامت اس کا چہرہ سیاہ کر دیں گے۔

عن جابر رضي الله عنه قال اتى بابي فحافة رضي الله عنه يوم فتح مكة ورأسه كالشعامة ، فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم عيروا هذا بشيء واحتسوا السواد . (مسلم، ابو داود، نسائی،

احمد)

یعنی فتح مکہ کے روز حضرت ابو قحافہ رضی اللہ عنہ آپ ﷺ کی خدمت میں لائے گئے ان کے داڑھی کے بال شگامہ گھاس کی طرح سفید تھے تو آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا ان کی سفیدی کسی

چیز سے تبدیل کر دو لیکن سیاہ رنگ سے اجتناب برتو۔

يستحب للرجل خضاب شعره ولحيه الى . قوله ويكره

بالسواد . (الدرالمختار على هامش ردالمحتار : ٤٢٢/٦)

(یعنی مرد کے لیے سر اور داڑھی پر خضاب کرنا مستحب ہے مگر سیاہ رنگ کا خضاب مکروہ تحریمی

ہے)

حضرت اقدس مولانا اشرف علی تھانوی رحمہ اللہ نے فرمایا کہ سر اور داڑھی میں سیاہ خضاب

لگانا از روئے شرع حرام ہے۔ کیونکہ کلیاً و جزاً اس پر وعید آئی ہے۔

حضرت مفتی عبدالرحیم لاچپوری رحمہ اللہ کا فتویٰ

سوال سر کے بال جوانی میں سفید ہو جائیں تو سیاہ خضاب لگانا کیسا ہے؟

جواب۔ سیاہ خضاب لگانا سخت گناہ ہے احادیث میں اس پر وعید آئی ہے۔

(فتاویٰ رحیمیہ : ٢٩٠/٦)

جدید ہیمز کلر کا حکم:

آج کل ہیمز کلر کے نام سے جو مہندی کا رنگ آرہا ہے اس کا حکم یہ ہے کہ جو ہیمز کلر بالوں کو

خالص سیاہ کر دیں نہ صرف مکروہ تحریمی ہے بلکہ بروئے حدیث باعث لعنت اور جنت سے محرومی کا

سبب بھی ہے۔ البتہ جو ہیمز کلر بالوں کو خالص سیاہ نہیں کرتے بلکہ سیاہی مائل سرخ کرتے ہیں ان

کا استعمال بلا کراہت جائز ہے۔

واضح رہے کہ یہ اس ہیمز کلر کا حکم جن میں حرام اشیاء نہ ہوں اگر حرام اشیاء ہوں تو ان کا

استعمال مطلق حرام ہے خواہ بالوں کو خالص سیاہ کریں یا نہ کریں۔

(ماحودار حصاب کا شرعی حکم ، فتویٰ دارالافتاء سوری ماؤن)

مجاہدین کے لیے سیاہ خضاب کا حکم:

سوال۔ مجاہد کے بال سفید ہو گئے ہوں تو جہاد میں جاتے وقت دشمن پر رعب ڈالنے کی غرض

سے سیاہ خضاب استعمال کر سکتے ہیں؟ شرعاً اس کا کیا حکم ہے؟

جواب۔ دشمن پر رعب ڈالنے کی غرض سے جہاد کے موقع پر سیاہ خضاب کا استعمال بالاتفاق

محمود و مستحسن ہے۔

قال في الدخيرة : اما المصنوع السواد للعرى ليكون ابيض في
عبر السعدو . فهو محمود بالاتفاق . وإن يربى نفسه للنساء مكروه
وعليه عامة المشايخ . (فتاوى شامى . ٦ / ٤٢٢)

وعبر واهذا ابيض واجتنبوا السواد قال الحموي هذا في حق
عبر العرة ولا يحرم في حقهم للارهاب . (فتاوى شامى : ٦ / ٧٤٦)

مروجہ حیلہ اسقاط:

مروجہ حیلہ اسقاط کے متعلق ایک مفصل سوال و جواب لکھا ہوا نقل کیا جاتا ہے

کیا فرماتے ہیں علماء دین و مفتیان دین مبین اس مسئلے کے بارے میں
ہمارے علاقہ میں زمانہ قدیم سے رائج ہے کہ جب کوئی شخص مر جاتا ہے اور اس کو تدفین کے
لیے قبرستان لے جاتے ہیں تو نماز جنازہ کے بعد دو تین سو افراد کا ایک بڑا دائرہ بنایا جاتا ہے اور
اس بڑے دائرے کے اندر ایک چھوٹا دائرہ بھی بنایا جاتا ہے جس میں ایک عالم ہوتا ہے۔ یہ عالم
دار شومیت سے چادر میں لپی ہوئی رقم جس پر ایک قرآن کریم بھی رکھا ہوتا ہے وصول کر کے پہلے
چھوٹے دائرے میں اس کے بعد پھر بڑے دائرے میں ایک بار گھما کر حیلہ اسقاط کرتا ہے۔ ہر
شخص "قبلت و وہبت لک" کہتا ہے جب کہ اکثر لوگ اس کے معنی و مفہوم سے واقف ہی نہیں
ہوتے۔ اس کے بعد میت کے بعض ورثاء اور متعلقین اکٹھے ہو کر رقم کی مقدار متعین کرتے ہیں اور
متعینہ رقم ہر شخص کو دی جاتی ہے جس کے بعد سب واپس جاتے ہیں۔

اس مروجہ حیلہ اسقاط سے کوئی بھی مستثنیٰ نہیں، خواہ مرنے والا شیر خواہ بچہ ہو یا نہایت مفلوک
الحال کوئی غریب ہو، خواہ اس کی وصیت کی ہو یا نہ کی ہو، ہر حال میں لازم تصور کیا جاتا ہے۔ اگر
میت نے ترکہ میں کچھ بھی نہ چھوڑا ہو تو اس کے ورثہ قرض لے کر اس کا اسقاط کرتے ہیں اور اگر
میت کے ورثہ بالغ نہ ہو تو بالغ ورثہ سے یہ رقم وصول کی جاتی ہے۔

اشہار الحج میں بعض اوقات اتنی رقم تھماتے ہیں کہ آدمی پر حج فرض ہو جاتا ہے، کیا ہیہہ کرنے
سے فریضہ حج ساقط ہو جاتا ہے؟ نیز ہیہہ بھی رواجی ہے حد درجہ محتاج شخص پر بھی ہیہہ کرنا لازم ہے۔
مندرجہ بالا طریقہ کار اعمال تدفین کا لازمی حصہ سمجھا جاتا ہے۔ اسے ترک کرنے والا پرن
طعن کی جاتی ہے اس لیے بعض لوگ اس کو چھوڑنے میں شرم و عار محسوس کرتے ہیں۔

لہذا آپ سے گزارش ہے کہ اس کے بارے میں حکم شرعی صادر فرما میں کہ آیا اس قسم کا عمل جائز ہے یا نہیں؟ اگر نہیں تو اس عمل کا مرتب گناہ گار ہو گا یا نہیں؟

بعض لوگ کہتے ہیں کہ اگر میت سے فرائض فوت نہ ہوئے ہوں تو یہ اس کے لیے صدقہ ہوتا ہے یا واقعی یہ صحیح ہے؟ تفصیل سے جواب مطلوب ہے۔ بیوا تو جروا

جواب یہ مروجہ طریقہ ناجائز اور بدعت ہے۔ قرآن، حدیث اور فقہ میں اس کا کوئی ثبوت نہیں اور نہ ہی قرون مشہود لہذا بالخیر میں اس کا کوئی وجود ہے۔

ف۔ مہ تعالیٰ ﴿الیوم اکملت لکم دینکم و انعمت علیکم

نعمتی و رخصت لکم الاسلام دینا﴾

﴿لقد کان لکم فی رسول اللہ اسوۃ حسنۃ﴾

جو فعل رسول اللہ ﷺ نے نہیں کیا ہم اسے ثواب سمجھ کر کرنے لگیں تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ نعوذ باللہ حضور ﷺ نے دین کو پوری طرح نہیں سمجھا۔ ہم آپ ﷺ سے دین کے مسائل کو زیادہ سمجھ رہے ہیں اور معاذ اللہ آیت ﴿الیوم اکملت لکم دینکم﴾ بھی غلط ہے، غرضیکہ اپنی طرف سے دین میں زیادتی کرنا سخت گناہ ہے۔

قال السی صلی اللہ علیہ وسلم: "کل بدعة ضلالة."

علاوہ ازیں حیلہ اسقاط کا جو مروج طریقہ ہے، یہ کئی مفاسد پر مشتمل ہے، اولاً اس میں تملیک فقراء اس طرح کی جاتی ہے کہ اس سے تملیک متحقق نہیں ہوتی، ثانیاً اس سے فساد عقیدہ لازم آتا ہے کہ عوام گناہوں پر دلیر ہو جاتے ہیں اور نماز روزہ کی پرواہ نہیں کرتے۔ ثالثاً اس کا ایسا التزام کیا جاتا ہے کہ اسے بھی کفن دفن کے اعمال میں سے ایک مستقل عمل سمجھا جاتا ہے، جبکہ التزام کرنے سے مباح بلکہ مندوب کام بھی ناجائز ہو جاتا ہے۔ کما صرح بہ فی الشامیہ وغیرہا رابعاً تہائی مال سے فدیہ اداء نہیں کیا جاتا حالانکہ ترکہ کے تہائی حصہ تک فدیہ کی وصیت کرنا اور اس کا ادا کرنا لازمی ہے اور تہائی مال سے فدیہ ادا کرنے کے بعد بھی فدیہ باقی رہ جائے تو اس حالت میں بعض فقہاء نے حیلہ کی اجازت دی تھی مگر فی زمانہ فساد عقیدہ کی وجہ سے یہ بھی جائز نہیں۔

نیز مروجہ حیلہ میں ایک خرابی یہ بھی ہے کہ اس میں نابالغ اور یتامی کا مال بھی دیا جاتا ہے جبکہ نابالغ کا مال اس کی اجازت سے بھی کسی کو دینا جائز نہیں۔ خلاصہ یہ کہ مروجہ حیلہ اسقاط مذکورہ بالا

مفسد کی وجہ سے شرعاً ناجائز ہے۔

چند رسوم باطلہ اور بدعات مروجہ کا بیان:

۱. میت کے سر پر عمامہ باندھنا مکروہ اور بدعت ہے۔

(احسن الفتاویٰ: ۴/۲۱۶)

۲. میت کے منہ دکھائی کی رسم بہت سے مفسد پر مشتمل ہونے کی وجہ سے واجب

الترک ہے۔ (احسن الفتاویٰ: ۴/۲۲۹)

۳. دفن کے بعد نفی نفسہ دعا کا ثبوت ہے، البتہ التزاماتین دفعہ دعا مانگنا اور اجتماعی دعا

کرنا بدعت ہے۔ (ماخوذ از احسن الفتاویٰ: ۴/۲۳۴)

۴. مروجہ حیلہ اسقاط ناجائز اور بدعت ہے، قرآن و حدیث و فقہ میں اس کا کوئی

ثبوت نہیں اور نہ ہی قرون مشہور لہا بالخیر میں اس کا کوئی وجود ہے۔

(احسن الفتاویٰ: ۱/۳۴۹)

۵. میت کے گھر دعوت کا التزام ناجائز اور بدعت ہے۔

(احسن الفتاویٰ: ۱/۳۵۵)

۶. تعزیت کی دعاء میں ہاتھ اٹھانا بدعت ہے۔ (احسن الفتاویٰ: ۴/۲۴۵)

۷. اپنے طور پر صدقات نافلہ یا تلاوت و تسبیح و تہلیل وغیرہ کا ثواب میت کو پہنچانا

حدیث سے ثابت ہے، البتہ ایصال ثواب کے لیے اجتماع کا اہتمام دنوں کی تعیین کرنا بدعت اور

ناجائز ہے۔ (احسن الفتاویٰ: ۴/۳۶۲)

۸. ایصال ثواب کے لیے قرآن خوانی پر اجرت لینا دینا دونوں ناجائز ہے۔

(احسن الفتاویٰ: ۷/۲۹۲)

۹. تعزیت کے لیے مستقل اجتماع کا اہتمام کرنا درست نہیں ہر ایک اپنے طور پر

کئے اور اتنا قیہ طور پر اکٹھے ہو گئے تو اس میں کوئی حرج نہیں۔ (احسن الفتاویٰ)

۱۰. مرحوم کی بیوہ کے علاوہ دیگر عزیز واقارب کے لیے تین دن سے زیادہ سوگ منانا

جائز نہیں۔ (ماخوذ از کتب فقہ)

۱۱. جمعہ اور عیدین کے موقع پر کسی مخصوص رسم کو ادا کر کے غم تازہ کرنا جائز نہیں۔

۱۲. قبروں پر ہری شاخ گازنا فی نفسہ اس کا ثبوت تو ہے لیکن لوگوں نے اس کو لازم سمجھ لیا ہے اس لیے یہ عمل بدعت ہے۔ (حسن الفتاویٰ ۱/۳۷۴)
۱۳. قبر کو ایک بالشت تک اونچا بنانا مستحب ہے اور اس پر کوئی عمارت ہڑی کرنا منع ہے اس سے اجتناب لازم ہے۔ (رد المحتار: ۲/۲۳۷)
۱۴. قبر پر جھنڈیاں لگانا، قبر پر چادر ڈالنا یہ رسم بدعت ہے، اس کا کوئی ثبوت نہیں۔ (احسن الفتاویٰ: ۱/۳۷۴)
۱۵. قبروں پر چراغ جلانا جائز نہیں، کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے ایسے لوگوں پر لعنت فرمائی ہے۔ (مشکوٰۃ: ص ۷۱ باب المساجد)
۱۶. قبر کو اینٹ اور چونہ لگا کر مضبوط کرنا جائز نہیں البتہ گارے سے لپٹنا جائز ہے مگر احتراز بہتر ہے۔ (احسن الفتاویٰ: ۱/۱۹۷)
۱۷. قبر کو بوسہ دینا بیعت عبادت و تعظیم کفر ہے اور بلانیت عبادت بوسہ دینا گناہ کبیرہ ہے۔ (احسن الفتاویٰ: ۱/۳۶)
۱۸. قبر پر علامت کے طور پر میت کا نام اور تاریخ وفات لکھنا جائز ہے البتہ کتبہ قبر کے سرہانے سے کچھ ہٹا کر لگایا جائے۔ (احسن الفتاویٰ: ۱/۲۰۹)
۱۹. قبر کے سرہانے آیت قرآنیہ لکھنے میں بے ادبی ہے اس لیے جائز نہیں۔ (احسن الفتاویٰ: ۱/۲۴۱)
۲۰. اولیاء اللہ کے مزارات یا دیگر قبروں کا طواف ناجائز اور حرام ہے مخصوص تاریخوں میں یا مطلقاً کسی بھی وقت کیا جائے ہر صورت میں ناجائز اور حرام ہے۔ (فتاویٰ حقایقہ: ۲/۷۷ بحوالہ ارشاد الساری: ۳۴۲)
۲۱. دوسری جگہ کی مٹی اگر قبر میں ڈالنا چونکہ اس کا ثبوت نہیں ہے اس لیے بدعت ہے۔
۲۲. قبر پر حاضری دے کر ہو یا دور رہ کر غیر اللہ سے مدد مانگنا بہر حال ناجائز اور حرام ہے ایک مشرک نہ فعل ہے اہل اسلام میں سے کسی کے نزدیک بھی جائز نہیں ہے۔ (فتاویٰ رحیمیہ جدید: ۱/۴۵)

۲۳. قبر کے پتھر جسم پر منہ فساد عقیدہ کی دلیل ہے اس لیے ناجائز ہے اور اس سے اجتناب لازم ہے۔

۲۴. بیمار کو قبر پر لے جانا یہ بھی فساد عقیدہ کی دلیل ہے، قبر کوئی طبیب یا ڈاکٹر تو نہیں کہ اس کے لیے دوا تجویز کرے اس لیے یہ عمل ناجائز اور اس سے اجتناب لازم ہے۔

۲۵. درگاہوں کا نمب کھانا عموماً لوگ اس کو شفاء سمجھ کر کھاتے ہیں اس لیے یہ جائز نہیں۔ (خیر المتاوی: ۳/ ۱۸۵)

۲۶. مختلف بزرگوں کے مزارات پر جو عرس کے نام پر اجتماع منعقد کیا جاتا ہے اس میں اکثر لوگ مزاروں پر سجدہ وغیرہ کرتے ہیں مختلف طریقے سے نذر و نیاز سنت چڑھاوے چڑھاتے ہیں عورت و مردوں کا بے محابا اختلاط ہوتا ہے، سامع اور قوالی بھی ہوتی ہے، اس لیے یہ بدعت اور گمراہی ہے اور ایسا عرس منانا اس میں شرکت کرنا سب ناجائز ہے۔

(ملخص از امداد المصتین)

۲۷. انسان کو اپنے ہاتھ سے کما کر کھانے چاہیے قبروں پر مجاور بن کر بیٹھنا جائز نہیں ہے اس میں دین و دنیا دونوں کا نقصان ہے۔

۲۸. آیت الکرسی پڑھ کر ایصالِ ثواب کرنا فی نفسہ جائز ہے البتہ اس کے ساتھ اور کوئی رسم و رواج انجام نہ دیا جائے۔

۲۹. نماز میں زبان سے نیت کرنا ضروری نہیں ہے، اگر کوئی اپنی توجہ برقرار رکھنے کے لیے زبان سے نیت کرنا چاہے تو اتنے مختصر الفاظ کافی ہیں، مثلاً فجر کی دو رکعت فرض امام کے ساتھ پڑھتا ہوں باقی اس کو مقصود اور ضروری سمجھنا بدعت ہے۔

۳۰. اذان اور اقامت کے درمیان تجویب مکروہ ہے۔

(امداد الاحکام: ۱/ ۴۳۳)

۳۱. فرائض کے بعد اجتماعی دعا رسول اللہ ﷺ سے صراحت کے ساتھ ثابت نہیں ہے، اس لیے اس کا التزام بدعت ہے، لہذا ائمہ مساجد پر لازم ہے کہ فرائض کے بعد جبری دعاء کی رسم کو تو بالکل ترک کر دیں اجتماع سری، عاکے متعلق مقتدیوں کو یہ تبلیغ کرتے رہیں کہ یہ طریقہ سنت سے ثابت نہیں اس لیے اس کا زیادہ اہتمام نہیں کرنا چاہیے، بلکہ کبھی کبھار اجتماعی دعا میں مانع کر دیا

کریں تاکہ عوام کے ذہن سے اس طریقہ کی سنیت کا خیال نکل جائے، مگر عملی اقدام سے قبل بطریق احسن ملاحظت اور نرمی سے لوگوں کو مسئلہ کی حقیقت سمجھا میں اور خوب ذہن نشین کرا میں تاکہ انتشار اور فتنہ کی صورت پیدا نہ ہو۔ (ماحول اور احسن الفتاویٰ ۳/۶۸)

۳۲۔ سنن و نوافل کے بعد اجتماعی دعا کا کوئی ثبوت نہیں ہند سنن اور نوافل کے بعد اجتماعی دعا مانگنا بدعت ہے۔

۳۳۔ شریعت میں مصافحہ کا موقع اول ملاقات ہے نمازوں کے بعد متصل ملاقات و مصافحہ رسول اللہ ﷺ، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور ائمہ دین رحمہم اللہ تعالیٰ سے ثابت نہیں بلکہ یہ ردائض کی ایجاد اور بدعت ہے اس لیے اس سے احتراز واجب ہے۔

(احسن الفتاویٰ: ۱/۳۵۵)

۳۴۔ اذان کے بعد دعاء میں ہاتھ اٹھانا رسول اللہ ﷺ سے منقول نہیں اس لیے ہاتھ اٹھائے بغیر ہی دعاء مانگی جائے۔ (ماحول اور فتاویٰ رحیمیہ جدید ۲/۲۴۱)

۳۵۔ علماء احناف کے ہاں رائج مذہب یہ ہے کہ تنہا جمعہ کا روزہ بھی مکروہ نہیں البتہ جن احادیث میں نہیں وارد ہے وہ ضعف اور کمزوری وغیرہ پیدا ہو جانے پر محمول ہیں کہ جس کی وجہ سے جمعہ کی ادائیگی میں فرق آتا ہو۔

قال العلامة ابن العابدین رحمہ اللہ تعالیٰ: ولا بأس بصوم يوم الجمعة عند ابي حنيفة رحمه الله، ومحمد رحمهم الله لما روي عن ابن عباس انه كان يصومه ولا يفطر.

(فتاویٰ حقانیہ: ۴/۱۴۹، رد المحتار: ۲/۹۱ کتاب الصوم)

۳۶۔ تراویح کے ہر ترویجہ یعنی ہر چار رکعت کے بعد چھ دیر بیٹھنا مستحب ہے اس میں اختیار ہے تسبیح، درود شریف، استغفار، تلاوت، انفرادی طور پر آہستہ آواز میں جو آسان معصوم ہو اس میں مشغول رہے، بلند آواز سے اجتماعی دعا کرنا اس کا ثبوت نہیں ہے اس لیے جائز نہیں۔

۳۷۔ تراویح ختم ہونے کے فوراً بعد وتر پڑھ لی جائے، اس کے بعد امام اور مقتدیوں کا تعلق ختم ہو جاتا ہے یہ ایک انفرادی طور پر تسبیح و تلاوت وغیرہ اعمال انجام دے سکتا ہے، سورہ ملک پڑھے یا نہ پڑھے اور کس وقت اس وقت انفرادی یا اجتماعی طور پر کوئی مخصوص عمل شریعت سے ثابت

- نہیں اس لیے تراویح کے بعد سورہ ملک کی تلاوت کی تخصیص اور اس کا التزام بدعت ہے۔
- ۳۸۔ رمضان کے آخری ایام میں الوداع یا الفراق کہہ کر پکارنا خطبہ جمعہ میں یا کسی اور وقت اس کا شریعت میں کوئی ثبوت نہیں اس لیے بدعت ہے۔
- ۳۹۔ تراویح میں ختم قرآن سے موقع پر منھائی تقسیم کرنے کے لیے چندہ کرنا یا منھائی تقسیم کرنے کا التزام کرنا یا اس کو تراویح کا حصہ سمجھنا بدعت اور ناجائز ہے۔ البتہ اگر کوئی اپنی حلال آمدن سے انفرادی طور پر تقسیم کرے تو اس کی گنجائش ہے۔
- ۴۰۔ عید کی مبارکباد دینا لینا جائز ہے لیکن اسے سنت سمجھنا جائز نہیں، اسی طرح انہی مخصوص الفاظ "عید مبارک" کو سنت اور ضروری سمجھنا بدعت ہے۔

(ماخوذ از بدعات رمضان : ص ۶۶)

- ۴۱۔ نقلی صدقات و خیرات کے لیے دن کی تعیین یہ شریعت مطہرہ پر زیادتی ہے اس لیے ناجائز اور بدعت ہے بلا تعیین وقت جس وقت دل میں آئے خیرات کرے۔
- ۴۲۔ بعض اوقات نماز کے بعد جو لوگ کھڑے ہو کر صلوٰۃ وسلام پڑھتے ہیں خصوصاً جمعہ کی نماز کے بعد یہ کئی قبائح و منکرات پر مشتمل ہونے کی بناء پر بدعت اور ناجائز ہے۔

(ماخوذ از احسن الفتاویٰ)

- ۴۳۔ کھانے کے بعد دعاء کے موقع پر ہاتھ اٹھانا شرعاً ثابت نہیں، لہذا ہاتھ اٹھائے بغیر انفرادی طور پر دعاء یا ثور پڑھی جائے۔ اس موقع پر ہاتھ اٹھا کر اجتماعی دعا کرنا بدعت ہونے کی بناء پر واجب الترتیب ہے۔

- ۴۴۔ شبِ برأت کے موقع پر طلوہ پکارتا ناجائز ہے۔
- ۴۵۔ فقہاء کرام رحمہم اللہ نے نماز کے "اوہ جن مواقع پر اذان کو مشروع قرار دیا ہے ان میں شدید بارش کے وقت اذان کہنا مذکور نہیں اس لیے اس وقت پر اذان کہنا ناجائز نہیں۔

نسوار استعمال کرنا:

نسوار کے استعمال سے انسان کو غذائی لحاظ سے کوئی فائدہ نہیں پہنچتا اسی طرح اس میں ایک قسم کی بدبو بھی ہے جس سے فطرت سلیمہ کو کھن آتی ہے، لہذا اس کے استعمال کی عادت نہیں بنانی چاہیے، اگر کسی کو عادت یزگنی سے تو اس کو ترک کرنے کی مکمل کوشش کی جائے، تاہم اس کے

استعمال کو حرام یا ناجائز نہیں کہا جائے گا۔

البتہ نساوارکھ کر مسجد میں جانا منع ہے، کیونکہ اس کی بدبو سے نمازیوں کو تکلیف ہوتی ہے جب تک نساوارکھانے کی عادت نہ چھوڑے، اس وقت تک اس کا اہتمام کرنا لازم ہے کہ مسجد میں آنے سے پہلے منہ کو اچھی طرح صاف کر لیا جائے۔

باقی چونکہ نماز کے دوران کھانا پینا جائز نہیں اس لیے دوران نماز نساوارکھ کا استعمال بھی جائز نہیں ہوگا، اسی طرح روزہ کی حالت میں بھی نساوارکھ کا استعمال جائز نہیں اگر کسی نے استعمال کر لیا تو اس سے روزہ فاسد ہو جائے گا، اس کے ذمہ اس روزہ کی قضاء لازم ہوگی۔

قال العلامة اس عابدين رحمه الله احتلوا في معي التغدي
فان بعصهم ان يميل الطمع إلى أكله وسقسي شهوة لطنه وقال
بعصهم هو ما يعود بفعه إلى صلاح البدن ، وفائدته فيما دام صغ
لقمة ثم اخرجها ثم اتلعها فعلى الثاني يكفر لا على الأول ،
وبالعكس في الحشمة لانه لا يقع فيها للبدن وربما تنقص عقله
و يميل إليها الطمع وتنقضي بها شهوة البطن اهـ .

(رد المحتار باب ما يفسد الصوم : ٢/ ٤١٠)

گانے کی طرز پر نظمیں پڑھنا:

رسول اللہ ﷺ کی تعریف کرنا، آپ ﷺ کے اوصاف حمیدہ، حسن و جمال کو بیان کرنا یا آپ ﷺ سے محبت و عقیدت کا اظہار کرنا جائز بلکہ کارِ ثواب ہے اور سرمایہ آخرت ہے۔ لیکن اس میں غلو کرنا، اللہ تعالیٰ کی صفات کو رسول اللہ ﷺ کے لیے ثابت کرنا یا دیگر شرکیہ کلمات کو آپ کے حق میں استعمال کرنا حرام، جہالت اور گمراہی ہے، اسی طرح نعت و نظم کو گانوں کے طرز پر پڑھنا اور اس کے ساتھ ساز اور موسیقی شامل کرنا، تعلیمات نبوی ﷺ سے سراسر انحراف بلکہ آپ ﷺ کی شان میں گستاخی ہے۔

وعن ابي مالك الاشعري رضي الله عنه قال : قال : رسول الله
صلى الله عليه وسلم : ليشربن ناس من امتي الخمر يسمونها لغير
اسمها ، يعرف على رؤسهم بالمعازف والمغنيات يخسف الله بهم

الارض ويجعل الله منهم القردة والخنازير

(رواہ ابو داؤد و ابی ماجہ ابن حبان)

یعنی جناب رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ میری امت کے چھ گوب شراب خواں کا نام بدل کر پیئیں گے اور ان کے سامنے معازف اور مزامیر کے ساتھ عورتوں کا گانا ہوگا، اللہ تعالیٰ ان کو زمین کے اندر دھنسا دے گا اور بعض کی صورتیں مسخ کر کے بندر اور سور بنادے گا۔

وعس على رصي الله عنه أن السي صلى الله عليه وسلم يهى عن

ضرب الدف ، والطمبل والصوت الرمارة . (كذا في بيل الاوصار)

یعنی جناب رسول اللہ ﷺ نے منع فرمایا ڈھول طبلہ بجانے اور بانسری کی آواز سننے سے۔ (موجودہ زمانے کی موسیقی اسی میں داخل ہے)

اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ آخری زمانہ میں میری امت کے کچھ لوگوں کی صورتیں مسخ کر کے بندر اور سور بنادیا جائے گا، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ! کیا وہ مسلمان ہی ہوں گے؟ تو آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ ہاں وہ اس بات کی گواہی دینے والے ہوں گے کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور میں اللہ کا رسول ہوں (یعنی مسلمان ہوں گے) اور روزہ بھی رکھتے ہوں گے، صحابہ کرام نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ پھر ان کا قصور کیا ہوگا؟ تو ارشاد فرمایا کہ وہ گانے بجانے کے آلات اور گانے بجانے والی عورتوں اور ڈھول بجانے میں مشغول ہوں گے اور شراب پیا کریں گے وہ رات اسی طرح شراب پینے اور دوسری کھیل کود میں گزار دیں گے جب صبح کو انھیں گے تو ان کے چہرے مسخ ہو چکے ہوں گے۔ (رواہ ابن حبان)

لہذا نعت رسول مقبول ﷺ کے ساتھ ساز ملا کر پڑھنا یا ساز ملانے بغیر گانے کی طرز میں جس سے گانے کی طرف دھیان جائے یا گانے کی لذت محسوس ہو شرعاً جائز نہیں، ایسی نعت و نظم پڑھنے اور سننے سے اجتناب کرنا لازم ہے۔

اسی طرح قرآن کریم کی تلاوت بھی گانے کی طرز پر کرنا جائز نہیں ہے، قرآن کو عرب کے لہجہ میں پڑھنا چاہیے۔

سی ڈیز میں محفوظ کی جانے والی چیز اکثر اہل علم و افتاء کے نزدیک تصویر ہی ہے، اس لیے ایسی

سی ڈیز کا استعمال ممنوع ہے، جن میں کسی جاندار کی تصاویر ہوں۔

روزہ میں انہیلر کا استعمال:

گیس پمپ (انہیلر) سے استعمال سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے، کیونکہ اس کے ذریعہ دوائی سے ذرات حلق میں داخل ہوتے ہیں، اگرچہ وہ گیس یا دھوئیں کی شکل میں ہوتے ہوں۔
فقہاءِ اہرام نے روزہ کی حالت میں دھواں یا غبار کو قصداً حلق میں داخل کرنے سے روزہ سے فاسد ہونے کا حکم لگایا ہے۔

وفي الدر ومصادره أنه لو ادخل حلقه الدخان أظفر أي دخان
كان، ولو عوداً أو عسراً أو داكراً لا مكان التحرز عنه فليتبسه له كما
بسطه شرسلافي

وفي رد المحتار: ومصادره أي معاد قوله دخل بنفسه بلا صنع منه
قوله أنه لو ادخل حلقه الدخان بأي صورة كان الادخال حتى لو
تحرز بخور أو آواه إلى نفسه واشتمه داكراً لصومه أظفر لا مكان التحرز
عنه وهذا مما يفعل عنه كثير من الناس ولا يتوهم أنه كشتم الورد
ومائه والمسك أو صواح الفرض بين هواء تطيب بريح المسك،
وشبه وبين جوهر دخان وصل إلى جوفه بفعله.

(رد المحتار: ۲/۳۹۵، مطبوعہ سعید)

باقی جس اخبار کا حوالہ دیا گیا ہے اس میں مسئلہ لکھنے والا کوئی شرعی عالم یا مفتی نہیں ہے مسائل
دیدہ کے لیے مستند علماء کی طرف رجوع کرنا ضروری ہے، ہر کس و نا کس کی بات پر اعتنا کرنا قطعاً
جائز نہیں، بہر حال اب فتویٰ یہی ہے کہ ”انہیلر“ کا استعمال روزہ کی حالت میں جائز نہیں اگر کسی
نے روزہ کی حالت میں استعمال کر لیا تو اس کا روزہ فاسد ہو جائے گا۔

بینک کے لیے تیار ہونے والے مکان میں مزدوری کا حکم:

کیا فرماتے ہیں علماء کرام و مفتیان عظام اس مسئلہ کے بارہ میں کہ اگر کسی کے رشتہ دار نکلی کا
کام کرتے ہوں (عام حالات میں ان کے یہاں زیادہ کام بھی نہیں ہوتا نہ گھر کے حالات زیادہ
بہتر ہوتے ہیں) تو اگر اسے بینک کا کام کرنا پڑے جو ابھی نیا کھولا گیا ہو یعنی اس بینک کا کنب

پہلے کوئی اور کام کرتا تھا اور اب پرانا کام وغیرہ ختم کر کے بینک آجوں رہا ہو اور اس بینک کی لکڑی کا تمام کام وہ اپنے رشتہ دار سے کروا رہا ہو اور اس بینک کا معاوضہ پہلے ادا کر لیا ہو اور کچھ کام سے بعد ادا کرے گا اور اب ان کے یہاں خوشحالی بھی ہے تو ان کے گھر جانا، کھانا کھانا اور اگر انہوں نے کچھ رقم بدینہ دی ہو تو اس کا کیا حکم ہے اور اگر کچھ کتابیں وغیرہ منگواتا ہوں تو اس رقم سے منگوانا کیسا ہے؟ مسئلہ مذکورہ کی وضاحت فرما کر بندہ کی الجھن دور فرمائیں۔ بیوا تو جبر،

جواب موجودہ دور میں بینک کے کاروبار میں اکثر سودی معاملات ہوتے ہیں، اب اگر وہ بینک کا ادارہ قائم کرے گا تو وہ بھی اسی قسم کے سودی معاملات ہی انجام دے گا، اس لیے ایسے لوگوں کے ساتھ تعاون کرنا گناہ کے کام میں تعاون ہے جس سے قرآن و حدیث میں منع فرمایا گیا ہے

﴿وَلَا تَعَاوَنُوا عَلَى الْإِثْمِ وَالْعُدْوَانِ﴾

تاہم صورت مسئلہ میں چونکہ ابھی تک بینک کا ادارہ وجود میں نہیں آیا تھا اس لیے اگر یہ شخص پہلے کی حلال رقم سے اجرت ادا کرے تو وہ اجرت حلال ہوگی، اس اجرت سے بڑھتی کسی کو کھانا کھلائے یا ہدیہ کرے تو اس کو قبول کرنا بھی جائز ہوگا۔ اور اگر اجرت، کچھ حصہ بینک کے کام شروع ہونے کے بعد بینک یا سابق حرام کی آمدن سے ادا کرے تو بینک سمیت سابقہ آمدن کے حرام ہونے کی وجہ سے اس کو لینا استعمال کرنا خود بڑھتی کے لیے بھی حلال نہیں، اگر لے لیا ہے تو بلا نیت ثواب فقراء پر صدقہ کر دینا واجب ہے، اگر بڑھتی اس رقم میں سے کسی کو ہدیہ کرے تو اس ہدیہ کو قبول کرنا اور اسے استعمال کرنا جائز نہیں، ہاں البتہ کسی فقیر کو مالک بنا کر دیدے تو اس کے لیے استعمال جائز ہوگا۔

وفي السر المختار قال : وجار تعمیر کیسہ و حمل حمر دمی

بسمہ او بدا بته باجر۔ وفي الشامیة قال في الحایة : ولو اجر نفسه

لیعمل في کیسہ و یعمرها لا بأس به لانه لا معصیة في عین العمل

(ردالمحتار : ۶/۳۹۱ کتاب الکراهیة)

بارش طلب کرنے کا مسنون طریقہ:

کیا فرماتے ہیں علماء کرام درج ذیل مسئلہ کے بارے میں کہ ہمارے علاقے میں جب بارش

نہ ہوں تو کچھ لوگ جمع ہو کر پیسے جمع کرتے ہیں خود بھی حصہ لاتے ہیں اور لوگوں سے بھی پیسے مانگتے ہیں پھر ان پیسوں سے چاول پکاتے ہیں اور لوگوں کو کھلاتے ہیں کہ دعا کرو اللہ تعالیٰ بارش کریں، تو کیا ایسے لوگوں کو پیسے دینا جائز ہے؟ اور کیا یہ چاول وغیرہ کھانا جائز ہے کچھ لوگوں کا خیال ہے کہ یہ یہودیوں کا طریقہ ہے۔ قرآن و سنت کی روشنی میں رہنمائی فرما میں۔ مینو تو جروا

جواب بارش طلب کرنے کا مسنون طریقہ یہ ہے کہ علاقہ کے ٹکٹ کسی میدان میں یا جامع مسجد میں جمع ہو کر استسقاء کی نیت سے دو رکعت نماز ادا کریں، اس کے بعد اللہ تعالیٰ سے مغفرت طلب کریں اور بارش کے لیے دعا کریں اور اپنے طور پر صدقہ خیرات بھی کریں۔

لیکن سوال میں مذکور طریقہ شریعت سے ثابت نہیں ہے اس لیے اس سے اجتناب لازم ہے اور اس میں ایک بنیادی خرابی یہ ہے کہ لوگوں سے جو چندہ لیا جاتا ہے، اس میں اکثر لوگوں کی خوش دلی کا یقین نہیں ہوتا، اس لیے اس طرح چندہ کرنا اس کو آگے استعمال کرنا شرعاً جائز نہیں ہے، اس میں چندہ دے کر شرکت بھی نہ کی جائے۔

لَقَوْلِهِ عَلَيْهِ السَّلَامُ : اِلَّا لَا يَحِلُّ مَالُ امْرِئٍ مُسْلِمٍ اِلَّا بِطَيْبٍ نَفْسٍ

منہ . (رواہ البيهقي في شعب الایمان)

یعنی جناب نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ سن لو کسی کا مال اس کی دلی رضامندی کے بغیر حلال نہیں ہے۔

دعوتِ ولیمہ و رخصتی کے احکام:

کیا فرماتے ہیں مفتیانِ کرام ان رسومات کے بارے میں جو کچھ عرصے سے ہمارے علاقے میں شروع ہیں اور بہت سے دیندار گھرانے اس میں مبتلا ہیں:

۱۔ نکاح اور رخصتی سے پہلے دعوتِ طعام کرتے ہیں، جس کو دعوتِ ولیمہ کہتے ہیں کیا اس کو ولیمہ مسنون کہا جاسکتا ہے؟ ہمارا گھرانہ جو کہ علاقے میں دیندار گھرانہ کہلاتا ہے اس میں ہمارے بھائی عبد اللہ کا نکاح ہو چکا ہے رخصتی سے ایک دن پہلے وہ ولیمہ کرنا چاہتا ہے کیا اس کو ولیمہ کہا جاسکتا ہے یا نہیں اور دیندار گھرانہ جو کہ علاقہ میں مقتدا کی حیثیت رکھتا ہو اس کے لیے اس بارے میں کیا احتیاط ہے، جبکہ نکاح سے پہلے ولیمہ کا رواج پڑتا جا رہا ہے۔

۲۔ دعوتِ ولیمہ میں بعد الطعام ایک آدمی دروازے پر بٹھا دیتے ہیں جو کھانے

کھانے والوں سے پیسے وصول کرنا سے روکنا اور رقم ٹھہا لیتا ہے، پھر جب ان (رقم دینے والوں) میں سے کسی کی شہادت ہوتی ہے تو یہ دیکھ کر بھی اتنے ہی پیسے نہ منہ زیادہ دیتے ہیں اور اس کو ضروری سمجھتے ہیں اور یہی طریقہ پیسہ ہمارے علاقے کے ہندوؤں کا بھی ہے۔ کیا ایسا کرنا صحیح ہے؟ جائز اور مسنون طریقہ سنے ہماری رہنمائی فرمائیں۔

۳. برأت کو نکاح کے بعد لڑکی والے کھانا کھلاتے ہیں یا بعض لوگ ڈبے تقسیم کرتے ہیں کیا لڑکی والوں کو اس موقع پر کھانا کھانا یا ڈبے تقسیم کرنا جائز ہے یا ناجائز اور ان صورتوں میں دیندار مقتدا گھرانہ کے لیے کیا احتیاط ہے، نیز ان لوگوں کو اس طعام میں شرکت کرنا اور اس طعام کا اہتمام کرنا صحیح ہے یا نہیں؟ باحوالہ رہنمائی فرمائیں۔

۴. منگنی میں ایک ہزار دیتے ہیں تاکہ دو ہزار ملیں، اسی طرح رخصتی کے بعد لڑکی کے بھائی، خاوند کے گھر اپنی بہن کو ملنے جاتے ہیں اور اس کو اس نیت سے پیسہ دیتے ہیں کہ بعد میں دمنے ملیں گے، کیا ایسا کرنا شریعت کی روشنی میں جائز ہے یا نہیں؟ واضح رہے کہ ان تمام رسومات کو بہت ضروری سمجھا جاتا ہے اور نہ کرنے والے کو ملعون کیا جاتا ہے، ایسی صورت میں دیندار مقتدا گھرانہ کے لیے کیا صورت بہتر ہے؟ جیسا تو جروا

جواب ۱۰. ولیمہ سنت ہے، البتہ اس کے لیے کوئی خاص وقت، خاص چیز، خاص مقدار شرعاً مستعین نہیں ہے، حسب استطاعت جس وقت جس چیز کے ساتھ ہو ولیمہ کی سنت ادا کی جاسکتی ہے، دعوت ولیمہ نکاح کے وقت بھی ہو سکتی ہے نکاح کے بعد بھی، البتہ بہتر یہ ہے کہ شہ زفاف یعنی میاں بیوی کی ملاقات کے بعد کی جائے۔

قال العینی رحمہ اللہ : قال فی المغنی : ویستحب لمن تزوج أن

یولم ولو بشاة ، لا خلاف بین اہل العلم فی أن الولیمة فی العروس

سنة مشروعة ولیست بواجبة فی قول اکثر اہل العلم (إلی قوله)

وقال عیاض : لا خلاف أنه لا حد لقلیل الولیمة ولا لکثیرھا ؟ أو

اختلف السلف فی وقتھا : هل هو عند العقد أو عقبھا ؟ أو عند

الدخول أو عقبه ؟ أو موسع من ابتداء العقد إلی انتهاء الدخول ؟

اقوال . إلی قوله وحديث انس فاصبح رسول الله صلى الله عليه

و مسلم بریص ، قد غنی القوہ صریح بانہا بعد الدحول

(عمدة القاري : ۱۴۱ - ۱۱۱ - ۱۲)

وعس أنس رضى الله عنه أو لم عسها (أي على صفه) بحس

وعس صفية سب سبة رضى الله عنها قالت أو لم اسي صفي لله

عنه و مسلم على بعض بسائه بحديث من شعير. (مشكوه باب ۱۰ ص ۱۰)

۲۔ شادی کے موقع پر سوال میں ذکر کردہ طریقہ پر جو رقم وصول کی جاتی ہے اس میں

کئی قباحتیں ہیں:

(۱) قرض کا لین دین ہے، جبکہ بلا ضرورت قرض کا لین دین شرعاً ایک ناپسندیدہ عمل

ہے، جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے قرض سے پناہ مانگی ہے، نیز قرض کو قرض اس سے کہا جاتا ہے کہ یہ مقرض الحجة یعنی محبت کو کانٹنے والی قینچی ہے۔

(۲) بعض علاقوں میں یہ رواج ہے کہ دوسرے کی شادی کے موقع پر یہ رقم بڑھا کر

لوٹائی جاتی ہے جو کہ سود کے حکم میں ہے۔

(۳) اکثر ایسا بھی ہوتا ہے کہ یہ قرض واپس کرنے کا موقع ہی نہیں ملتا، مثلاً واپسی سے

پہلی ہی دونوں میں سے کسی ایک کا انتقال ہو جائے، یا علاقہ چھوڑ کر دور کہیں چلا جائے، اس صورت میں دوسرے کی حق تلفی اور ناجائز طور پر مال استعمال کرنے کا گناہ ہوا، اس لیے یہ رقم قابل ترک ہے۔

(۴) کسی کی دعوت کرے اس سے پیسے وصول کرنا، غیرت و حمیت کے خلاف ہونے

کے علاوہ ایک احمقانہ حرکت ہے، اگر کسی کو دعوت کرنے کی استطاعت نہیں وہ دعوت کرتا ہی کیوں ہے؟ بالکل نہ کرے یا جتنے افراد کو کھانے کی استطاعت ہے صرف اتنے ہی افراد کی دعوت کرے۔

(۵) اگر ہدیہ ہی تسلیم کیا جائے قرض قرار نہ دیا جائے تو بھی یہ رقم عموماً رسم سے مجبور

ہو کر دی جاتی ہے، طیب خاطر اور خوش دلی سے نہیں دی جاتی، اور حدیث میں آتا ہے

لا يحل مال امرئ مسلم إلا بطيب نفس منه .

کہ مسلمان کا مال اس کی طیب خاطر کے بغیر حلال نہیں، ہاں البتہ واپس لینے کی نیت یا رسم

کے بغیر عزیز و اقارب میں سے کوئی ہدیہ دے تو اس کو قبول کرنے میں کوئی حرج نہیں۔

۲۔ نبی کریم ﷺ کے زمانہ میں رخصتی کا کوئی خاص طریقہ نہیں تھا اور نہ ہی بارات اور لوگوں کے اجتماع کا کوئی اہتمام تھا، جیسا کہ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو ان کی والدہ محترمہ نے رخصت کیا اور حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا اور رسول اللہ ﷺ نے حضرت ام ایمن رضی اللہ عنہا سے۔ تاہم حضرت علی رضی اللہ عنہ کے گھر روانہ فرمایا، البتہ اگر پردے کا اہتمام ہو اور مردوں کے ساتھ متلاطوعہ و مفاسد نہ ہوں تو رخصتی کے وقت قریبی رشتہ دار خواتین گھر میں جمع ہونے کی گنجائش ہے، اور ان کے لیے بقدر استطاعت کھانے کا انتظام کرنا بھی درست ہے، لیکن اس کھانے کو صرف مہمان نوازی کی حیثیت دی جائے، اس کو دعوت مسنونہ نہ سمجھا جائے، کیونکہ رخصتی کے موقع پر لڑکی والوں کی طرف سے کھانے کا انتظام شریعت میں ثابت نہیں۔

۳۔ فی نذرہ بدایا و تھا نف کا بین دین شرعاً مطلوب ہے، آپس میں محبت بڑھانے کا رعبہ ہے، حدیث شریف میں اس کی ترفیب وارد ہوئی ہے۔

لیکن منگنی کے موقع پر بدیہ کے نام پر جو رقم اس غرض سے دی جائے تاکہ اس کا دو گنا عوض ملے یہ ایک خلاف شرع رسم ہے اور درحقیقت یہ بدیہ نہیں بلکہ سودی قرض کی ایک صورت ہے، اسی لیے فقہاء کرام رحمہم اللہ نے اس کو ربو میں داخل فرما کر ناجائز قرار دیا ہے۔

فَالْمَلَاحِيظُونَ رَحِمَهُمُ اللَّهُ تَعَالَى فِي تَفْسِيرَاتِ أَحْمَدِيَّةٍ تَحْتَ
قَوْلِهِ تَعَالَى ﴿وَمَا اسْأَمْتُمْ مِنْ رِئَاسَتِهِمْ فِي أَمْوَالِ النَّاسِ فَلَا يَرِبُوا عِنْدَ
اللَّهِ﴾ الْآيَةَ قَالَهُ يَحْيَى رَأْسُ الْيَكْمُولِ الْمُرَادُ بِهِ رَبُّو الْحَلَالِ أَيْ وَمَا
يُعْطَوْنَهُ مِنْ يَهْدِيهِمْ أَحَدُوا أَكْثَرَ مِنْهَا فَلَا يَرِبُوا عِنْدَ اللَّهِ لَا كَيْفَ لَمْ
تَرِيدُوا سَدِّ هَذِهِ سَبِيلَهُ وَبِهِدْ أَحْمَدِي وَرَدَّتْ هَذِهِ الْآيَةُ وَالْأَقْلَامُ
الْمَحْرُومُ فَدَنَّا فِي هَذِهِ السُّفْرَةِ وَالْأَعْمَرَانِ وَلَكِنَّ الْإِمَامَ إِبْرَاهِيمَ لَمْ
يَجْعَلْ هَذَا الرَّبُّو حَلَالًا لِأَنَّ سَمَاءَ مَكْرُوهًا وَقَالَ إِنَّ الرَّبُّو يُوعَانُ
حَرَامٌ وَمَكْرُوهٌ وَالْآيَةُ أَشَارَةٌ إِلَيْهِمَا وَاللَّهُ أَعْلَمُ . (پ ۲۱ : ۵۹۹)

شادی کے تحفے تحائف:

کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس بارے میں کہ

۱۔ لیکنہ (فرضی نام) کو طلاق ہو گئی ہے، منگنی کے وقت پہنائی گئی انگلی اور منہ

دھائی کے وقت شوہر کی طرف سے دی گئی انگوٹھی کیا وہ سیکنہ کی ملکیت ہیں؟

۲. سیکنہ کے سرال والوں کا یہ مطالبہ ہے کہ وہ ہم کو واپس کر دی جائیں صحیح ہے یا نہیں؟

۳. سلامی منہ دکھائی کے وقت سرالی رشتہ داروں کی طرف سے جو پیسے سیکنہ کے ہاتھ میں دیے گئے تھے وہ کس کی ملکیت ہیں سیکنہ کی یا سرال والوں کی؟

۴. سیکنہ نے سلامی / منہ دکھائی کے ان پیسوں سے اپنے لیے سونے کے جھمکے بنوائے اب سرال والوں کا مطالبہ ہے کہ وہ ہماری ملکیت ہیں ہمیں واپس کیے جائیں کیا وہ ان کو واپس کر دیئے جائیں؟

۵. سیکنہ کے جہیز کی چیزوں کو قسطوں میں واپس بھجوانا اور ان چیزوں میں کمی کرنا کیا یہ درست ہے؟

۶. سیکنہ سے منسوب کوئی ملکیتی چیز مثلاً تصویریں یا کوئی ایسی چیز جس سے مستقبل میں کوئی ایذا پہنچنا مقصود ہو واپس نہ کرنا (سابقہ) سرال والوں کا ایسا کرنا دین کے لحاظ سے کیا عمل ہے؟

شریعت کی رو سے مندرجہ بالا سوالات کے جوابات دے کر عند اللہ ماجور ہوں۔ جیسا تو جردا جواب ۱. مگنی کے وقت جو انگوٹھی دی جاتی ہے وہ عورت کو ہدیہ دی جاتی ہے، لہذا یہ انگوٹھی اس کی ملک ہے، واپس لینا جائز نہیں البتہ کسی جگہ کا عرف اور دستور عاریتہ دینے کا ہو، یا عاریت کے الفاظ کہہ کر دیا جاتا ہو تو اس کی ملک نہ ہوگی اور واپس لینے کا حق ہوگا۔

۲، ۳، ۴. منہ دکھائی کے وقت شوہر کی طرف سے جو انگوٹھی دی جاتی ہے اسی طرح سرالی رشتہ داروں کی طرف سے جو تحفے دیئے جاتے ہیں وہ عورت کے لیے ہدیہ ہوتے ہیں اس کو واپس لینا جائز نہیں۔

قلت : ومن ذلك ما يبعثه إليها قبل الزفاف في الأعياد والمواسم من نحو ثياب وحلى . وكذا ما يعطيها من ذلك أو من ذراهم أو ذنانير صبيحة ليلة العرس ، ويسمى في العرف صبيحة ، فإن كل ذلك معروف في زماننا كونه هدية لامن المهر لا سيما المسمى صبيحة

فإن الروحة تعوضه عنها ثبار ونحوها صححه بعض

(رد المحتار مضب فيما يرسله انى الروحة: ١٥٣ ٣)

۵. عورت کو اپنے والدین یا عزیز واقارب کی طرف سے بطور جنت جو سامان دیا گیا ہے وہ اس کی ملکیت ہے، اس کو اس میں ہر جائز تصرف کا حق حاصل ہے، طلاق ہو جانے کی صورت میں شوہر کا بلاوجہ کسی چیز کو روکنا یا واپس کرنے میں تاخیر کرنا جائز نہیں، البتہ جو چیزیں داماد کو شادی کے موقع پر بطور تحفہ کے دی گئیں ہیں ان چیزوں کا مالک وہ خود ہے، ان کو واپس کرنا ضروری نہیں۔

لما في الولو الحية: جهر ستة ثم مات فصب فيه اربعة الفسمة.

فإن كان الاب اشترى لها في صغرها أو في كبرها وسم لها في صحته فهو لها خاصة اهـ.

(رد المحتار: ١٥٧/٣ مطلب دعوى الاب ان صحار عارية)

۶. تصویر وغیرہ روکنا اس سے ایذا پہنچانے کی اور طریقہ سے بھی کسی مسلمان کو ایذا پہنچانا حرام ہے۔

البتہ شادی کے موقع پر تصویریں بنوانا پھر ان کو بطور یادگار رکھنا شرعاً سخت منہا ہے، ایسی تصویروں کو ضائع کرنا لازم ہے، لہذا ان تصویروں کو عورت یا اس کے رشتہ داروں کے سامنے ضائع کر دیں۔

تجلیہ: سوال میں مذکور ہے، محبت کو منہ دکھائی کے وقت تحفے دیئے گئے، بعض علاقوں میں اس عمل کو بطور رسم کے ادا کیا جاتا ہے، یہ شرعاً ناجائز ہے، خصوصاً غیر محرم مردوں یعنی شوہر کے بھائی، چچا زاد، ماموں زاد، بہنوئی وغیرہ اس موقع پر دلہن کو دیکھنے کا اہتمام کرتے ہیں، یہ انتہائی بے غیرتی کی بات ہے، اس رسم بد سے بچنا بچانا لازم ہے۔

خواتین کے لئے دلچسپ لکچر مافی اور مستند اسلامی کتب

حقوق عورت	انگریزی	اردو	تحفہ زوجین پرستی زبور
.....	اسلام خواتین
.....	اسلامی شادی
.....	پردہ اور حقوق زوجین
مفسر القرآن	"	"	اسلام کا نظام عفت و صحت
حقوق عورت	"	"	بیوگانہ عورتوں کا حق تنسیخ نکاح
الطہارۃ النجس	"	"	خواتین کے لئے شرعی احکام
تہذیب و تمدن اسلامی	"	"	سیرت النبیات مع اسوۃ صلیات
مفسر القرآن	"	"	چھوٹا گارہو
.....	"	"	خواتین کا حج
.....	"	"	خواتین کا طریقہ نماز
.....	"	"	ازواج مطہرات
.....	"	"	ازواج الانبیاء
.....	"	"	ازواج صحابہ کرام
.....	"	"	پاکستان کی سیر کی صاحبزادیاں
.....	"	"	عجیب بیبیاں
.....	"	"	جنت کی خوشخبری پانے والی خواتین
.....	"	"	دور نبوت کی برکت و خواتین
.....	"	"	دور جاہلیہ کی نامور خواتین
.....	"	"	تحفہ خواتین
.....	"	"	سور خواتین کے لئے بیس سبق
.....	"	"	زبان کی حفاظت
.....	"	"	شہر کی پردہ
.....	"	"	میاں بیوی کے حقوق
.....	"	"	سلمان بیوی
.....	"	"	خواتین کی اسلامی زندگی کے سائنسی حقائق
.....	"	"	خواتین کا اسلام کا شافی کردار
.....	"	"	خواتین کی دلچسپ معلومات و نصائح
.....	"	"	اسراء العرف و عفت النکاح و خواتین کی ذمہ داریاں
.....	"	"	قصص الانبیاء
.....	"	"	احادیث شریفہ
.....	"	"	عملیات و وظائف
.....	"	"	آئینہ عملیات
.....	"	"	اسلامی وظائف

پیشہ دارالاشاعت اردو بازار اسلام آباد کراچی فون ۲۲۲۱۸۶۱-۲۲۲۱۸۶۲

دَارُالِشَاعِیَّتْ ← کی مطبوعہ مفتی کتب ایک نظر میں

[illegible]

روزنامه آسمانی • روزنامه آسمانی